عصر حاضر میں بدھ مت اور زرتشت مذہب میں حقوق نسواں کا اسلامی تعلیمات سے تقابلی جائزہ

(مقالہ برائے پی ایچ۔ڈی)



زیرِ نگرانی

ڈاکٹر ناصر الدین

مقالہ نگار

کلثوم فاطمہ

شعبہ علومِ اسلامیہ، جامعہ کراچی

2019ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ فَإِنْ كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَى أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَيَجْعَلَ اللهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا (النساء:19/4)

ترجمہ: ”اور زندگی بسر کرو اپنی بیویوں کے ساتھ عمدگی سے پھر اگر تم ناپسند کرو انہیں تو (صبر کرو) شاید تم ناپسند کرو کسی چیز کو اور رکھ دی ہو اللہ تعالیٰ نے اس میں (تمہارے لیے) خیرِ کثیر“۔

تصدیق نامہ

میں تصدیق کرتا ہوں کہ یہ تحقیقی مقالہ **"عصر حاضر میں بدھ مت اور زرتشت مذہب میں حقوق نسواں کا اسلامی تعلیمات سے تقابلی جائزہ"** کلثوم فاطمہ بنت سعادت نواز خان نے میری نگرانی میں مطلوبہ شرائط کے تحت مکمل کیا ہے۔لہذا اس مقالے کو ممتحنین کی جانچ کے لیے پیش کرنے کی اجازت دی جاتی ہے۔

ڈاکٹر ناصر الدین

(ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ اصول الدین)

جامعہ کراچی۔ کراچی

انتساب

میں اپنی اس تحقیقی کاوش کو اپنے مشفق و مہربان
والدین کے نام کرتی ہوں کہ جن کی تربیت،
محنت اور دعاؤں کے طفیل میں اس مقام تک
پہنچنے میں کامیاب ہوئی۔

اظہارِ تشکر

میں اللہ رب العزت کی بارگاہ اقدس میں نذرانۂ تشکر پیش کرتی ہوں جس کے فضل و کرم کی بدولت میں اس علمی و تحقیقی مقالے کو مکمل کرنے میں کامیاب ہوئی۔ نذرانۂ درود و سلام اس حبیب کریم ﷺ کی بارگاہ میں جن کو احکم الحاکمین نے رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا۔

میں اپنے والدین کی انتہائی مشکور ہوں جن کی شفقت اور حوصلہ افزائی نے میری ہمت باندھے رکھی اور میں اس مقام تک پہنچنے میں کامیاب ہوئی۔

بعد ازاں میں اپنے تحقیقی مقالے کی تکمیل اور گراں قدر رہنمائی پر اپنے محترم و مشفق استاد ڈاکٹر ناصر الدین صاحب کی انتہائی مشکور ہوں جنہوں نے ابتداء تا تکمیل مقالہ ہر لمحہ شفقت و نوازش فرمائی اور کبھی بھی چیں بہ جبیں نہ ہوئے۔

گو کہ اس مقالے کی تکمیل میں کئی نشیب و فراز آئے اور مجھے کئی مشکلات کا سامنا بھی کرنا پڑا بالخصوص بدھ مت اور زرتشت مذہب کے حوالے سے مصادرِ اصلیہ کی عدم دستیابی ، میں اس سلسلے میں محترمہ پروین ربادی(Head Mistress of Mama Parsi School)کی انتہائی شکر گزار ہوں جنہوں نے عظیم علمی سرمایہ "Dastur Dr. Dhalla Library"تک غیر مشروط رسائی عنایت فرمائی اور علمی و اخلاقی تعاون فرمایا۔ اس کے ساتھ ساتھ لائبریری کے منتظمین محترمہ خورشید کوتوال صاحبہ اور محترم سائرس صاحب کی بھی تہہ دل سے مشکور ہوں جنہوں نے زرتشت مذہب کے متعلق مواد کی جمع آوری اور مصادرِ اصلیہ تک رسائی کو آسان بنایا اور لائبریری سے استفادے کا وسیع و عمومی موقع فراہم کرتے ہوئے اضافی وقت عنایت فرمایا۔ میں نہایت شکر گزار ہوں تھائی لینڈ میں مقیم بھکشو"Raju Kumar Chakma" کی جنہوں نے بدھ مت سے متعلق معلومات اور آن لائن کتب کا ذخیرہ مہیا کیا۔

دورانِ تحقیق مجھے جب بھی عربی یا انگریزی مواد کا ترجمہ سمجھنے میں دقّت پیش آئی تو اس سلسلے میں محترم ڈاکٹر محمد عارف خان ساقی صاحب اور محترم ڈاکٹر عمیر محمود صدیقی صاحب نے میرا بھرپور ساتھ دیا اور میری رہنمائی فرمائی جن کی میں صمیم قلب سے متشکر ہوں۔

میں شکر گزار ہوں مولانا محمد ایوب اور مولانا محمد سجاد کی جنہوں نے کمپوزنگ میں میری بھرپور معاونت کی، ڈاکٹر حافظ فیض رسول صاحب کی بھی انتہائی مشکور ہوں جنہوں نے دورانِ تحقیق ہر لمحہ میری رہنمائی فرمائی اور انتہائی ممنون و مشکور ہوں سیدہ حسیبہ رحمانی کی جنہوں نے دورانِ تحقیق میری بھرپور معاونت کی۔

اخیر میں دیگر تمام احباب جن کا کسی بھی سطح پر میرے ساتھ علمی تعاون رہا ہے میں ان سب کی تہہ دل سے ممنون ہوں اور دعا گو ہوں کہ اللہ رب العزت ان سب کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

آمین یارب العالمین

کلثوم فاطمہ

تحقیق کار، شعبہ علوم اسلامیہ

جامعہ کراچی، کراچی۔

فہرست

A comparative Analysis of Women Rights in Buddhism, Zoroastrianism and Islam in the Contemporary World.

ABSTRACT:

Allah the Lord of honor has created man and woman, so that they live in their limitations to run the systems of the universe. By staying in it, every gender is bound to fulfill their rights and duties so that no one deprives. The man's virtue and superiority has been accepted in every era but unfortunately the woman is considered less and not awarded with the designation she deserved in the society. If we consider the status of woman in the age of ignorance then the history has witnessed that if the female child was born in any house the girl was then buried alive and was not considered worthy enough to spent her life on the surface of the earth along with no provision of part of heritage. In short she was the victim of intense brutality, the woman was suffering from such harsh conditions then the light of Islam emerged and the woman was provided the highest position that no one can touch.

So, for the reference if we review the status of woman in contemporary Buddhism, we find two ideas. Where they talked about the virtue of woman, we also have some ideas in condemnation of woman. Where caring and respecting mother and father equally, respecting one's wife and not feeling disappointed for a girl's birth was a law there the men was transited to beware and stay away from the women. If we review the religious status of woman in Buddhism then we get to know that the Gautama Buddha was not himself agreed to establish a religious group specifically for women but because of the force of ANANDA he finally agree but for women there were very strict rules. In these rules the men were given more priority, which is understood by the point that a very elderly noble woman (nun) have to bow for the younger noble man (monk). Apart of that in many matters like maladjustments in between men and women, rules of khula and heritage rights of women there is no ideology of Gautama Buddha founded in the doctrine book of Buddhism.

While in Zoroastrianism the woman had provided with enough freedom and her basic rights had been accepted in which education, subsistence (food), maladjustment, freedom of expression and speech and inheritance rights etc… are worth mentioning. There are no doubts that in compression to other nations Zoroastrianism had provided authorities on the basis of legitimate

status not only maintain maladjustment in worldly matters but also had provided alternatives of religious and political matters but despite of all these things still there are some areas which are dark and narrow and are first in focus which is during those specific days the intense amount of hatred expressed for a woman in this religion. Such examples cannot be found in any other nation worldwide. The woman is considered as extremely filthy during those specific days of menstruation periods, eating food being cooked with her hands are bear edge living with her was considered to be the reason for destruction. This is a question mark on the ethical education of Zoroastrianism such that the religion who allows a woman to rule a country and consider a woman no less than man, it is not such a derogatory ritual pre-ex-conviction on the compulsion and helplessness of a woman.

On the contrary, when the darkness of the ignorance was reduced by the luminous rays of Islam and its overturning, the oppressive populace enlarges humanity so specifically the woman had been provided the honored position to which they were deprived from a long time. On the basis of family, the religion of Islam had designed a fair system of rules and rights for both the genders in a way that there should be no sense of inequality and injustice between any of the genders. In this research I have proved evidently that Islam provides woman as being a mother, wife, daughter, sister related or widow etc… the rights that have made her position even more superior and men are being ordered to behave well with them and also fulfill their rights as best as possible.

In this present era the Muslim nations especially Pakistan the woman is fighting for her rights, the rights which were fixed for her fourteen hundred years ago. The only action needed is to implement the Islamic rules so that the woman can take advantages from the rights given by Islam and spend her life in a better way. It will protect them from liberal movements for so called women rights. This research will help and assist the policy makers on national and international level to protect the rights of oppressed women in this modern age.

مقدمه

الحمد لله الذی فرض الحدود لمصلحة عباده والصلوة والسلام علی من اقام العقوبات لتنفیذ احکامه وعلیٰ اله واصحابه الذین اسلموا، قابهم بین یدی تعزیراته، اما بعد!

1۔ موضوع کا تعارف:

اللہ تبارک وتعالیٰ نے مرد و عورت کو تخلیق فرمایا اور ان سے نسلِ انسانی کی نشوونما ہوئی۔ مرد کی فضیلت اور برتری کو تو ہر دور میں تسلیم کیا گیا لیکن بد قسمتی سے عورت کو ہر دور میں کم تر و حقیر سمجھا گیا اور اسے معاشرے میں وہ مقام و مرتبہ نہ مل سکا جس کی اہلیت اسے اللہ تبارک وتعالیٰ نے عطا فرمائی۔ تاریخ عالم کے مطالعے سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ مختلف تہذیب و مذاہب میں عورتوں پر جو مظالم ڈھائے گئے اور جس طرح ان کے حقوق پامال کئے گئے ان کا تذکرہ بھی آج انسانیت کو شرمندہ کر دیتا ہے۔ یہ دنیا ظلمت و تاریکی میں ڈوبی ہوئی تھی، عدل و انصاف کے تقاضے شرمائے ہوئے تھے، کہیں اہلِ یورپ عورت کے وجود میں روح کی موجودگی کو ماننے سے انکاری تھے تو کہیں اہلِ عرب لڑکیوں کو زندہ در گور کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتے تھے۔ کوئی ایسا مسیحانہ تھا جو یہود کی دھتکاری ہوئی عورت کو آغوشِ رحمت میں جگہ دیتا یا زرتشتیوں کے نزدیک قابل نفرت (زرتشت مذہب میں عورت کو مخصوص ایّام میں نجس و ناپاک قرار دیا گیا ہے اور اسے ان ایّام میں گھر سے دور مخصوص قیام گاہوں میں منتقل کرنے کی تلقین کی گئی ہے) قرار دی جانے والی عورت کو تحفظ فراہم کرتا اور بدھ مت کے تصورِ عورت (بدھ مت کی رو سے عورت کی پیدائش برے اعمال کا نتیجہ ہے اور وہ اس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتی جب تک کہ اس کی پیدائش مرد کی صورت میں نہ ہو جائے) کی اصلاح کرتا۔ اس وقت نہ کوئی این جی او تھی جو عورت کی دلجوئی کرتی، نہ کوئی تحفظِ نسواں کا علمبردار تھا جس کے زیر سایہ عورت سکھ کا سانس لے سکتی۔

ایسے نازک حالات میں صرف دین اسلام ہی تھا جس نے اپنی تعلیمات کے ذریعے اقوامِ عالم کو اس حقیقت سے روشناس کروایا کہ تخلیقی اعتبار سے اور فطرتی طور پر عورت کا کوئی بھی روپ قابل نفرت نہیں۔ عورت اگر ماں ہے تو اولاد کے لیے جنت کے حصول کا ذریعہ، بیوی ہے تو شوہر کی آنکھوں کی ٹھنڈک، بہن ہے تو الفت و محبت کا پیکر اور بیٹی ہے تو باعثِ رحمت۔

عصرِ حاضر کی ضرورتوں کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اسلامی تصورِ نسواں کا تقابل بدھ مت اور زرتشت مذہب سے کیا گیا ہے۔ زیرِ نظر مقالے میں غیر جانبداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس حقانیت کو دلائل کے ساتھ واضح کیا گیا ہے کہ

صرف دین اسلام ہی نے عورت کو مکمل اور حقیقی تحفظ فراہم کیا ہے اور اسے مذہبی، اخلاقی، معاشرتی، معاشی، سیاسی غرضیکہ تمام شعبہ ہائے زندگی میں ایسے حقوق سے نوازا ہے جس کی نظیر دوسرے مذاہب میں نہیں ملتی۔

2۔انتخابِ موضوع کے اسباب:

زیرِ بحث موضوع کے انتخاب اور تحقیق کے اسباب مندرجہ ذیل ہیں:

i. **بلحاظِ ضرورت واہمیت:**

دنیائے جدید میں تحفظِ نسواں، آزادیٔ نسواں اور حقوقِ نسواں سب سے زیادہ زیرِ بحث لائے جانے والے موضوعات ہیں۔ اہلِ مغرب حقوقِ نسواں کی آڑ میں تہذیب و اخلاق سے عورت کو آزادی دلانے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں۔ متذکرہ بالا حقوق کی آڑ میں جس طرح کی فحاشی و عریانی کو فروغ دیا جارہا ہے وہ دنیا پر عیاں ہے۔ اس امر کی اشد ضرورت ہے کہ عورت کے حقوق اور تحفظ سے متعلق اسلامی نقطۂ نظر کو فروغ دیا جائے۔

ii. **بلحاظِ افادیت:**

بحیثیت مسلمان، اسلامی تعلیمات کا فروغ اور دینِ اسلام کی تبلیغ و اشاعت ہر مسلمان کا مذہبی فریضہ ہے۔ زیرِ نظر تحقیق بھی اسی افادیتی پہلو کے پیش نظر کی گئی ہے تاکہ پوری دنیا کے سامنے دینِ اسلام کے منصفانہ رخ کو پیش کیا جاسکے اور دینِ اسلام سے قبل مختلف مذاہب بالخصوص بدھ مت اور زرتشت مذہب میں عورت کی حیثیت کو بیان کرتے ہوئے دینِ اسلام میں عورت کے مقام و مرتبے کو واضح کیا جاسکے۔

iii. **بلحاظِ دلچسپی محقق:**

عورت ہونے کے ناطے حقوقِ نسواں ہمیشہ سے میری دلچسپی کا موضوع رہا ہے اور میری یہ خواہش رہی ہے کہ مختلف ادیان و مذاہب نے عورت کو جو حیثیت دی ہے اور جس قدر اس کے حقوق کا تحفظ کیا ہے ان کا تقابل دینِ اسلام کے عطا کردہ حقوقِ نسواں کے تناظر میں کیا جائے اور خواتین سے متعلق تعلیمات اسلامی کی اصل حقیقت سے روشناس کرایا جائے۔ لہٰذا یہ ایک ایسا تحقیقی موضوع تھا جو میری دلچسپی کی تمام جہات کا احاطہ کرتا تھا اس بناء پر اس موضوع کا انتخاب کیا گیا۔

iv. بلحاظِ مواد:

اس موضوعِ تحقیق کے انتخاب کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ دورِ جدید میں حقوقِ نسواں کے موضوع پر مغربی مفکرین کی جانب سے جو کچھ بولا اور لکھا جارہا ہے اس میں اسلامی طرزِ زندگی بالخصوص خواتین کے حقوق کے حوالے سے بہت سے مشکوک نظریات اور غلط فہمیوں کو پروان چڑھایا جارہا ہے جس کے سبب نادانستگی میں بہت سے مسلمان اس غلط فہمی کا شکار ہو کر دینِ اسلام کی فطری و حقیقی تعلیمات سے منحرف ہو رہے ہیں لہٰذا ان غلط فہمیوں کا قلمی دفاع راقمہ کے نزدیک بہت ضروری تھا اور یہ مقالہ اس سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

3۔ موضوع تحقیق کا بنیادی سوال:

مختلف ادیان و مذاہب بالخصوص بدھ مت، زرتشت مذہب اور تعلیماتِ اسلامی کے تناظر میں خواتین کے حقوق کا موازنہ کرنا۔ اس بات کی ہر ممکن کوشش کی گئی ہے کہ دورانِ تحقیق شکوک و شبہات کا ازالہ کرتے ہوئے قاری کے ذہن میں پیدا ہونے والے مختلف سوالات کے ممکنہ جوابات دیئے جائیں۔

4۔ موضوعِ تحقیق سے متعلق سابقہ کام کا جائزہ:

حقوقِ نسواں اور تقابل ادیان کے موضوعات ہر دور میں زیرِ بحث رہے ہیں لیکن مقالہ نگار نے جس موضوع کا انتخاب کیا ہے وہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے نہایت منفرد ہے اور اس موضوع پر بالخصوص بدھ مت اور زرتشت مذہب کے تناظر میں حقوقِ نسواں کے تعلق سے ہمارا تحقیقی کام اپنی نوعیت کا اوّلین کام ہے۔

5۔ اہدافِ تحقیق:

اس تحقیق کے درج ذیل اہداف ہیں:

1۔ قرآن مجید اور احادیثِ مبارکہ کی روشنی میں معین کردہ حقوقِ نسواں کا جائزہ۔

2۔ بدھ مت اور زرتشت مذہب کے مصادرِ اصلیہ کی روشنی میں عورت کی حیثیت کو بیان کرنا۔

3۔ دین اسلام کی تعلیمات میں موجود حقوقِ نسواں کی غلط تعبیر و تشریح کرنے والوں کو اسلام کی حقیقی تعلیمات سے روشناس کرانا۔

4۔ قرآن و حدیث کی روشنی میں حقوقِ نسواں کو اجاگر کرتے ہوئے عصرِ حاضر میں خواتین کو درپیش مسائل میں رہنمائی فراہم کرنا۔

6۔اسلوب و منہج تحقیق:

زیرِ بحث موضوع پر تحقیقی کام کے لیے درج ذیل اسالیب اختیار کیے گئے ہیں:

1۔ مقالہ نگار نے اپنی تحقیق میں تجزیاتی و بیانیہ اسلوب اختیار کیا ہے۔

2۔ قرآنی آیات اور احادیثِ مبارکہ کو اعراب کے ساتھ پیش کیا گیا ہے اور آیات کا حوالہ سورت کے نام، سورت نمبر اور آیت نمبر کے ساتھ درج کیا گیا ہے جبکہ آیات بیّنات کا ترجمہ "ضیاء القرآن" سے لیا گیا ہے۔

3۔ احادیث، عربی عبارات اور انگریزی مواد کا ترجمہ نگرانِ مقالہ کی رہنمائی سے مقالہ نگار نے خود کیا ہے۔

4۔ بدھ مت کی بنیادی کتب "پالی" زبان میں جبکہ زرتشت مذہب کی بنیادی کتب "اوستن" اور "گجراتی" زبان میں لکھی گئیں اور ان کا ترجمہ انگریزی زبان میں کیا گیا۔ مقالہ نگار نے انگریزی کتب سے استفادہ کرتے ہوئے ان کے اردو ترجمے کا بھی التزام کیا ہے۔

5۔ مواد کی جمع آوری اور تحقیق کے لیے مصادرِ اصلیہ کو فوقیت دی گئی ہے۔ تاہم بامر مجبوری اصل مصادر کی عدم دستیابی پر ثانوی مصادر سے بھی مدد لی گئی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ مختلف ویب سائٹ سے بھی مواد لیا گیا ہے جنکے حوالہ جات وقت اور تاریخ کے ساتھ درج کئے گئے ہیں۔

6۔ حوالہ جات کی ترتیب تمام ابواب کے آخر میں دی گئی ہے جہاں کہیں حواشی کی ضرورت پیش آئی اسے مخصوص علامت کے ساتھ اسی صفحے کے نیچے درج کیا گیا ہے۔

7۔ حوالہ دینے کا آغاز مؤلفین و مصنفین کے مشہور نام سے کیا گیا ہے۔

8۔ زیرِ نظر مقالے کے آخر میں "اختتامیہ" کے عنوان سے اپنے مافی الضمیر کو بیان کیا گیا ہے اور کتابیات حروف تہجی کے لحاظ سے ترتیب دی گئی ہیں۔

عنواناتِ مقالہ کی تقسیم وترتیب:

یہ مقالہ مقدمہ سمیت پانچ (5) ابواب اور کتابیات پر مشتمل ہے۔ تمام ابواب کا مختصر جائزہ درج ذیل ہے:

باب اول:

اس باب کا عنوان "مذاہب کا تعارف و تجزیہ" رکھا گیا ہے۔ یہ باب تین فصول پر مشتمل ہے جس میں تینوں مذاہب (بدھ مت، زرتشت مذہب اور دینِ اسلام) کا تعارف و تجزیہ پیش کیا گیا ہے۔ بانیان مذاہب کے مفصل احوال، متعلقہ مذہب کی بنیادی تعلیمات، انکی اشاعت و تبلیغ، معاملات، اخلاقیات اور مذہبی کتب کا ذکر کیا گیا ہے۔

باب دوم:

یہ باب "بدھ مت میں عورت کی حیثیت و حقوق" کے عنوان پر مشتمل ہے اور اس میں دو فصول بنائی گئی ہیں۔ فصل اول میں بدھ مت میں عورت کی حیثیت کو مفصلاً زیر بحث لایا گیا ہے کیونکہ بدھ مت ہندو مذہبی نظام کے رد عمل کے طور پر وجود میں آیا لہذا گوتم بدھ نے ہندومت کے مقابلے میں عورتوں کو کافی حد تک اختیارات اور مذہبی آزادی دی لیکن ساتھ ہی ساتھ عورتوں سے چوکنا ہوشیار رہنے کا مشورہ بھی دے دیا۔ فصل دوم میں بدھ مت کی رو سے عورت کے مذہبی، معاشرتی، عائلی، معاشی اور تعلیمی حقوق کا احاطہ کیا گیا ہے۔

باب سوم:

یہ باب "زرتشت مذہب میں عورت کی حیثیت و حقوق" پر مشتمل ہے اور اس کے زیر عنوان دو فصول ترتیب دی گئی ہیں۔ فصل اول میں زرتشت مذہب میں شادی کا تصور اور اس کے رسوم ورواج کو ممکنہ حد تک بیان کیا گیا ہے۔ فصل دوم زرتشت مذہب میں عورت کے حقوق پر محیط ہے۔ زرتشت مذہب عورت کو نہ صرف حقِ تعلیم دیتا ہے بلکہ حصولِ تعلیم میں مساواتِ مرد وزن کو بھی قائم رکھتا ہے۔ گھر سے ہی اولاد کی تعلیم وتربیت کے مراحل شروع کر دیئے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ عورت اپنی مرضی سے شوہر کے انتخاب کا حق رکھتی ہے اور مرد بھی بیوی سے حسنِ سلوک کا پابند ہے۔ زرتشت مذہب میں مرد وزن دونوں کے لیے دوسری شادی کو ناپسند کیا گیا ہے لیکن اس کے ساتھ ہی ایّام مخصوصہ میں عورت کو نجس قرار دیتے ہوئے اس سے دوری اختیار کرنے کی تعلیمات بھی اس مذہب کا حصہ ہیں۔

باب چہارم:

یہ باب "دین اسلام میں عورت کی حیثیت و حقوق" کے عنوان سے ترتیب دیا گیا ہے جو پانچ فصول پر مشتمل ہے۔ فصل اول میں قبل از اسلام وبعد از اسلام عورت کی حیثیت کا موازنہ کرتے ہوئے قرآن و حدیث کی روشنی میں بحیثیت بیٹی، ماں، بیوی، بیوہ اور مطلقہ کے مقام و مرتبے کو بیان کیا گیا ہے۔ جبکہ بقیہ چار فصول میں بالترتیب عورت کے معاشرتی، عائلی، معاشی اور سیاسی و قانونی حقوق کو مفصلاً زیر بحث لایا گیا ہے۔ قرآن وحدیث کے دلائل کی روشنی میں اس بات کو ثابت کیا گیا ہے کہ دینِ اسلام نے تمام شعبہ ہائے زندگی میں حقوقِ نسواں کا ایسا منشور عطا فرمایا جس کی نظیر دوسرے مذاہب میں نہیں ملتی۔

باب پنجم:

یہ باب "عصرِ حاضر میں حقوقِ نسواں کے حوالے سے تحاریک و قانون سازی" پر مشتمل ہے۔ اسکی فصل اول میں تحریکِ نسواں کا تعارف، آغاز اور ارتقاء کا تذکرہ کرتے ہوئے مختلف ممالک پر اس کے اثرات کا جائزہ لیا گیا۔ دوسری فصل میں ملک پاکستان میں حقوق نسواں کے حوالے سے چلنے والی تحاریک اور قانون سازی کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

ابواب کے آخر میں اختتامیہ کے عنوان سے مکمل مقالے کا خلاصہ پیش کیا گیا ہے اور کتابیات کے زیرِ عنوان ان کتب کی فہرست حروف تہجی کے اعتبار سے ترتیب دی گئی ہے جو اس تحقیقی کام میں معاون ثابت ہوئی ہیں۔

مؤرخہ: 16/12/2019، بمطابق: 18 ربیع الثانی 1441ھ

کلثوم فاطمہ

امیدوار برائے: پی ایچ۔ڈی

شعبہ علوم اسلامیہ، جامعہ کراچی، کراچی۔

باب اول

مذاہب کا تعارف و تجزیہ

فصل اول: بدھ مت کا تعارف و تجزیہ

فصل دوم: زرتشت مذہب کا تعارف و تجزیہ

فصل سوم: دینِ اسلام کا تعارف و تجزیہ

فصل اول

بدھ مت کا تعارف و تجزیہ

دنیا کے کئی ممالک میں چھٹی صدی قبل مسیح بہت اہمیت کی حامل ہے کیونکہ یونان میں پارمی نامی ڈس اور ایپمپی ڈوکلس، چین میں لاؤتوزا اور کنفیوشس، جبکہ ہندوستان میں گوتم بدھ اور مہاویر کی پیدائش اسی صدی میں ہوئی، بدھ مت سے قبل ہندوستان میں ہندومت اپنے عروج پر تھا اور برہمنوں کا دور تھا، بدھ مت کے ظہور کے اسباب بیان کرتے ہوئے ڈاکٹر ایس رادھا کرشنن لکھتے ہیں:

"بدھ مت کسی نئے خود ساختہ مذہب کی طرح نہیں شروع ہوا، وہ قدیم تر ہندو عقائد ہی کی ایک شاخ تھا، بلکہ ایک اختلافی یا باغی فرقہ کہا جا سکتا تھا۔ گوتم بدھ ہندومت کی بنیادی اخلاقیات اور مابعد الطبیعات سے متفق تھے اگرچہ انہوں نے اس زمانے کے رواجوں کے خلاف احتجاج کیا اور ویدوں میں درج مذہبی رسومات ماننے سے انکار کر دیا، جب ان سے یہ رسومات انجام دینے کو کہا گیا تو انہوں نے جواب دیا "تم کہتے ہو کہ میں دھرم کی خاطر وہ یگیہ کروں جو میرے خاندان میں ہوتا آیا ہے اور جس سے مرادیں بر آتی ہیں لیکن میں قربانیوں کے حق میں نہیں ہوں کیونکہ مجھے اس خوشی سے کوئی خوشی نہیں ہوتی جو دوسروں کو تکلیف دے کر حاصل کی جائے۔"[1]

لہٰذا بدھ مت سے قبل ہندوستان میں ذات پات کی تقسیم، معاشرتی ناانصافیاں اور بت پرستی اپنے عروج پر تھی، گو کہ زندگی کا ہر شعبہ فساد و بگاڑ کا شکار ہو چکا تھا اور پورا معاشرہ چار ذاتوں میں تقسیم ہو چکا تھا، سب سے بلند درجہ برہمن ذات کا تھا، اس کے بعد کھشتری، ویش اور سب سے نچلا درجہ شودر کا تھا، جب ہندو مذہب ہر قسم کی معاشرتی و اخلاقی برائیوں کا مرقع بن چکا تھا تو ان مشکل حالات کے تقاضوں کے مطابق گوتم بدھ کی پیدائش ہوئی اور بدھ مت وجود میں آیا۔

1۔ بدھ مت کے بانی کے احوال

بدھ مت کے بانی کا نام:

بقول محمد اسمٰعیل ہاتف بھوپالی:

"بدھ مت کے بانی سدھارتھ ہیں، گوتم ان کا خاندانی نام ہے اور بدھ وہ مرتبہ جو انہیں آئندہ چل کر حاصل

ہوا۔ بدھ کے معنی ہیں بیدار، روشن ضمیر یا عارف۔ شاکیہ منی انکا لقب ہے۔"[2]

اس سلسلے میں منشی احمد الدین رقمطراز ہیں:

"شدھودن (والد) نے خیال کیا کہ اس بچے کے پیدا ہوتے ہی میری تمام دنیاوی آرزوئیں بر آئی ہیں۔ نام کرن کی رسم نہایت دھوم دھام اور شان و شوکت سے ادا کی اور غرباء و مسکینوں اور اپاہجوں وغیرہ کو کھلے دل سے دان پُن کیا اور بچے کا سدھارتھا نام رکھا جس سے مطلب یہ ہے مراد حاصل ہوئی"۔[3]

جبکہ مسٹر سٹر اس کے مطابق:

"لفظ بدھ اسم معرفہ نہیں، مثل لفظ مسیحا یا کرائیسٹ کے جو یسوع کی نسبت استعمال کیا جاتا ہے۔ یہ لفظ ایک لقب ہے جس کے معنی بیدار اور روشن ضمیر کے ہیں"۔[4]

بقول علامہ دلبر حسن نقشبندی:

"بدھ مت مذہب کے بانی "گوتم بدھ" جن کا اصلی نام "ساکھیا منی" تھا (اس معاملے میں بہت اختلاف ہے کہ ان کا اصل نام "گوتم" تھا یا "سدھارتا" یا "ساکھیا منی" مگر موجودہ تحقیق ان کا نام گوتم بتاتی ہے)۔"[5]

مندرجہ بالا روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ بدھ مت کے بانی کا اصل نام "سدھارتھا" تھا اور وہ گوتم بدھ کے نام سے مشہور ہوئے۔

لفظ "بدھا" کا مطلب:

اس سلسلے میں "انسائیکلوپیڈیا آف بریٹانیکا" کا مقالہ نگار لکھتا ہے:

"Buddha, meaning "awakened" or' enlightened one" is a title, not a proper name."[6]

ترجمہ: اصطلاح میں بدھا کا لفظی مطلب ہے "جو بیدار ہو چکا ہو" یا "جو روشن خیال ہو" یہ ایک خاص (مستقل) نام نہیں ہے بلکہ ایک خطاب ہے۔

گوتم بدھ سے متعلق کی گئی پیشگوئی:

گوتم بدھ کی پیدائش کے پانچویں روز ان سے متعلق ایک پیشن گوئی کی گئی، جسے بیان کرتے ہوئے منشی احمد الدین لکھتے ہیں:

"نامِ کرن کی مبارک رسم کی تقریب پر آٹھ جوتشی اور خواہشات کو قابو رکھنے والے رام دھوج، لکھشمن، منترن، کونڈانیہ، بھوج، سوڈام اور سودت براہمن بلائے گئے۔ ان میں سے سات شخصوں نے بچے کے ہر ایک ہاتھ کی ایک ایک انگلی اٹھا کر کہا کہ جس کی انگلیوں پر یہ عجیب و غریب علامات پائی جاتی ہیں جو اس بچے میں ہیں، اگر وہ گرہ اشرمی، (گرہستی) ہو تو چکرورتی راجہ ہو گا اور سیناس پر آشرم اختیار کرے تو بدھ ہو گا۔ ان برہمنوں میں سے کونڈانیہ رشی نے جو سب سے چھوٹا تھا بچے کے ہاتھ کی ایک انگلی اٹھا کر کہا: یہ لڑکا کبھی گھر میں نہیں رہے گا، میں وثوق سے کہتا ہوں کہ بچہ بدھ ہو گا اور دنیا کا پاپ اور جہالت (اگیان) دور کریگا"۔[7]

نامِ کرن کی رسم کے موقع پر کونڈانیہ نے جو پیشن گوئی کی وہ سچ ثابت ہوئی اور بچہ گوتم بدھ کے نام سے مشہور ہوا۔

تاریخِ پیدائش:

گوتم بدھ کی تاریخِ پیدائش کے متعلق مختلف آراء پائی جاتی ہیں۔ بقول منمتھ ناتھ دت:

"عیسیٰ علیہ السلام سے تقریباً پانسو برس پہلے بدھ مہاراج نے شہر کپل وستو میں ظہور فرمایا"۔[8]

بقول مسٹر سٹراس:

"بدھ قریب ۵۶۰ سال قبل مسیح پیدا ہوا تھا"۔[9]

سید ہاشم فرید آبادی لکھتے ہیں:

"اس بناء پر گوتم بدھ کی پیدائش ۵۶۸ء قبل مسیح میں ہوئی، کیونکہ اس کی عمر کے متعلق یہ امر عام طور پر مسلم ہے کہ وہ اسّی سال تک زندہ رہا لہٰذا مذکورہ بالا سن ولادت کو درست مان لیا جائے تو اس کی وفات ۴۸۸ قبل مسیح میں ہو گی اور متعدد قرائن سے ہی دونوں سن قریب قریب صحیح ثابت ہوتے ہیں"۔10

سید اظہر اقبال ہاشمی اس سلسلے میں رقمطراز ہیں کہ:

"بدھ مت کا بانی مہاتما گوتم بدھ تقریباً ۵۶۰ قبل مسیح نیپال کے جنوب میں کپل وستو نامی پہاڑی ریاست میں پیدا ہوئے۔"[11]

مندرجہ بالا روایات کو مدنظر رکھتے ہوئے اس بات پر اتفاق کیا جاسکتا ہے کہ گوتم بدھ کی پیدائش چھٹی صدی قبل مسیح میں ہوئی۔

اوائل عمری کے حالات:

روایات کے مطابق ''گوتم بدھ شمالی ہند کے علاقے نیپال میں ساکیہ قبائل کی راجدھانی کپل وستو میں پیدا ہوئے، یہ شہر دریائے رومنی کے کنارے بنارس سے سو میل کے فاصلے پر گوشہ شمال مشرق میں واقع ہے۔ ان کے والد کا نام شدھودھن تھا، ان کی والدہ کا نام مایا تھا، شدھودھن کے دو حرم تھے لیکن پینتالیس سال تک کسی بیوی کے ہاں اولاد نہ ہوئی، جب بڑی ملکہ مایا حاملہ ہوئیں تو تمام راجدھانی میں خوشیاں منائی گئیں، ملکہ کو ملک کے رسم ورواج کے مطابق وضع حمل کے لئے ان کے والدین کے گھر بھیجا گیا مگر راستے ہی میں چند بلند درختوں کے نیچے بچہ پیدا ہو گیا اور ملکہ کو بچے سمیت کپل وستو آنا پڑا، ایک ہفتے ہی میں بچہ ماں کی شفقت سے محروم ہو گیا اور سوتیلی ماں نے بچے کی خبر گیری کی''۔[12]

گوتم بدھ کا تعلق چونکہ ایک شاہی خاندان سے تھا اس لیے ان کی ابتدائی زندگی شہزادوں کی طرح گزری اور ان کی پرورش شاہی انداز سے ہوئی جس کا تذکرہ ان کی کتب میں ملتا ہے۔ بقول گوتم بدھ:

''بھکشوؤ! میں بڑے پیار سے، بڑی محبت سے، بے انتہا محبت سے پالا گیا، میرے والد کے گھر میں میرے لیے کنول کے پھول تالابوں میں لگائے گئے، ایک تالاب میں نیلے پھول ہوئے، ایک تالاب میں سفید، ایک تالاب میں گلابی پھول، ان سب کا کھلنا میرے لیے تھا اور بھکشوؤ میرے لیے خوشبو کی چیزیں خاص طور پر بنارس سے منگوائی جاتیں، میری پوشاک کے تینوں حصے بنارسی کپڑے کے ہوتے، سردی، گرمی، گرد و غبار اور خس و خاشاک کی تکلیف سے بچانے کے لیے میرے اوپر ہر وقت ایک سفید چھتری لگی رہتی، میرے رہنے کے تین محل تھے، ایک جاڑوں میں رہنے کے لیے، ایک گرمیوں اور ایک برسات کے لیے، بھکشوؤ! دوسرے گھرانوں میں نوکروں اور غلاموں کو لال چاول اور لال چاول کی بیج کھانے کو دی جاتی تھی، میرے یہاں نوکروں اور غلاموں کو چاول ہی نہیں بلکہ چاول اور گوشت کھانے کو ملتا تھا۔''[13]

مندرجہ بالا اقتباس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں شہزادوں کی پرورش کس انداز سے ہوتی تھی، ایسی فضاء میں پرورش پاتے ہوئے مناسب عمر میں ان کی شادی ایک شریف گھرانے میں کی گئی۔

> "He married at the age of 16 and lived in luxury and comfort" [14]
>
> ترجمہ: گوتم بدھ نے 16 برس کی عمر میں شادی کی اور ہنسی خوشی زندگی بسر کرنے لگے۔

انیتس برس کی عمر میں گوتم بدھ کی زندگی میں کچھ ایسے واقعات وقوع پذیر ہوئے جنہوں نے اس کے خیالات کو یکسر بدل دیا۔ اس سلسلے میں احمد عبداللہ المسدوسی لکھتے ہیں:

"پہلا واقعہ یہ تھا کہ انہوں نے ایک بوڑھے کو دیکھا جس کی کمر ضعیفی سے بالکل جھک گئی تھی اور وہ بمشکل چل پھر سکتا تھا، دوسرا واقعہ یہ پیش آیا کہ انہوں نے ایک طاعون کا مریض دیکھا جو مرض کی شدت سے اینٹھا جاتا تھا، پھر تیسرے واقعے کے طور پر ایک مردہ کو دیکھا جس کی شکل بالکل بدل گئی تھی، ان تین واقعات سے انسانی زندگی کی بے حقیقی و بے ثباتی گوتم بدھ پر واضح ہو گئی اس لئے انہوں نے مصمم ارادہ کر لیا کہ انسانی زندگی کے مصائب و آلام اور مصیبت کے اسباب معلوم کریں جو دنیوی زندگی کا جزو لاینفک ہیں۔"[15]

جبکہ اس سلسلے میں پنڈت رادھا کرشنن کا بیان ہے کہ تین کے بجائے چار واقعات پیش آئے، جنہوں نے اس کے خیالات کو نیا موڑ دیا۔ گوتم بدھ نے ایک ایسے فقیر کو دیکھا جو تارک الدنیا تھا۔ وہ اس قدر مطمئن تھا گویا اس کے چہرے سے خوشی اور اطمینان کی شعاعیں پھوٹ رہی تھیں۔

> "The sight of the Holy man healthy in body,Cheerful in mind, without any of the comforts of life,Impressed the Buddha strongly with the Conviction that the pursuit of religion was the only goal worthy of man[16]"
>
> ترجمہ: اس مقدس آدمی کے دیدار نے جو باوجود زندگی کی ہر قسم کی لذت سے محروم رہنے کے جسمانی حیثیت سے مضبوط اور قلبی اعتبار سے مسرور وشاداں تھا، گوتم بدھ کو بے حد متاثر کیا اور اس کے دل میں یہ اذعان پیدا ہو گیا کہ انسان کی شایانِ شان منزلِ مقصود مذہب (حق گوئی و صداقت پر مبنی اصولوں) کی تلاش ہے۔[17]

ان مشاہدات نے گوتم بدھ کو بہت متاثر کیا اور اس کے دل میں یہ خیال گزرا کہ وہ بھی ایسی کیفیات سے دوچار ہو سکتا ہے جن سے کوئی راہِ فرار نہیں۔

"ان مشاہدات نے شہزادے کی زندگی میں گہری غور و فکر اور ایک داخلی کشمکش بیدار کر دی، جس کا خاتمہ ان کے یہاں پہلے لڑکے راہل کی پیدائش پر ہوا۔ چنانچہ جس دن وہ لڑکا پیدا ہوا اسی رات دیر گئے اپنے بیٹے اور اپنی

بیوی پر آخری نظر ڈال کر اپنے رتھ بان کے ہمراہ رتھ پر سوار ہو کر گوتم شہر سے جنگل کی طرف نکل گئے، اپنے تمام ملبوسات اور شاہی لوازمات رتھ بان کے سپرد کر کے فقیرانہ لباس زیب تن کیا اور جنگل کی تاریکیوں میں گم ہو گئے، اس وقت گوتم کی عمر صرف 29 سال تھی۔"[18]

چنانچہ گھر بار چھوڑ کر گوتم بدھ نے روحانی تشنگی کو مٹانے کے لیے مختلف طریقے اختیار کیے اور راج گڑھی پہنچ گئے۔

"راج گڑھی مگدھ کی سلطنت کا دارالخلافہ تھا اور دلکش وادی میں پانچ پہاڑوں کے درمیان واقع تھا۔ ان پہاڑوں کی غاروں میں چند مشہور درویش رہتے تھے۔ گوتم ان کے پاس گیا، ایک الترنامی فقیر کے مرید ہو گئے، جب اس فقیر کی صحبت سے تسکینِ قلب کی دولت میسر نہ آئی تو ایک عابد وزاہد فقیر ادرک نامی کی طرف گیا۔ ان دونوں درویشوں نے ہندو مذہب کا فلسفہ سکھایا۔ اس کے بعد گوتم نے نفس کشی کے لئے چلوں اور ریاضتوں کا قصد کیا۔ ازویل کے جنگل میں چھ سال تک سخت ریاضتیں اٹھائیں۔ جسم کانٹے کی طرح خشک ہو گیا لیکن نورِ قلب میسر نہ آیا۔ ان ریاضتوں اور مشقتوں کے اٹھانے کی وجہ سے گوتم کی شہرت قرب وجوار میں پھیل چکی تھی۔ آپ کے چند مرید بھی بن گئے۔ ایک دن ضعف کی وجہ سے زمین پر گر پڑے، مریدوں نے خیال کیا کہ آپ نے دم توڑ دیا ہے، تھوڑے عرصے کے بعد بے ہوشی اور سکر دور ہوا، آپ نے دیکھا کہ ان جسمانی ریاضتوں اور مشقتوں کی وجہ سے نور قلب میسر نہیں آرہا آپ نے نفس کشی ترک کر دی اور کھانا پینا شروع کر دیا۔"[19]

گوتم بدھ کی یومیہ خوراک اور نفس کشی کی مشقتوں کے بارے میں مسٹر سٹر اس لکھتے ہیں:

"کہ وہ اس حد تک پہنچا تھا کہ یومیہ ایک چاول پر جیتا تھا، نتیجہ یہ ہوا کہ بجائے خردِ اعلیٰ حاصل کرنے کے اس نے اپنے تن کو اس قدر ناتواں کر دیا کہ ایک روز غشؔ ق کھا کر بیہوش ہو گیا ایک گلبان کی عورت نے جو پاس سے گزرتی تھی اس کو دودھ (کھیر) کھلایا تب اس کو ہوش آیا اب وہ سمجھا کہ غلط راستہ پر تھا اس نے کافی مقدار میں غذا لینی شروع کر دی اور نفس کشی کی مشقتیں چھوڑ دیں۔ اس پر پانچوں زاہد اسے مرتد چھوڑ گئے۔ وہ تنہا رہ گیا لیکن اس کا حوصلہ پست نہ ہوا"۔[20]

ان تمام کوششوں کے باوجود گوتم بدھ کو نور قلب میسر نہ آیا، لہٰذا وہ اس بے اطمینانی کی کیفیت میں یہ فیصلہ نہ کر سکے کہ آیا کپل وستو واپس چلے جائیں یا اس گوہر مقصود کو حاصل کرنے کی کوششوں کو جاری رکھا جائے۔

"اسی فیصلے کے بعد ایک پیپل کے پیڑ کے نیچے وہ یہ تہیہ کر کے بیٹھ گئے کہ جب تک وہ ابدی مسرت کے راز کو نہ پالیں گے یہاں سے نہ اٹھیں گے۔"[21]

گوتم بدھ اس درخت کے نیچے مراقبہ کرنے لگے، مراقبے کے دوران انہیں تین آزمائشیں پیش آئیں:

"جنگل کے اندر انہیں شیاطین نے گھیر لیااور دل میں ہمہ اقسام کے وسوسے ڈالے، دوسرے حوروں کے جمِ غفیر نے انہیں گھیر لیا، تیسرے ملک الشیاطین خود آیااور عالم کی حکومت اور شان کی پیشکش کی لیکن گوتم نے اس کو بھی ٹھکرادیااور شیطان کی فوج شکست کھاکر بھاگ گئی اس پر ہاتف کی آواز آئی:

"دیوتا اسے موتیوں کے ہاراور نشان و پرچم دے رہے ہیں وہ اس پر صندل کا برادہ اور پھول نچھاور کر رہے ہیں، وہ خوشی کے شادیانے بجارہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ اے جواں مرد دشمن کی فوج نے تیرے درخت کا محاصرہ کرنے کے بعد بالآخر تجھ سے شکست کھائی، اس مقام پر آج تجھے عرفانِ صداقت خالی از شہواتِ نفسانی حاصل ہو چکا اور تجھے بدھ کی ساری حکومت ملے گی کیونکہ تونے اپنی شیریں کلامی سے شیطان کی فوج پر فتح پائی ہے"۔"[22]

جس وقت گوتم بدھ کو عرفان حاصل ہوا "اس وقت ان کی عمر ۵۳ سال تھی۔"[23]

جس درخت کے نیچے گوتم بدھ کو عرفان حاصل ہوا اس کے نام سے متعلق مختلف آراء پائی جاتی ہیں۔

بقول محمد شعیب:

"وہ درخت جس کے سائے میں بدھ بیٹھا تھا "شجرہ علم یا شجرہ مقدسہ" کہلایا"۔[24]

بقول سید اظہر اقبال ہاشمی:

"اس جگہ جہاں انہیں عرفان نصیب ہوا یہ شہر گیا* میں ایک درخت تھااوراس درخت کا نام اسی دن سے "بدھی پر کھش" پڑگیا"۔[25]

بقول سید سراج الاسلام:

"یہی مبارک مقام بدھ مت والوں کی زیارت گاہ بنااوروہ درخت بدھی اور بودھی کہلانے لگا جس کے معنی "شجر تجلی" کے ہیں"۔[26]

یہ درخت بدھوؤں کے ہاں مقدس مانا جاتا ہے اور درخت دانش کے نام سے بھی مشہور ہے۔ طمانیتِ قلب حاصل کرنے کے بعد گوتم بدھ اس درخت کے نیچے سے اٹھے اور دیس بدیس سفر شروع کیا تاکہ اس تعلیم کو دوسروں تک پہنچا سکیں۔

---

*جو صوبہ بہار، انڈیا میں واقع ہے۔

اشاعت و تبلیغ:

نروان کے حصول کے بعد گوتم بدھ نے اپنے فلسفہ کی اشاعت شروع کی۔

”اول کاشی یعنی بنارس پہنچا، یہاں مرد و عورت سب کو دھرم سنایا، تین مہینے کے قیام میں 60 چیلے جمع کیے اوران کو روانہ کیا کہ جاؤ، ہر طرف مذہب پھیلاؤ، پھر راج گڑھ گیا یہاں راجا پر جا سب اس کے دھرم کے پیرو بنے، پھر کپل وستو میں پہنچا جہاں اس کا بوڑھا باپ راج کرتا تھا، وطن سے رخصت ہونے کے وقت شہزادہ تھا اب جو واپس آیا تو زرد لباس، ہاتھ میں کاسۂ گدائی، سر منڈا جوگی تھا۔ باپ، بیوی، بیٹے اور ساکیہ قوم کے سب مرد و عورتوں نے اس کا وعظ سنا اور چیلے ہو گئے۔ اس کے 45 برس کے بعد یعنی 80 برس کی عمر تک بدھ نے جا بجا پھر کر اپنا مذہب پھیلایا، اس طرح سے کل مگدھ اور کوشل یعنی بہار اور صوبہ جات متحدہ آگرہ و اودھ میں یہ مت جاری ہو گیا۔“[27]

اپنے طریقت کے قواعد و ضوابط کے مطابق ” وہ قبل از دوپہر ایک مرتبہ کھانا کھاتا تھا جو اور لوگوں کے گھروں سے بھیک مانگ کر لاتا تھا“۔[28]

اس طرح گوتم بدھ کے ماننے والوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا چلا گیا جن میں مرد و عورت سب شامل تھے۔

”بودھ مت کا کوئی پیرو عورت کا چھونا اور اپنا جسم عورت کو چھونے دینا روانہ رکھتا تھا تاہم وہ دونوں مریدوں کو لیکر اپنی بیوی کے پاس گئے ان کی بیوی نے جب انہیں زاہدانہ لباس میں اپنے پاس کھڑا ہوا دیکھا وہ بے اختیار ان کے قدموں میں گر پڑی اور زار زار رونے لگی لہذا گوتم بدھ نے فرقہ اناث کے لیے ایک گروہ اپنے مذہب میں قائم کیا اور ان کی بیوی جسو دہارا طریقت کے حلقہ میں آکر بودھ مذہب کی سب سے پہلی گوشہ نشین بیراگن ہوئی“۔[29]

یوں اس مذہب کی اشاعت تیزی سے ہونے لگی اور اس میں خود ان کی بیوی، ان کا بیٹا اور وہ ماں جس کے زیرِ سایہ اس نے پرورش پائی تھی، سب ہی شامل ہو گئے۔

گوتم بدھ کے انتقال کے اسباب:

پہلا سبب بیان کرتے ہوئے مسٹر سٹر اس لکھتے ہیں:

”مرنے سے تھوڑی دیر پہلے اس کے ایک پیرو لوہار چند انامی نے اسے کھمبیں (Mushrooms) کھلائیں جن میں غالباً کوئی زہریلی کھمب بھی ہو گی وہ بیمار ہو گیا۔ اس پر بھی اپنے میزبان کی دل جوئی کی نظر سے اس نے کہا کہ اس کا کوئی قصور نہیں بلکہ یہ اس کی نیکی ہے اس نے آخری کھانا کھلایا“۔[30]

بقول محمد اسماعیل بھوپالی:

"اسّی برس کی عمر میں (گوتم بدھ) پاوئی یگ مقام پر آئے یہاں ان کے مرید چند اسنار نے دعوت کی۔ ان کے مذہب میں جاندار کو مارنے کی سخت ممانعت تھی، ان کے سامنے چالوں کے ساتھ ایک غذا ایسی آئی تھی جو حیوان کی جان لے کر تیار کی گئی تھی یعنی سور کا گوشت، گوتم بدھ نے حیوانی غذا بھی نوش فرمالی مگر کھانا کھانے کے بعد ہی علالت شروع ہو گئی اور دوسرے روز کشتی نگر میں 454ق م، میں انتقال کیا"۔ [31]

گوتم بدھ کے انتقال کے حوالے سے روایات میں اختلاف پایا جاتا ہے لیکن غالب گمان یہی ہے کہ زہریلے کھانے کی وجہ سے گوتم بدھ کا انتقال ہوا۔

تاریخِ وفات:

گوتم بدھ کی تاریخ وفات کے متعلق بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔ The Macmillan Family Encyclopaedia میں درج ہے کہ:

> "The Buddha passed away into the Final state of NIRVANA about 480BC" [32]
>
> ترجمہ: گوتم بدھ 480 قبل مسیح میں نروان کی آخری منزل کی طرف روانہ ہوئے۔

جبکہ پروفیسر سید سراج الاسلام گوتم بدھ کی وفات کے متعلق لکھتے ہیں:

"۸۰ سال کی عمر میں ۴۸۳ق م میں ان کا انتقال ہوا۔" [33]

اس کے علاوہ ایک رائے یہ بھی پائی جاتی ہے کہ:

"وہ اسی سال کی عمر میں ۴۸۸ق م میں کُسی نارا نامی مقام پر (گورکھپور کے علاقے میں) اپنی سالگرہ کے دن انتقال کر گئے۔" [34]

بقول مصنف رماشنکر ترپاٹھی:

"ان کی تاریخ وفات کا تعین ایک مشکل کام ہے اور سانحہ وفات ہی ہماری ترتیب وار تاریخ کے سلسلہ کی سب سے اہم کڑی ہے۔ونسنٹ اسمتھ نے تاریخ وفات ۴۸۶-۴۸۷ق م متعین کی ہے لیکن ۴۸۳ق م جو تمام واقعات اور حالات جانچنے کے بعد فلیٹ اور گیگر نے قائم کی ہے، حقیقت سے قریب تر معلوم ہوتی ہے۔" [35]

اگرچہ گوتم بدھ کی تاریخِ وفات کے حوالے سے بھی اختلاف پایا جاتا ہے لیکن اندازاً کہا جاسکتا ہے کہ گوتم بدھ کی وفات 480ق م سے 487ق م کے درمیان ہوئی۔

گوتم بدھ کے آخری الفاظ:

گوتم بدھ اپنے پیروکاروں کو یہ نصیحت کرتے ہوئے اس دنیا سے رخصت ہوئے:

"Everything that has been created is subject to decay and death, Everything is transitory, Work out your own salvation with diligence[36]".

ترجمہ: تمام مرکب اشیاء زوال پذیر ہیں، ان کے لئے فنا مقدر ہے، جی جان سے نروان (نجات) کے لئے کوشش کرلو۔

چنانچہ ان آخری الفاظ کے ساتھ اپنی سالگرہ کے دن گوتم بدھ نے انتقال کیا۔

2۔بدھ مت کی مذہبی تعلیمات

بدھ مت اور تصور خدا:

بدھ مت میں ذاتِ خداوندی کے وجود کا انکار کیا گیا ہے یا اقرار؟ اس سلسلے میں مختلف آراء پائی جاتی ہیں۔بعض مصنفین اس بات کے حق میں دلائل دیتے ہیں کہ گوتم بدھ ذاتِ خداوندی کے وجود کے قائل تھے اور بعض نے لکھا ہے کہ وہ وجودِ خدا کے متعلق خاموش رہے اور انہوں نے اس سوال کا صراحتاً کوئی جواب نہیں دیا۔اس سلسلے میں چند دلائل پیشِ خدمت ہیں:

منمتھ ناتھ دت لکھتے ہیں کہ جب گوتم بدھ کو درخت دانش کے نیچے نروان حاصل ہوا تو انہوں نے پکار کر کہا:

"اے کالبدِ خاکی کے بنانے والے! جب تک میں نے تجھے نہیں پایا تھا، مجھے بہت سی حیات و ممات سے گذرنا پڑتا تھا اور وہ سب دردانگیز حالتیں تھیں، مگر اب میں نے تجھے دیکھ لیا ہے مجھے امید ہے تو اس کالبد خاکی کو پھر نہ بنائے گا، دل نے دولت نروان حاصل کی، تمام خواہشیں فنا ہو گئیں۔"[37]

چوہدری غلام رسول لکھتے ہیں:

"گوتم بدھ کے متعلق عام طور پر یہ خیال پایا جاتا ہے کہ وہ خدا، روح، فرشتوں، قیامت اور حیات بعد الموت کے عقیدے کے منکر ہیں، یہ خیال حقائق کی روشنی میں بالکل بے بنیاد اور غلط ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ گوتم بدھ نے ویدک دھرم کے تصور خدا اور روح کا انکار کیا ہے، ویدک دھرم میں روح کو ازلی، ابدی اور غیر متغیر مانا جاتا ہے اور خدا کو ہمہ اوست تصور کیا جاتا ہے، بدھ ان نظریات کا مخالف تھا، اس خیال کی تردید بدھ مت کی کتب اور اشوک کی کتبات کی روشنی میں کی جائے گی، اشوک کی کتبات گوتم بدھ کی اصلی تعلیم کو معلوم کرنے کا بہترین ذریعہ ہیں۔"[38]

وہ مزید لکھتے ہیں:

"پرنسپ جو کہ اشوک کی کتبوں کا پہلا پڑھنے والا محقق ہے، جب ستونی کتبہ ہفتم اور دھولی کتبہ دستیاب ہوئے تو ان کتبوں میں تین جگہ ایسانا(ISANA)کا ذکر آتا ہے جس کے معنی ایشور کے ہیں، پرنسپ نے واضح طور پر ایسانا پڑھ کر اس کے معنی خدا کے لئے ہیں۔"[39]

اس سلسلے میں انہوں نے "آتھر للی" کی کتاب "Buddhism in Christendom" کا ایک اقتباس نقل کیا ہے:

> "Confess and believe in God,Who is the worthy object of obedience. For equal to this belief I declare unto you ye shall not find such a means of Propitiating Heaven First Dhaulia Edict (Prinsep). Among whomsoever the name of God resteth, this verily is religion[40]"
>
> ترجمہ: "خدا(ایسانا) پر ایمان لاؤ اور اس کی ہستی کا اقرار کرو۔ کیونکہ وہی اس بات کا سزاوار ہے کہ اس کی اطاعت اور فرمانبرداری کی جائے (دھولی کا پہلا کتبہ) اشوک کے وقت کے برہمن خدا تعالیٰ کو ایسانا کہتے تھے۔"[41]

غلام رسول لکھتے ہیں کہ کسی نے بدھ سے پوچھا:

"کیا آپ برہما کے دیش کو جانتے ہیں؟ جواب دیا: ہاں برہما کو میں جانتا ہوں۔ ویسٹھا(VASETTHA) یعنی برہما کے دیش اور اس تک پہنچنے کی راہ مجھے معلوم ہے، بالکل ایسے جس طرح کوئی خود اس میں داخل ہو چکا ہو اور

اس کو لیکر پیدا ہوا۔"[42]

چنانچہ اپنشدوں کے ہاں برہما خدائے واحد کا نام ہے۔ مندرجہ بالا دلائل سے معلوم ہوتا ہے کہ گوتم بدھ خدائے واحد و برحق کے وجود کے قائل تھے لیکن ایک رائے یہ بھی پائی جاتی ہے کہ گوتم بدھ اس بارے میں گفتگو کرنا پسند نہیں کرتے تھے اور اپنے ساتھیوں کو بھی الوہیت کے بارے میں گفتگو کرنے سے منع کرتے تھے۔ جب بھی گوتم بدھ کے پیروکاران سے ذاتِ خداوندی کے وجود سے متعلق سوال کرتے تو گوتم بدھ انہیں کہتے کہ ان سوالات میں اپنا وقت ضائع مت کرو بلکہ عملی و مذہبی شخص بننے اور نروان کے حصول کی کوشش کرو۔

رسومِ ہند میں درج ہے کہ:

"ایک فرقے کا یہ قول ہے کہ خدا کچھ چیز نہیں ہے اور سب میں بڑا بدھ ہوتا ہے اور اب تک چوبیس بدھ گزر چکے ہیں اور گوتم پچیسواں بدھ ہے، اسی فرقے کے لوگ یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ مادے میں ایک ایسی خاصیت ہے کہ وہ خود بخود جہاں کی صورت میں بدل جاتا ہے اور پھر فنا ہو کر نئے سرے سے پیدا ہوتا ہے اور یہی حالت ہمیشہ جاری رہتی ہے بعض لوگوں کی یہ رائے ہے کہ خدا موجود ہے لیکن اس نے دنیا کو نہیں پیدا کیا اور نہ اس کو دنیا کے کاموں میں اور انسان کے نیک و بد سے کچھ علاقہ ہے، بعض کا یہ بیان ہے کہ اگرچہ خدا کو دنیا سے کچھ سروکار نہیں ہے لیکن پھر بھی تمام چیزیں اسی کی مرضی سے پیدا ہوئی ہیں۔"[43]

اس سلسلے میں پروفیسر ڈاکٹر عبدالرشید لکھتے ہیں کہ:

"بدھ مذہب میں خدا کا کوئی تصور نہیں ملتا اور نہ خود بدھا نے کبھی کوئی خدائی کا دعویٰ کیا اور نہ ہی اپنے آپ کو نجات دہندہ کی حیثیت سے پیش کیا۔۔۔۔۔۔۔۔۔لیکن بدھا کی وفات کے بعد خود اس کے پیروکاروں نے اسے الوہیت کا سب سے اعلیٰ درجہ دے دیا اور اس کے علم کو لامحدود قرار دیا گیا اور پھر برہمنی نظام میں بدھا کو خدائی اوتار کے طور پر تسلیم کر کے ہندوؤں کے اوتاروں میں ایک اور اضافہ کر دیا گیا۔"[44]

تحقیق کار کی رائے:

مندرجہ بالا دلائل سے معلوم ہوتا ہے کہ گوتم بدھ نے نروان کے حصول کے وقت خدائے واحد کو پکارا لیکن "بدھ" کا درجہ حاصل ہونے کے بعد دوبارہ کبھی خدا کا نام نہیں لیا اور نہ ہی اس کی ذات و صفات سے متعلق اپنے پیروکاروں کو تعلیمات دیں۔ گویا گوتم بدھ نے بنیادی عقیدہ "وجود باری تعالیٰ" کو اہمیت ہی نہ دی، ورنہ وہ اپنے پیروکاروں کو خدا کی ذات و صفات سے ضرور آگاہ کرتے لیکن کیا خود "بدھا" کے نزدیک خدا کا تصور تھا یا نہیں؟ تاریخ اس حوالے سے خاموش ہے بظاہر یہ ممکن نظر نہیں آتا کہ جو شخص اپنے نفس کا محاسبہ کر کے نجات حاصل کرنے کی

کوشش کرے وہ ایسی ہستی کا انکار کرے جو نجات دینے والی ہو یا وہ جو خود مصائب کی حقیقت معلوم کرنا چاہتا ہو وہ خدا کی حقیقت کا کیونکر انکار کر سکتا ہے۔ البتہ بدھ مت کے پیروکار گوتم بدھ کو ہی خدا کا اوتار مانتے ہیں اور انکے ہاں صانع تخلیقِ کائنات (Creator of the world or Controller of the world) کا کوئی تصور موجود نہیں۔

روح سے متعلق عقیدہ:

گوتم بدھ نے روح کی حقیقت کے بارے میں کوئی واضح عقیدہ پیش نہیں کیا اور نہ ہی "آتما (یعنی انسانی روح)" کی کوئی ایسی تعریف بیان کی ہے جس کی بدولت روح کا کوئی تصور قائم کیا جاسکے۔ بقول گوتم بدھ:

"بھکشوؤ! جب یہ ممکن نہیں کہ ایک شخصیت (یعنی روح یا آتما) اور اس شخصیت سے متعلق صفات ہمارے ذہن میں آجائیں اور ہم یقین کے ساتھ کہہ سکیں کہ ہم نے اس کا جو تصور قائم کیا ہے وہ صحیح ہے، تو پھر کسی کا یہ عقیدہ رکھنا حماقت ہے یا نہیں کہ میں نے دنیا کو اور اپنی شخصیت کو ٹھیک ٹھیک پہچان لیا ہے (میں جانتا ہوں کہ) مرنے کے بعد میرے وجود کی یہ شکل ہوگی اور میں ہمیشہ بغیر کسی تغیر کے اسی مقام پر اور اسی شکل میں زندہ رہوں گا۔"[45]

لیکن ایک رائے یہ بھی پائی جاتی ہے کہ گوتم بدھ روح کے تغیر پذیر اور بقاء کا عقیدہ رکھتے تھے۔ شر دے پرکاش دیو جی کے مطابق:

"جب انسان مر جاتا ہے تو اس کے جسم کی مثال جو کہ عناصر میں خلط ملط ہو جاتا ہے اس مہمان کی سی ہے جو میزبان سے رخصت ہوتے وقت اس کے گھر کے تعلقات کو زمانہ گذشتہ کی بات سمجھ کر وہیں چھوڑ جاتا ہے لیکن اس کا آتما (روح) نہیں مرتا۔ بلکہ ایک اعلیٰ زندگی پاتا ہے جس میں تمام رشتوں کی اصطلاحیں ختم ہو جاتی ہیں۔"[46]

عقیدہ روح کے متعلق غلام رسول "تے دگاسّا" میں نقل گوتم بدھ کا درج ذیل قول بیان کرتے ہیں:

"میں تم سے سچ سچ کہتا ہوں کہ یہ لوگ ویدوں کو خواہ کتنا ہی پڑھیں لیکن وہ تمام خوبیاں اور کام جن کے باعث کوئی شخص حقیقی برہمن کہلانے کا مستحق ہوتا ہے، ان میں نہیں پائے جاتے یہ کب ممکن ہے کہ ان کا آتما (روح) جو موہ کے جال میں پھنسا ہوا ہے اس جسم کو چھوڑ دینے کے بعد برمھ کے ساتھ مل جائے گا۔"[47]

انہوں نے مزید کہا:

"میں چونکہ برمھ کو جانتا ہوں اور اس کی بادشاہت میں بسا ہوا ہوں، اس لئے اس کے وصال کا راستہ میرے سوا کوئی نہیں بتا سکتا۔"[48]

ڈاکٹر حفیظ سید اپنی کتاب میں گوتم بدھ کا "عدمِ روح" سے متعلق ایک وعظ نقل کرتے ہیں:

"بھکشوؤ! روح کے متعلق مختلف معلمین جو بھی نظریہ پیش کرتے ہیں وہ یہی ہے کہ یا تو وہ پانچوں سکھندوں (صفات) کا مجموعہ ہے یا ان میں سے ایک سکھند ہے۔ اس لیے بھکشوؤ! جاہل و غیر متشرع وہی ہے جو نہ عالم و متشرع لوگوں کی صحبت میں رہتا ہے اور نہ ان کی شریعت (بودھ مذہب) سمجھتا ہے اور نہ اس کے مطابق زندگی بسر کرتا ہے۔ ایسا آدمی روح کے بارے میں یہ خیال کرتا ہے کہ وہ یا تو روپ (مادی خصوصیات) ہے یا روپ میں شامل ہے یا روپ میں رہتی ہے یا یہ خیال کرتے ہیں کہ ودان (احساسات) ہے یا ودان میں رہتی ہے یا ودان میں شامل ہے، اسی طرح بقیہ تینوں سکھندوں (تصورات، رجحانات اور عقل) کے بارے میں بھی سوچتے ہیں اسی طرح روح کے بارے میں ان بیسوں طریقوں میں سے کسی ایک پر یقین رکھنے سے اسے "میں" کا خیال پیدا ہوتا ہے۔ اس میں پانچوں حواس، ذہنی صفتیں اور جہالت مل جاتی ہیں ان احساسات سے جو جہالت اور اتصال کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں۔ حسیاتی غیر متشرع آدمی اس مغالطے میں گرفتار ہوتا ہے کہ "میں ہوں" میرا وجود ہے، میں رہوں گا، میں نہ رہوں گا، میں مادی صفات کا حامل رہوں گا یا نہ رہوں گا، میرے تصورات ہوں گے یا نہ ہوں گے، یا میں تصورات کے ساتھ یا بغیر تصورات کے رہوں گا۔ لیکن بھکشوؤ! متشرع (پابند مذہب بودھ) کے چیلے نے باوجود حواسِ خمسہ رکھنے کے اس جہالت سے آزادی حاصل کرلی ہے اور اسے عقل آگئی ہے اور اس لیے "میں" وغیرہ کے خیالات اس کے ہاں پیدا ہی نہیں ہوتے۔"[49]

بقول محمد مظہر الدین صدیقی:

"عیسائیت، یہودیت اور دوسرے بڑے مذاہب کے برعکس بدھ مت کو انسانی روح کی حقیقت سے انکار ہے، یہی نہیں بلکہ بدھ مت کے نظریہ کی رو سے روح کی ابدیت اور مستقل وجود کا عقیدہ انسان کی اخلاقی تمناؤں اور اعلیٰ نصب العین میں مزاحم ہے، اخلاقیات کی کوئی تعلیم کارآمد نہیں ہوسکتی جب تک انسان روح کے غلط عقیدے میں الجھا ہوا ہے۔"[50]

چنانچہ بدھ مذہب کے ہاں عقیدہ روح کے بارے میں دو آراء پائی جاتی ہیں غالب گمان یہی ہے کہ بدھ مت میں روح کا کوئی تصور نہیں پایا جاتا اور روح پر یقین رکھنا برائیوں کی جڑ سمجھا جاتا ہے۔ اسی وجہ سے بدھ مت کے پیروکاروں کے لئے ایک فریضہ یہ بھی ہے کہ وہ روح کے خیال سے پرہیز کریں۔

تناسخ اور کرم سے متعلق عقیدہ:

گوتم بدھ کی پیدائش چونکہ ہندوستان میں ہوئی تھی اور انہوں نے وہاں کے فلسفے کا بغور مطالعہ کیا تھا اس

لیے انہوں نے انسان کا بار بار جنم لینا تسلیم کیا۔ لہٰذا وہ تناسخ سے انکار نہ کر سکے۔ لیکن چونکہ وہ روح کے قائل نہ تھے اس لئے اس مسئلہ کا حل انہوں نے "کرم" کے نظریئے کی صورت میں پیش کیا۔

بقول گوتم بدھ:

"بھکشوؤ! یہ جسم تمہارے جسم ہیں نہ دوسروں کے، تمھیں تو یہ سمجھنا چاہیے کہ یہ گزشتہ زمانے کے اعمال ہیں جو خواہش اور میلان کی وجہ سے مجسم ہو گئے ہیں، مادی بقا کی آرزو کے سبب سے ایک وجود بن گئے ہیں اور محسوس کیے جاسکتے ہیں۔"[51]

محمد اسمٰعیل ہاتف رقمطراز ہیں:

"گوتم بدھ تناسخ کے بھی قائل ہیں اوران کا عقیدہ ہے کہ ایک جنم کی اچھی بُری صفات اورافعال کا اثر دوسرے جنم میں منتقل ہوتا ہے اورانسان دوسرے جنم میں پہلے جنم کے کرم کا پھل پاتا ہے"۔[52]

جبکہ "کرم" کے نظریئے سے متعلق گوتم بدھ کا کہنا ہے کہ:

"کرم کے قانون نے ایک اخلاقی قوت کی شکل اختیار کرلی جو ساری دنیا پر حاوی ہے۔"[53]

نظریہ کرم کی تعریف ڈاکٹر حفیظ سید نے ان الفاظ میں کی ہے:

"نظریہ کرم کے ماتحت جیسے ہی کوئی حیوان (انسان، جانور یا دیوتا) مرتا ہے، اس کیلئے ایک نئی زندگی کم وبیش آرام کے ساتھ شروع ہو جاتی ہے۔ یہ زندگی خوشگوار یا ناخوشگوار اسی حیثیت یا تناسب سے ہوتی ہے جس نسبت سے اس نے اچھے یا برے افعال واعمال کیے ہیں، وہ سبب جو اس نئی زندگی کا باعث ہوتا ہے وہ ترشنا (تشنگی) ہے یا اُپاوان (گرفت کی کوشش کرنا) ہے، پھر حواس کا ظاہری دنیا سے اتصال ہوتا ہے اوراحساسات شروع ہو جاتے ہیں۔ ان احساسات سے تشنگی یعنی ضرورتوں کے پورے کرنے کی خواہش پیدا ہوتی ہے۔ اس تشنگی کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان خواہشات کو پورا کرنے یا گرفت میں لانے کی فکر یا اپاوان اس نئے فرد کو وجود میں لا دیتی ہے اوراس نئے فرد کا ماحول، فطرت، مستقبل، وہی "کرم" طے کرتا ہے جو اس کے پہلے جنم کا پھل ہو۔"[54]

مندرجہ بالا حوالہ جات سے ثابت ہوا کہ انسان کے گزشتہ اعمال کی روشنی میں اس کے دوبارہ جنم کا تصفیہ کیا جاتا ہے۔ اس معاملے میں گوتم بدھ نے ہندو مذہب سے مماثلت اختیار کی کیونکہ یہ عقیدہ ہندو مذہب میں بھی پایا جاتا ہے۔ لیکن گوتم بدھ نے اس عقیدے کو مزید پروان چڑھایا اور بہت ترقی دی۔

بدھ مذہب کے چار اصولی حقائق(Four Noble Truths Of Buddhism):

جس راستے پر چل کر نروان حاصل کیا جاسکتا ہے وہ راستہ چار حقائق پر مبنی ہے۔لی بان کے الفاظ میں بدھ مذہب کے اصولی حقائق درج ذیل ہیں:

"اے راہبو یہ ہیں وہ چار محترم حقائق۔

اوّل: دنیوی مصیبت — دوم: دنیوی مصیبت کی جڑ

سوم: دنیوی مصیبت کا معدوم ہو جانا — چہارم: دنیوی مصیبت کو معدوم کر دینے کا طریقہ

دنیوی مصیبت کیا چیز ہے، اصل میں پیدائش دنیوی مصیبت ہے، بڑھاپا، بیماری، موت ان سے دور ہونا جن سے ہم محبت رکھتے ہیں اوران کا ملنا جن سے ہم نفرت رکھتے ہیں اسی کا نام دنیوی مصیبت ہے۔انسان کسی چیز کی خواہش کرتا ہے اور کوشش کے ساتھ بھی اسے نہیں پاتا یہ دنیوی مصیبت ہے۔غرض وہ چیزیں جو حواس خمسہ سے حاصل ہوتی ہیں وہ دنیوی مصیبت ہیں۔

دنیوی مصیبت کی جڑ کیا ہے یہ وہ خواہش ہے جو ہر وقت تازہ ہوتی رہتی ہے،وہ خواہش جو حظِ نفسانی کی شدت سے پیدا ہوتی ہے،جو اس سے لذت حاصل کرتی ہے،یہی جڑ ہے دنیاوی مصیبت کی۔

دنیوی مصیبت کو معدوم کرنا کیا ہے؟ شہوت نفسانی کو ٹھنڈا کرنا اوراس خواہش کو معدوم کر دینا جو ہر وقت تازہ ہوتی جاتی ہے اور حظِ نفسانی کی شدت سے پیدا ہوتی ہے۔

اوروہ کون سا طریقہ ہے جس سے دنیوی مصیبت معدوم ہو جاتی ہے۔یہ وہ محترم طریقہ ہے جس کے آٹھ حصے ہیں۔بصیرت کامل سے لیکر مراقبہ کامل تک یہ ہے حقیقت اس طریقہ کی جس سے دنیوی مصیبت معدوم ہو جاتی ہے۔"[55]

دنیاوی مصائب وآلام سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے گوتم بدھ نے چند اصول مقرر کر لئے کہ اگر انسان ان اصولوں کو اپنالے تو وہ خواہشاتِ نفسانی کی پیروی سے رک سکتا ہے۔

افراط وتفریط سے مبرا آٹھ اصول(Noble Eight-Fold Path):

گوتم بدھ نے نفسانی خواہشات پر قابو پانے کے لئے درمیانی راہ اختیار کرنے کی تلقین کی اوراس درمیانی راہ کا تعین بھی کر دیا۔اس سلسلے میں گوتم بدھ نے روحانی وجسمانی پاکیزگی کے لیے درج ذیل آٹھ اصول مقرر کیے ہیں:

۱۔ صحیح علم:

یعنی حکمت نظری و عملی کے اصول و فروع کو جاننا، علت و معلول کے قانون کو بخوبی سمجھنا، کفر، شرک، الحاد، بدعت، اوہام باطلہ اور وساوس شیطانی سے پاک ہونا اور مخلوقات کے اندر خدا کا جلوہ دیکھنا۔

۲۔ صحیح ارادہ:

نیک نیتی، وفاداری، راستبازی کا خیال رکھنا اور جانداروں کے ساتھ رحم و ہمدردی اور محبت کرنا۔

۳۔ صحیح گفتار:

یعنی جو کچھ واقعی دیکھا یا سنا ہو اور جو صحیح علم اور ارادہ دل میں ہو بیان کرنا، جھوٹ، ریاکاری، فضول گوئی، درشت کلامی وغیرہ سے اجتناب کرنا، جھوٹی شہادت اور جھوٹے وعدے سے کوسوں دور بھاگنا۔

۴۔ صحیح چلن:

ہر ایک کے ساتھ بہ حفظ مراتب نیک سلوک کرنا، صلح جوئی، دیانت، خوش خلقی، نیک اطواری کو شعار بنانا، جنگ و جہاد اور فتنہ فساد سے پرہیز کرنا، اپنے مطلب اور غرض کے لیے دوسروں کو تباہ و برباد کرنا سخت بد چلنی اور گمراہی ہے۔

۵۔ صحیح معاش:

کسب حلال اور اکل حلال۔ جس سے مراد یہ ہے کہ انسان و حیوان کو نقصان پہنچانے کے بغیر اپنی محنت و قوت و بازو سے نیک روزی حاصل کرے اور کھائے۔

۶۔ صحیح سعی:

تحصیل علم اور طلب حسنات میں دل و زبان اور جوارح کو ٹھیک طور پر کام میں لانا، جہالت و گناہ سے بچنے کی کوشش کرنا، ضبط خودی سے اعلیٰ روحانی منزل تک پہنچنے کی جدوجہد کرنا، خلق خدا کی بہبودی میں تن من دھن سے دریغ نہ رکھنا۔

۷۔ صحیح خیال:

دل کی یکسوئی کرنا، حواس ظاہری و باطنی، قوا سے انفعالی اپنی خودی و خویشی جسمانی تعلقات، عالم ہستی بلکہ عالم

کون ومکان کے جملہ ظہورات کی ناپائیداری پر یقین کرنا۔

۸: صحیح استغراق:

لذت غیر محسوس اور سرور بیغائت میں خودی وخویشی کی محویت اور جملہ تعینات ومفروضات سے رہائی، اصل حقیقت تک رسائی، اس کو شانتی اور نربان بھی کہتے ہیں۔[56]

یہ وہ آٹھ اصول ہیں جن پر عمل کرنے والا شخص بدھی کہلاتا ہے۔ بدھ مت میں ان میں سے کسی ایک کو بھی ترک کرنا جائز نہیں ہے اور اگر ان پر عمل کرنے میں کسی قسم کی کوتاہی برتی جائے تو وہ نتائج حاصل نہیں ہوں گے جو انسان کی نجات کے لئے ضروری ہیں۔ لیکن ان آٹھ اصولوں کو اختیار کرنے سے پہلے انسان کو درج ذیل چار مراحل سے گزرنا پڑتا ہے:

پہلا مرحلہ:

یہ ہے کہ انسان علی الاعلان اس بات کو تسلیم کرے اور اس کا عہد کرے کہ وہ اس طریقے کو اپنائے گا اور کسی قسم کا تساہل اور تغافل نہیں برتے گا، یہ مرحلہ حقیقت میں بدھی نظام میں داخلے کا مرحلہ ہے، یہ عہد انسان کی کامیابی کا ضامن ہو جاتا ہے لیکن کامیابی فوری اور جلدی ضروری نہیں ہے۔

دوسرا مرحلہ:

اس میں انسان کے بہت سے فاسد خیالات ختم ہو جاتے ہیں، یہ وہ مرحلہ ہے جو آخری جنم سے پہلے آتا ہے اور اسی جنم میں اس کیلئے کہا جاتا ہے کہ یہ شخص اسی دنیا میں دوبارہ جنم لے گا، اس مرحلے میں بہت سے فاسد خیالات ختم ہو جاتے ہیں۔

تیسرا مرحلہ:

اس میں انسان زندگی اور موت کی آخری کشمکش میں داخل ہو جاتا ہے ایسے انسان کے لئے کہا گیا ہے کہ وہ دوبارہ اس دنیا میں نہیں آئے گا، یہ وہ مرحلہ ہے جہاں تمام فاسد اور غلط خیالات ختم ہو جاتے ہیں اور وہ پاک وصاف ہو جاتا ہے۔

چوتھا مرحلہ:

یہ ”اڑہت“ کا مرحلہ کہلاتا ہے، یہ حقائق سے واقفیت اور موت کے درمیان کا وقت ہے اور جب انسان

مر جاتا ہے تو اسے ''نروان'' حاصل ہو جاتا ہے۔[57]

مندرجہ بالا آٹھ اصولوں کو اپنانے کے لئے ہر اس انسان کو ان چار مراحل سے گزرنا پڑتا ہے جس کا مقصد اور منشاء نروان حاصل کرنا ہو۔

بدھ مذہب کی تعلیم کی غرض وغایت:

بدھ مذہب کی تعلیم کا بنیادی نکتہ یہ ہے کہ انسان اس دنیاوی زندگی میں ''نروان'' حاصل کرے۔ لفظِ نروان کا مطلب ہے:

''بجھ جانا، خواہشات یا تمناؤں (ترشنا) کا معدوم ہو جانا، یہ محض معدومیت ہی نہیں بلکہ کسی شخص کی حالت طمانیت بھی ہے، نروان کی حالت میں خواہش اور جذبات ختم ہو جاتے ہیں اور نجات یافتہ شخص ادھر ادھر جانے کے بجائے قطعی سکون حاصل کرلیتا ہے، نروان ایجابی لطف کے ساتھ عینیت رکھتا ہے، یہ پاکیزہ طمانیت اور حقیقی علم دیتا ہے۔''[58]

نروان کے حصول کے لئے ہر شخص کو عبادت و ریاضت کرنی پڑتی ہے اور زیبائش و آرائش سے کنارہ کشی اختیار کرنی پڑتی ہے۔ اس سلسلے میں گوتم بدھ کے چند اقوال درج ذیل ہیں:

''جو شخص ضبط نفس کرتا ہے وہ اپنی ذاتی تربیت سے نروان کے غیر پامال رستہ میں قدم دہراتا ہے۔ (دہرم پد-۵-۱۶۰)''۔[59]

''جو شخص خاموشی کے ساتھ ہر بات کو برداشت کرلیتا ہے اس کو نروان حاصل ہو جاتا ہے (ابید-۵-۱۳۴)''۔[60]

''خواہش بدترین امراض میں سے ہے جب یہ بات انسان کے سمجھ میں اچھی طرح آجاتی ہے تو اسی حالت کو نروان کہتے ہیں''۔[61]

سطورِ بالا سے یہ بات بخوبی واضح ہوتی ہے کہ نروان سے مراد ضبطِ نفس اور خواہشات کا فنا ہو جانا ہے۔ خواہشات کے فنا ہو جانے کی حالت کو ہی نروان کہا جاتا ہے، جس کے بعد طمانیتِ قلب حاصل ہوتی ہے۔ ضروری نہیں کہ نروان مرنے کے بعد ہی حاصل ہو بلکہ زندگی میں بھی حاصل ہو سکتا ہے۔ گوتم بدھ نے بھی نروان مرنے سے قبل زندگی میں حاصل کیا تھا، جو افراد زندگی میں نروان حاصل کرتے ہیں انہیں ''اڑہت'' کہا جاتا ہے۔

نروان حاصل کرنے والوں کے لئے بدھ کی ہدایات:

وہ لوگ جن کا مقصد نروان کا حصول ہو اور وہ مذکورہ بالا آٹھ اصولوں پر عمل کرنے اور ان چار مراحل سے گزرنے کا حوصلہ رکھتے ہوں ان کے لئے گوتم بدھ نے کچھ ہدایات دی ہیں:

وہ رہبانیت اختیار کریں، یعنی شہری زندگی کو ہمیشہ کیلئے خیر باد کہہ دیں، گھر، خاندان، اہل و عیال، اہلِ محلہ، اہلِ شہر اور اہلِ حکومت سب سے علیحدگی اختیار کرلیں، تارک الدنیا بن جائیں اور ایسے لوگوں کی صحبت اختیار کریں جو تارک الدنیا ہوں، ہر عمل اور ہر بات میں سادگی کو اپنا شعار بنائیں، لباس، خوراک اور دیگر عادات میں تکلفات کو بالکل ختم کردیں، کسی قسم کی زیب و زینت اور نمائش کو اختیار نہ کریں، تصنع اور بناوٹ سے دور رہیں، ہر اس چیز سے کنارہ کشی اختیار کریں جس میں مخلوق کی کاری گری کو دخل ہو، یہاں تک کہ وہ مکانوں میں بھی رہائش اختیار نہ کریں، ان کا قیام غاروں یا آبادی سے باہر باغوں میں ہونا چاہیے یا پھر درختوں کے سایہ میں گزربسر کریں۔ شہروں سے انہیں کوئی واسطہ یا تعلق نہ رکھنا چاہیے، سر اور داڑھی کے تمام بال منڈوادیں۔ انھیں خوراک بھیک مانگ کر حاصل کرنی چاہیے اور وہ بھی صرف صبح کے وقت مانگی جائے۔[62]

ان ہدایات پر عمل کرکے گوتم بدھ کے وہ پیروکار مرد جو دنیا سے کنارہ کشی کرکے عبادت وریاضت میں زندگی گزارتے ہیں، انہیں "بھکشو" کہا جاتا ہے اور وہ عورتیں جو اپنا گھر بار چھوڑ کر ریاضت میں زندگی گزارتی ہیں، وہ "بھکشنی" کہلاتی ہیں۔ ان کے رہن سہن سے متعلق ای مارسڈن لکھتے ہیں:

"ان کیلئے بستیوں سے دور اکثر پہاڑوں کی کھوہ میں دیار (ٹھکانے) بنے ہوئے تھے۔ جہاں بھکشو اور بھکشنیاں عبادت اور پڑھنے لکھنے میں وقت صرف کرتی تھیں، یہ سب سر منڈاتے تھے، زرد کپڑے پہنتے تھے اور بھکشا یعنی خیرات پر بسر کرتے تھے، مگدھ دیس میں اس قسم کے دہارا س کثرت سے تھے کہ ملک ہی کا نام دہار یا بہار ہو گیا۔"[63]

گوتم بدھ جانتے تھے کہ ہر شخص تارک الدنیا نہیں ہو سکتا لہٰذا انہوں نے اپنے پیروکاروں کو دو حصوں "راہب (بھکشو) اور گھریلو معتقد (دنیادار)" میں تقسیم کرکے ان کے لئے الگ ضابطے اور قوانین بنائے۔

مذہبی کتب:

بدھ مذہب کی بنیادی کتابیں تین طرح کی ہیں:

ترتیب	کتاب	موضوع
اول	سوترا	فلسفیانہ بحثوں پر مشتمل ہیں
دوم	ونایا	خانقاہی نظم وضبط کے اصولوں پر مبنی ہیں
سوم	ابھی دھرم	تشریح متون پر مشتمل ہیں

انہی کے مجموعے کو سنسکرت میں "تری پتاکا" اور پالی میں "تپتاکا" کہا جاتا ہے۔[64]

جبکہ انگلش میں ان کے مجموعے کو "Three Baskets of Law" کہا جاتا ہے۔ یہ کتابیں گوتم بدھ کی زندگی میں ضبطِ تحریر میں نہیں لائی گئیں بلکہ اس وقت ان تعلیمات کو زبانی یاد کرایا جاتا تھا اور ان کو یاد کرنا نہایت مقدس سمجھا جاتا تھا۔ ان کتب کی تدوین سے متعلق کرسٹو فر رابرٹس لکھتے ہیں:

"تقریباً تین سو برس کی مدت تک بدھ کی تعلیمات کو ضبطِ تحریر میں لانے کی ضرورت نہ سمجھی گئی، شہنشاہ اشوک کے زمانے میں اس کے سنہ جلوس کے اٹھارہویں سال ایک کانسل (۲۵۲ق م) ہوئی اس نے پہلی بار ان معتقدات کو کتابی شکل دینا طے کیا۔ یہ کتابیں تری پٹک کے نام سے موسوم کی گئیں اور وہ اس وقت کی عام سادی زبان "پالی" میں لکھی گئیں۔ وہ اصلی تری پٹک جو پٹنہ میں تیار ہوئیں معدوم ہیں۔ لیکن ان کی ایک نقل مہیندر لیکر لنکا گیا اس نے ان کا ترجمہ وہاں کی زبان سنگالی میں کیا۔ چنانچہ پانچویں صدی عیسوی تک یعنی سات سو برس تک یہ مقدس کتابیں سنگالی زبان میں رہیں اور پالی کی تری پٹک معدوم ہوگئی۔ ۴۲۰ء میں بدھ گوش نامی "گیا" کا رہنے والا ایک راہب لنکا گیا اور اس نے سنگالی زبان سے ان مقدس کتابوں کو پھر پالی میں ترجمہ کیا اور اب یہی تری پٹک یعنی ترجمہ کی ہوئی تری پٹک سب سے زیادہ قدیم اور مستند مانی جاتی ہیں۔"[65]

بدھ مت میں چونکہ مختلف فرقے پائے جاتے ہیں اس لئے ہر فرقے کی سوترا اور ونایا بے شمار جلدوں پر مشتمل ہوتے ہیں، اگرچہ ان کی تصنیف کئی صدیوں کے بعد ہوئی پھر بھی انہیں گوتم بدھ کے الفاظ ہی تسلیم کیا جاتا ہے۔

بدھ مت کی تقسیم اور فرقے:

گوتم بدھ کی وفات کے بعد ایک کونسل کا انعقاد کیا گیا جس کے نتیجے میں دو فرقوں کا ظہور ہوا۔ جن کے نام "مہاسنگی کاس اور ستھادرواد نس تھا اور آخر الذکر فرقے سے ٹوٹ کر ایک اور فرقہ سرواستھواد نس پیدا ہو گیا۔ تیسری کونسل یعنی اشوک کے عہد تک بدھ مذہب اٹھارہ مختلف فرقوں میں منقسم ہو گیا تھا۔"[66]

جس قدر بدھ مت مزید فرقوں میں تقسیم ہوتا گیا اس قدر اس کی تعلیمات میں تبدیلی پیدا ہوتی چلی گئی۔ "بدھ کی وفات کے تقریباً چار صدی بعد جو اہم تبدیلی پیدا ہوئی وہ یہ تھی کہ بدھ کو خدا سمجھ کر اس کی پرستش کی جانے لگی، اسی طرح جب بدھ مت ہندوستان میں کافی پھیل گیا تو وہ سرکاری مذہب بن کر طاقتور ہو گیا تو ہندو مذہب نے اس سے مصالحت کر لی جسکی علامت کے طور پر اس کو ہندو مذہب کا گیارہواں اوتار (خدا بصورت انسان) قرار دیا گیا۔"[67]

عمومی طور پر بدھ مت کے دو بڑے فرقے بیان کیے جاتے ہیں۔

1۔ مہایان (Mahayana) 2۔ نہایان (Nihayana)

مہایان (Mahayana):

کنشک کے زمانے میں بدھ مت کی ایک کونسل میں بہت سے غیر ملکی نظریات کو بدھ مت میں شامل کرنے کا اعلان کیا گیا، ان نظریات کی شمولیت سے ایک نئے فرقے کا وجود بدھ مت میں ظاہر ہوا جسے "مہایان" کہتے ہیں۔[68]

گویا مہایان بدھ مت کا ایک ایسا فرقہ تھا جس میں اس کی تعلیمات پر عمل کرنے والا یا اس سے انحراف کرنے والا دونوں شامل ہو سکتے تھے اور خود کو اس فرقے کا پیروکار کہلوا سکتے تھے۔

نہایان (Nihayana):

قدیم نظریات کے حامل فرقے کا نام "نہایان" تھا اور اس فرقے میں صرف مخصوص لوگ ہی شریک ہو سکتے تھے جن کے پیرو قدیم تعلیمات بدھ مت پر عمل کرتے تھے۔[69]

بدھ مت کے مندرجہ بالا دونوں فرقوں میں سے مہایان فرقے نے زیادہ شہرت حاصل کی، بظاہر اس فرقے کا آغاز کنشک کے زمانے سے ہوا لیکن اصل میں اس فرقے کی بنیاد مہاراجہ اشوک کے زمانے میں پڑ چکی تھی، ابتدائی طور پر گوتم بدھ کی تعلیمات کو پالی زبان میں ضبطِ تحریر میں لایا گیا تھا لیکن اس فرقے نے اپنی کتب کی تدوین

سنسکرت زبان میں بھی کی،اس کی بنسبت نہایان فرقے کے عقائد وخیالات سے کم لوگ متاثر ہوئے کیونکہ اس فرقے کے عقائد میں فلسفہ اور تصوف کا رنگ زیادہ تھا۔

بدھی اخلاقیات:

بدھ مت کی مذہبی تعلیمات کے وہ احکام جو "احکامِ عشرہ" کے نام سے مشہور ہیں، دو بڑے حصوں میں منقسم ہیں۔ پہلے پانچ احکام "پنج شیل" کے نام سے مشہور ہیں۔ جن کی پابندی بدھ مت کے تمام پیروکاروں پر چاہے وہ بھکشو ہوں یا دنیادار، فرض ہے۔ پنج شیل میں شامل پانچ احکام درج ذیل ہیں:

1۔ کسی بھی جاندار کو ہلاک نہ کرو۔

2۔ جو چیز تمہیں نہ دی گئی ہو اسے حاصل نہ کرو۔

3۔ جھوٹ نہ بولو۔

4۔ نشہ آور اشیاء کا استعمال نہ کرو۔

5۔ ناجائز جنسی تعلقات استوار نہ کرو۔[70]

ہر بدھی پیروکار پر مذکورہ بالا پانچوں قواعد وضوابط کی پابندی کرنا فرض ہے۔ ان کے علاوہ دوسرے حصے کے ابتدائی تین اصولوں کی پابندی بھکشوؤں کے لیے ضروری ہے جبکہ عام گھریلو معتقدین کے لیے ان کی پابندی کرنا لازمی نہیں۔ وہ تین اصول درج ذیل ہیں:

1۔ رات کو دیر سے اور زیادہ کھانا نہیں کھانا چاہیے۔

2۔ عطر لگانے اور پھولوں کے ہار پہننے پر پابندی ہے۔

3۔ زمین پر سونا منع ہے۔[71]

مندرجہ بالا تین ضابطے پہلے پانچ قوانین کے ساتھ مل کر اشٹانگ شیل کی تشکیل کرتے ہیں۔ ہر بھکشو کے لیے اشٹانگ شیل کی پابندی لازم ہے جبکہ گھریلو معتقدین کے لیے پنج شیل کی پابندی ضروری ہے۔ مندرجہ ذیل دو احکامات کی پابندی بھی بھکشوؤں کے لیے لازمی قرار دی گئی تاکہ وہ ریاضت کی بلند منزلوں کو چھو سکیں:

1۔ رقص، گائیکی اور تمثیل نگاری کی ممانعت۔

2۔ چاندی اور سونے کے استعمال پر پابندی۔[72]

"سنگھ" جماعت میں داخلے کے لئے ضروری ہے کہ ہر بھکشو ان تمام احکامات کی پابندی کرے تا کہ وہ جماعت کے مستقل کارکن کی حیثیت سے شامل ہو جائے، احکامِ عشرہ کے علاوہ چند ایسے پیشے ہیں جنہیں گوتم بدھ نے ممنوع قرار دیا ہے:

1۔ ہتھیار بیچنا۔

2۔ لونڈی غلام بیچنا۔

3۔ گوشت بیچنا۔

4۔ شراب بنانا یا بیچنا۔

5۔ زہر بیچنا۔[73]

گوتم بدھ کی اخلاقی تعلیمات کا خلاصہ درج ذیل ہے:

1۔ دانشمندوں کی خدمت کرو اور نادانوں کی صحبت سے بچو، اس کی عزت کرو جو عزت کا مستحق ہو۔

2۔ علم حاصل کرو اور عقل کی روشنی بڑھاؤ۔

3۔ والدین کی اطاعت، اہل و عیال کی خبر گیری کرو اور ایسا پیشہ اختیار کرو جس سے کسی کو دکھ نہ ہو۔

4۔ خیرات کرو، ایمانداری سے رہو اور عزیزوں، رشتہ داروں کی مدد کرو۔

5۔ گناہ سے بچو، شراب کے پاس نہ جاؤ اور نیک کاموں سے کبھی نہ تھکو۔

6۔ عاجزی اور فروتنی اختیار کرو، قناعت اور شکر گزاری اپنا شیوہ بناؤ۔

7۔ مصیبت برداشت کرنے کی عادت ڈالو۔

8۔ اپنی عصمت کی حفاظت اپنی جان سے زیادہ کرو۔

9۔ دل پر اتنا قابو حاصل کرو کہ کسی غم و غصہ کا اس پر اثر نہ ہو۔

10۔ "نروان" حاصل ہونے سے ناامید نہ ہو اور یقین رکھو کہ اصلاحِ اخلاق سے یہ خود بخود ملے گا۔

11۔ نفس کو زیر کرو اور تمام عالم سے محبت رکھو۔[74]

یہ وہ تمام احکامات ہیں جن کو اختیار کرنا ہر بھکشو کے لئے لازمی قرار دیا گیا اور جو ان تمام احکامات پر عمل پیرا ہوتا ہے اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس نے مقصد "نروان" کو حاصل کر لیا، جو افراد رہبانیت اختیار نہیں کر سکتے ان کے لئے الگ احکامات مقرر کیے گئے اور ان کے لئے گنجائش رکھی گئی، تاکہ وہ بھی ان پر عمل پیرا ہو سکیں۔

سنگھ(SANGHA):

"سنگھ" جماعت کی تاریخ بتاتے ہوئے ڈاکٹر رضی احمد کمال لکھتے ہیں:

"گوتم بدھ کے پیروکاروں میں دو طرح کے افراد شامل تھے، ایک تو وہ لوگ جو گوتم بدھ کی تعلیمات کو سچ سمجھ کر قبول کرتے تھے لیکن اپنی مشغولیتوں کی وجہ سے اتنی ہمت نہیں کر سکتے تھے کہ دنیا کے دھندوں سے بالکل علیحدہ ہو کر مکمل طور سے نروان حاصل کرنے میں لگ جائیں ایسے لوگ اپاسک کہلاتے تھے۔ دوسری طرف وہ شاگرد جو گوتم بدھ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے دنیا سے ناطہ توڑ کر سنیاس لے لیتے تھے اور اپنی پوری زندگی نروان حاصل کرنے کے لئے وقف کر دیتے تھے۔ ایسے شاگرد "بھکشو" کہلاتے تھے اور بھکشوؤں کی جماعت سنگھ کے نام سے موسوم تھی"۔[75]

اس جماعت میں داخلے کیلئے امیدوار کو درج ذیل باتوں کی تصدیق کرنی پڑتی ہے:

1۔ مجھے سل، دق، مرگی اور چھوت کی کوئی بیماری نہیں ہے۔

2۔ میں غلام، قرضدار اور سپاہی نہیں ہوں۔

3۔ میں خود اپنا ذمہ دار ہوں اور اپنی خواہش سے داخلہ چاہتا ہوں۔

4۔ والدین اگر زندہ ہیں تو میں نے ان سے اجازت لے لی ہے۔[76]

جو بھی شخص اس جماعت میں داخل ہونا چاہتا ہے اسے مندرجہ بالا چار شرائط کے علاوہ درج ذیل احکامات کی پیروی بھی کرنی پڑتی ہے:

1۔ بدھ شریعت کی مکمل پیروی کرنا۔

2۔ گیروا کپڑے پہنے۔

3۔ تہبند، لنگوٹ اور چادر بطور لباس پہننا۔

4۔ وہی کھانا جو بطور اسے بھیک مل جائے۔

5۔ دوپہر کے بعد قلیل غذا کھانا۔

6۔ مجرّد زندگی بسر کرنا۔

7۔ جنگل یا باغ میں قیام کرنا۔[77]

اس انجمن میں داخلے کیلیئے ذات پات کی کوئی تمیز نہیں رکھی گئی اور نہ ہی اس میں داخلے کیلیئے کسی قسم کا کوئی جبر کیا جاتا ہے بلکہ ہر شخص اپنی مرضی سے اس میں داخل ہوتا ہے اور جب چاہے اس سے علیحدگی اختیار کر سکتا ہے۔

سٹوپا اور پگوڈا:

سٹوپا اور پگوڈا کا شمار بدھ مت کی اولین مذہبی یادگاروں میں ہوتا ہے۔سٹوپا کی تاریخ سے متعلق مصنف کرسٹوفر رابرٹس لکھتے ہیں:

"جب گوتم بدھ نے وفات پائی تو اسکی چتا کو جلانے کے بعد راکھ کو آٹھ حصوں میں تقسیم کر کے دفنایا گیا۔ ہر مقام تدفین پر ایک سٹوپا تعمیر کیا گیا جبکہ دو سٹوپاؤں میں راکھ دان اور چتا کے کوئلوں کو دفنایا گیا، بعد ازاں یہ دس سٹوپا تاریخ کی دھند میں گم ہو گئے اور اب کسی کو بھی ان اصل سٹوپاؤں کے بارے میں معلوم نہیں ہے کہ وہ کہاں تھے، اشوک نے تیسری صدی قبل از مسیح بدھ مت قبول کرنے کے بعد اصل سٹوپاؤں میں سے گوتم بدھ کی باقیات نکلوائیں اور کئی ہزار سٹوپا تعمیر کروا کر ان میں رکھوا دی تھیں۔رفتہ رفتہ سٹوپا مقامِ تدفین کی بجائے عبادت گاہ کا تقدس پا گیا، وقت گزرنے کے ساتھ سٹوپا کا طرز تعمیر اور نمونہ بھی تبدیل ہوا، انہیں طرز تعمیر کے فرق کی بناء پر مختلف نام دیئے گئے جن میں سے چند یہ ہیں: تورانا، ویدکا، ہرمیکا، چتر ایشی۔قدیم ترین سٹوپا ہندوستان کے شہر سانچی میں ہے جبکہ بلند ترین سٹوپا تھائی لینڈ میں ہے جسکی اونچائی 127 میٹر ہے۔"[78]

چنانچہ سٹوپا ہندوستان اور جنوب مشرقی ایشیا میں واقع ایسی عمارت کو کہا جاتا ہے جس کا تعلق بدھ مت سے ہو، جب بدھ مت کی اشاعت دوسرے ایشیائی ممالک میں ہوئی تو سٹوپا نے ہی پگوڈا کی شکل اختیار کر لی لیکن ان میں فرق ہے:

"پگوڈا مشرقی ایشیا میں موجود بدھ معبودوں کو کہا جاتا ہے جنہیں غیر مذہبی مقاصد کیلیئے بھی استعمال کیا جاتا ہے۔"[79]

موجودہ دور میں دوسرے مذاہب سے تعلق رکھنے والے افراد کیلیئے سٹوپا اور پگوڈا میں تمیز کرنا ایک مشکل کام ہے۔بنیادی طور پر سٹوپا کی پانچ اقسام ہیں اور انہیں پانچ عناصر مٹی، ہوا، پانی، آگ اور خلا سے منسوب کیا جاتا ہے۔

دھرم(DHARMA):

بدھ مت میں جس طرح بدھا اور سنگھ کی بہت اہمیت ہے اسی طرح "دھرم" کی اصطلاح بھی بہت اہمیت رکھتی ہے۔

"دھرم بدھ کے مذہب کی شریعت ہے، جو ابدی ہے اور یہ دنیا دھرم یا راستبازی کے قوانین کی ہی پیروی کرتی ہے۔"[80]

بدھ متی پیروکاروں کے لیے اس دھرم کی پابندی کرنا اور اس پر عمل کرنا بہت ضروری ہے۔

بدھ مت کی ترویج واشاعت اور مقامی تبدیلیاں:

"موریہ شہنشاہ اشوک نے کالنگا کے علاقے کو ایک خونریز جنگ کے بعد فتح کیا، اس واقعے نے اس کے قلب وذہن پر بہت گہرا اثر ڈالا اور اس نے بدھ مت کو قبول کر لیا، اس نے کشت وخون سے توبہ کر لی اور بدھ مت کی ترویج کیلئے ستون اور سٹوپا تعمیر کروانے لگا، ان پر کندہ کی جانے والی تحریروں میں تمام جانداروں کی جان کا احترام کرنے کی تاکید کی گئی تھی نیز لوگوں سے کہا گیا تھا کہ وہ دھرم کے مطابق زندگی بسر کریں۔ اس کے علاوہ اس نے سارے ملک میں سڑکیں اور شفاخانے تعمیر کروائے، یہ وہ پہلا دور ہے جس میں بدھ مت ہندوستان سے باہر فروغ پانے لگا، اشوک کے ستونوں اور الواح سے پتا چلتا ہے کہ اس نے بدھ مت کی تبلیغ کیلئے بہت سے ملکوں میں وفد بھیجے تھے۔"[81]

اشوک کے بدھ مت اختیار کر لینے کے بعد بدھ مت ہندوستان کے علاوہ دوسرے ممالک مثلاً جنوب میں افغانستان اور وسطی ایشیا تک، شمال میں نیپال، تبت اور چین تک، جنوب میں سیلون تک اور مشرق میں برما، سیام، انڈوچائنا، انڈونیشیا، ملحقہ جزائر اور جاپان تک پھیل گیا۔

"چین میں یہ پہلی صدی عیسوی میں داخل ہوا اور بعد میں کوریا کے راستے چین سے جاپان پہنچا۔"[82]

جیسے جیسے بدھ مت مختلف ممالک میں پھیلتا گیا اس میں نئے فرقوں اور نئی تحریکوں نے جنم لیا۔ "ان میں ایک زین بدھ مت ہے جس نے جاپان میں زور پکڑا۔"[83]

جاپان میں بدھ مت کی اشاعت کے بارے میں "Encyclopedia of the World's Nations and Cultures" میں درج ہے کہ:

"Buddhism was introduced into Japan in the sixth century and has been the country's principal religion since the seventh century

Its Revolution has been marked by the rise and spread of over 13 sects (Sbu) and 56 denominations. Buddhism has also had a profound effect on Japanese culture, including the arts, gardens and the tea ceremony [84]".

ترجمہ: بدھ مت چھٹی صدی عیسوی میں جاپان میں متعارف ہوا اور ساتویں صدی عیسوی تک اس کو ملک کا سرکاری مذہب بنادیا گیا۔ اپنے اوائل سے ہی یہ مرکز نگاہ رہا اور یہ انقلاب ۱۳ فرقوں اور ۵۶ سلطنتوں تک پھیل گیا۔ بدھ مت نے جاپانی ثقافت بشمول فنون، باغات اور چائے پیش کیے جانے کی روایت پر گہرے اثرات مرتب کیے۔

جبکہ سری لنکا میں "بدھ مت کی ترویج واشاعت اشوک کے بیٹے مہندا اور اس کے چھ ساتھیوں کے دور میں دوسری صدی قبل از مسیح میں ہوئی۔" [85]

بدھ مت نے کوریا میں بھی زور لگایا "کوریا میں بدھ مت 372ء میں کوریائی سلطنت گوگوریو میں چینی سفارت کاروں کے ذریعے پھیلا۔ ساتویں صدی سے بدھ مت خصوصاً سیون (زین) بدھ مت کوریا میں پھلتا پھولتا رہا تاہم 1392ء میں پی خاندان کی حکومت کے دوران کنفیوشس مت فروغ پانے لگا، اس عرصے میں بدھ مت کے خلاف امتیازی سلوک کیا گیا یہاں تک کہ اس کا نام ونشان تک مٹ گیا سوائے سیون تحریک کے۔" [86]

انڈونیشیا کے جزیرے سماٹرا میں جب شری وجے سلطنت نے بدھ مت قبول کیا، اس وقت "شری وجے سلطنت نے جنوب مشرقی ایشیا میں وسعت پائی تو اس کے ساتھ مہایان بدھ آرٹ نے بھی فروغ پایا، اس پورے خطے میں اس دور سے تعلق رکھنے والے بودھی ستو کے جو مجسمے ملے ہیں وہ نہایت دلکش اور تخلیقی صناعی کا شاہکار ہیں، جاوا میں 780ء کے لگ بھگ تعمیر ہونے والے دنیا کے سب سے بڑے بدھ معبد کے آثار ملے ہیں اس بدھ معبد کا نام بوربدر تھا، اس معبد کی دیواروں پر گوتم بدھ کی 505 تصویریں موجود ہیں جو مہایان بدھ مصوروں کی تخلیقی مہارت کا منہ بولتا ثبوت ہیں، ہندوستانی حکمرانوں کے ساتھ تنازعات کی وجہ سے بدھ مت کی پیروکار انڈونیشیائی شری وجے سلطنت کمزور پڑ گئی اور آخر تیرھویں صدی میں اسلامی توسیع کے نتیجے میں ختم ہو گئی"۔ [87]

تبت میں بدھ مت ساتویں صدی قبل عیسوی میں پہنچا"تبت میں یہ مذہب ایک راجا کی کوششوں سے پہنچا جسکا نام سرانگ سان گیمپو بتایا جاتا ہے، ان نظریات کے ساتھ ساتھ جادو ٹونے، ٹوٹکے اور تعویزوں کا رواج بھی ہو گیا، تبت میں مہایانی فرقے کے نظریات میں ہندو مت کے تصورات کی آمیزش بھی ہو گئی۔"[88]

نیپال میں بدھ مت کی اشاعت کے بارے میں لی بان، تمدن ہند میں لکھتے ہیں:

"بدھ مذہب نیپال میں بہت قدیم زمانہ میں گیا۔ بلکہ روایات میں بیان کیا گیا ہے کہ خود شاکیا منی بنفس نفیس وہاں گئے تھے اور نیپال ہی کی قدیم خانقاہوں میں اس مذہب کی سب سے پرانی کتابیں ملی ہیں۔ انہی روایات میں بیان کیا گیا ہے کہ اشوک جو تیسری صدی قبل مسیح میں مگدھ کا بادشاہ تھا اس ملک میں سیتوناتھ اور پسپتی وغیرہ مقدس مندروں کی زیارت کو آیا تھا اور اسی نے پاٹن کا شہر جس کا نیپالی نام لات پاٹن ہے بسایا تھا۔ ظاہراً یہ پاٹلی پتر کی خرابی ہے جو کہ اشوک کا دارالحکومت تھا۔ یہاں بہت سے مندروں کے کھنڈر جو ٹیلوں کی صورت میں ہیں نہایت قدیم زمانے سے اشوک کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں۔"[89]

اسی طرح اگر برما کی بات کی جائے تو"برما میں بدھ مذہب برہمنی دیوتا کے ساتھ گیا، مسٹر ویلر جو کہ برما میں ایک برٹش عہدہ دار تھے لکھتے ہیں کہ برما کے بدھسٹ ویدی دیوتاؤں میں علی الخصوص اندرا اور برہما کی بھی پرستش کرتے تھے اور برہما کا بادشاہ اپنے دربار میں ہمیشہ برہمنوں کو رکھتا ہے اور وہی صاحب لکھتے ہیں کہ کوہ التامی کے موالی مغل خواتین ویدی دیوتاؤں کو پوجتے ہیں۔"[90]

جیسے جیسے بدھ مت دوسرے ممالک میں پھیلتا گیا اسی قدر وہاں کے مقامی عقائد سے بھی متاثر ہوا، اس طرح بدھ مت میں تبدیلیاں پیدا ہوتی گئیں۔ چنانچہ کہا جاتا ہے کہ:

"اپنی توسیع کے دوران میں وہ (بدھ مت) بڑے تغیرات سے گزرا اور بعض اوقات تو اس میں بنیادی تبدیلیاں واقع ہوئیں لیکن اس طرح بحیثیت مجموعی بدھ مت دراصل ایک مذہب کے بجائے مذاہب کا ایک خاندان ہے عملاً اس نے مقامی مذاہب وعقائد کے ساتھ مصالحت کے ذریعے اپنا راستہ پیدا کیا اکثر اوقات اس طرح مختلف عقائد میں امتزاج کا یہ نتیجہ پیدا ہوا کہ اس میں بدھ مت کے خصوصی وامتیازی عنصر کا پتہ چلانا مشکل ہے، مزید برآں چین اور جاپان جیسے ممالک میں بدھ مت کے بیشتر پیرو ساتھ ساتھ اپنے اصلی قومی مذاہب کے بھی وفادار تھے جس کے باعث یہ معلوم کرنا دشوار ہوتا تھا کہ بدھ مذہب کے معنی کیا ہیں۔"[91]

اسی طرح اگر چین کی بات کی جائے تو:

”چین کا بدھ مذہب جو ہندوستان سے پہلی صدی کے بعد داخل ہوا تھا اصل بدھ مذہب سے بہت کم مشابہت رکھتا ہے، متعدد مقامی قصص، روایات، رسومات اور فرائض کا بدھ مذہب میں اضافہ کر دیا گیا ہے تا کہ اس کو گہرا چینی رنگ دیا جاسکے۔“[92]

چین کی طرح دوسرے ممالک میں یہی صورتحال رہی۔ ہندوستان کے حوالے سے ایک مصنف لکھتے ہیں:

”بدھ مذہب نے بہرحال ایک آزاد مذہب کی حیثیت سے اپنے لئے مقام پیدا کر لیا اور کئی صدیوں تک ہندوستان کے بڑے حصہ کا غالب مذہب رہا لیکن وہ بھی بالآخر ہندو مذہب سے گھل مل گیا۔“[93]

چنانچہ بدھ مت جہاں جہاں گیا وہاں کے رسم ورواج اور عقائد اس کا حصہ بنتے چلے گئے اور بدھ مت ان مذاہب میں ضم ہوتا چلا گیا اور اس کی شناخت تبدیل ہوتی رہی۔

فصل دوم

زرتشت مذہب کاتعارف وتجزیہ

زرتشت مذہب ایران کاقدیم ترین مذہب ہے۔زرتشت مذہب سے قبل ایران میں اصنام پرستی اور مظاہر پرستی اپنے عروج پر تھی۔زراعت چونکہ اہل ایران کاذریعہ معاش تھااس لیےان تمام مظاہر قدرت کی پرستش کی جاتی تھی جوزراعت کے لیے مفیدوممنون تھے۔سورج،چاند،پانی،ہوا،آگ حتیٰ کہ دیوی دیوتاؤں کی پرستش بھی عام تھی۔ایک انگریزمؤرخ اپنی کتاب"The Story Of Civilization"میں زرتشت مذہب سے قبل ایران کی مذہبی حالت کانقشہ کھینچتے ہوئے لکھتے ہیں:

"When he appeared, among the ancestors of the Medes and the Persians, he found his people worshiping animals, ancestors, the earth and the sun, in a religion having many elements and deities in common with the Hindus of the vedic age. The chief divinities of this pre-zoroastrian faith were Mithra, god of the sun, Anaita, goddess of fertility and the earth, and Haoma the bull- god who, dying, rose again , and gave mankind his blood as a drink that would confer immortality; him the early Iranians worshiped by drinking the intoxicating juice of the haoma herb fund on their mountain slopes. Zarathustra was shocked at these primitive deities and this Dionyrian ritual; He rebelled against the "Magi" or priests who prayed and sacrificed to them, and with all the bravery of his contemporaries amos and Isaiah. He announced to the world one God-here

Ahura_Mazda, the Lord of the Light and Heaven, of whom all other gods were but manifestations and qualities."[94]

ترجمہ: جب وہ (یعنی زرتشت) میڈ اورایراکیتوں کے آباء واجداد میں ظاہر ہوئے توانہوں نے اپنی قوم کو جانوروں، آباؤاجداد زمین اور سورج کی پوجا کرتے ہوئے پایااوران کے مذہب میں وہ عناصر اور خدا تھے جو زمانۂ وید کے ہندوؤں میں پائے جاتے تھے۔ قبل از زرتشت اس مذہب کے خدا متھرا، آفتاب کا خدا، عیتا، افزائش کی خدائی، زمین، ہوا، سانڈ کے نمونہ کا خدا جو مر گیااور پھر زندہ ہوا جو کہ بنی نوع انسان کو اپنا خون پینے کو دیتا تھا، زمانۂ قدیم کے ایرانی اس کی پرستش اس طرح سے کرتے تھے کہ ہوما گھاس کا نشہ آور عرق پیتے تھے، ان خداؤں کی پرستش اور کافرانہ رسوم کو دیکھ کر زرتشت بہت حیران ہوئے۔ اس نے ان مجوسی پجاریوں کے خلاف بغاوت کی جو ان خداؤں کو پوجتے تھے اوران پر قربانیاں چڑھاتے تھے اوراپنے ہم عصر انبیاء عاموس اوریسعیاہ کی سی جرأت کے ساتھ دنیامیں خدائے واحد کا اعلان کیا، یہاں اس خدائے واحد کا نام اہورامزدا تھا جو نوروسموات کا خدا تھااورباقی مفروضہ خدا صرف اس کی صفات اوروضاحت کادوسرانام تھے۔

زرتشت نے جب اپنی قوم کے لوگوں کو جانوروں، زمین اور سورج کی پوجا کرتے ہوئے دیکھاتووہ بہت حیران ہوئے اور انہوں نے ان کے خلاف خدائے واحد (اہورامزدا) جونوروسموات کا خدا تھا، اس کا پرچار کیا۔ زرتشت کی مجوسیوں کے خلاف یہ بغاوت اوردلیری ان انبیاء(عاموس اوریسعیاہ) جیسی تھی جنھوں نے دنیامیں خدائے واحد کا اعلان کیا تھا۔

1۔زرتشت مذہب کے بانی کے احوال

زرتشت مذہب کے بانی کانام:

بقول ڈاکٹر غلام سرور:

"ساتویں اور چھٹی صدی قبل مسیح کے درمیان ایران میں ایک بزرگ پیدا ہوا جس کانام "زرتشترا" یا

”زر تشت“ تھا۔“[95]

لفظ”زر تشت“کی تفصیل بتاتے ہوئے"Feroz Cawasji Davar"لکھتے ہیں:

"The word “Zarathushtra” is originally from the Avesta. In Persian, Zarathushtra is called "Zardust" in Greek he is known as "Zoroaster", and the parsis of india known him as " Jarthosht". The prophet of the parsis was called "Spitama Zarathushtra", because the name of his ancestor of the ninth degree was "Spitama". Later the name because the family name".[96]

ترجمہ:لفظ”زر تشترا“ اصل میں اوستا سے ہے فارسی میں زر تشترا کو ”زردشت“ کہا جاتا ہے۔یونانی میں وہ ”زوراسٹر“ کے نام سے مانا جاتا ہے اور ہندوستان کے پارسی اسے ”جر تشت“ کے نام سے جانتے ہیں، پارسیوں کے نبی کو اسپٹاما زر تشترا کہا جاتا تھا، کیونکہ ان کے اجداد میں نویں پیڑی کے لوگ اسپٹاما کے نام سے جانے جاتے تھے بعد میں یہ نام خاندانی نام بن گیا۔

لفظ”زر تشت“کا مطلب:

لفظ”زر تشت“کا مطلب بتاتے ہوئےR.P.MASANIلکھتے ہیں:

"Some have suggested that Zarathushtra meant" professor of old or yellow coloured camels" others that it meant the "high priest" it was probably the appellation by which he was known after he had proclaimed his religion and which has been rendered into English as "He of the golden light" Just as Prince Siddharta came to be as the Buddha (the Enlightened one) and Jesus as the Christ (the anointed)". [97]

ترجمہ: کچھ کے نزدیک زرتشت کے معنی ہیں "پرانے معلم یا زرد رنگی اونٹ"
اور کچھ کے نزدیک اس کے معنی "امام اعظم" کے ہیں، اپنے مذہب کے مکمل
پرچار کے بعد انہیں ان القابات سے نوازا جاتا ہے اور جس کو انگریزی زبان میں
"He of the golden light" کہا جاتا ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے سلطان
سدھارتا کو بدھا اور عیسیٰ علیہ السلام کو مسیح کہا گیا۔

تاریخِ پیدائش:

زرتشت کے زمانہ کے بارے میں محققین کا اختلاف پایا جاتا ہے چنانچہ انکی تاریخ پیدائش کا تعین کرنا ایک مشکل کام ہے۔ لیکن زرتشتی مذہب کی جس روایت میں زرتشت کا جو عہد بتایا جاتا ہے اگر اسے سامنے رکھا جائے تو:

"زرتشت کا زمانہ سکندر یونانی سے 258 سال قبل تھا۔ سکندر نے شہنشاہِ ایران دارائے سوم کو 330 ق۔م میں شکست دی اس طرح زرتشت کا زمانہ 588 قبل مسیح رہا ہو گا، اب اگر ہم یہ گمان کریں کہ جس وقت زرتشت کو اپنی تحریک میں کامیابی حاصل ہونی شروع ہوئی اسی وقت سے لوگوں نے انکی اہمیت کو محسوس کیا ہو گا اور ان کو یاد رکھا ہو گا تو پھر یہ وہ موقع ہو گا جب وہ شاہ خراسان وشتاسپ اور دربار کے اہم سرداروں کو اپنے مسلک کا پیروکار بنانے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ روایتی اعتبار سے زرتشت کی عمر اس وقت 40 سال کی تھی اور چونکہ ہم کو یہ بھی بتایا جاتا ہے کہ ان کی کل عمر 73 سال کی تھی اس لیے انکی تاریخ پیدائش 628 ق م اور تاریخ وفات 551 ق م قرینِ قیاس معلوم ہوتی ہے۔"[98]

بعض محققین زرتشت کا زمانہ پانچ ہزار سال قبل بتاتے ہیں۔ بعض کے مطابق زرتشت کا ظہور ایک ہزار سال ق۔م میں ہوا۔ لیکن زیادہ تر محققین "جن میں امریکی مستشرق ولیم جیکسن اور ایرانی محقق محمد معین بھی شامل ہے، اس روایت پر متفق ہیں کہ زرتشت 660 ق۔م میں پیدا ہوا اور 583 ق۔م میں فوت ہوا۔"[99]

اس بات پر سب محققین کا اتفاق ہے کہ زرتشت کا زمانہ حضرت عیسٰی علیہ السلام سے قبل کا زمانہ ہے۔

جائے پیدائش:

جس طرح زرتشت کی تاریخ ولادت سے متعلق اختلاف پایا جاتا ہے اسی طرح جائے ولادت کے متعلق بھی مختلف آراء پائی جاتی ہیں۔ ڈاکٹر غلام سرور کے مطابق:

"ساتویں اور چھٹی صدی قبل مسیح کے درمیان ایران میں ایک بزرگ پیدا ہوا جس کا نام "زرتشترا" یا "زرتشت" تھا۔"[100]

زرتشت کی جائے پیدائش سے متعلق "REV.H.McNEILE" لکھتے ہیں:

"He Was Born in Western Iran, A Province Of Persia".[101]

ترجمہ: وہ (زرتشت) مغربی ایران میں پیدا ہوئے جو فارس کا صوبہ تھا۔

مرزا مقبول بیگ بدخشانی نے مزید اضافہ کیا کہ:

"زرتشت آذربائیجان کے علاقہ الرومیہ میں پیدا ہوا"۔[102]

مندرجہ بالا روایات سے یہ بات زیادہ قرینِ قیاس معلوم ہوتی ہے کہ زرتشت کی پیدائش ایران میں ہوئی۔

پیدائش کے وقت زرتشت کی کیفیت:

زرتشت مذہب کی رو سے جس وقت زرتشت کی پیدائش ہوئی اس وقت زرتشت مسکرا رہے تھے۔ اس وقت کی منظر کشی کرتے ہوئے "R.P Masani" لکھتے ہیں:

"As in the case of other prophets, so in the case of Spitama Zarathushtra tradition attaches various miracles to his life upon earth, it is said that even while in the embryonic stage the child glowed with such spiritual lustre that everything around Dughdhova was radiant with light, which increased in brilliance as the time for nativity drew nearer instead of crying this infant smiled at birth* and according to the scriptures, nature also smiled with him in

*ایک رومی مصنف پلینی کے مشاہدے کے مطابق زرتشت روئے زمین کا واحد شخص تھا جو اپنی پیدائش کے دن مسکرا رہا تھا اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس کی فہم و فراست کا کوئی ثانی نہ تھا۔

Sympathy." [103]

ترجمہ: جس طرح معجزات پیغمبروں سے منسوب ہیں بالکل اسی طرح زرتشت کے ساتھ بھی معجزات کا تذکرہ موجود ہے۔ کہا جاتا ہے کہ شکمِ مادر میں ہونے کے باوجود زرتشت کے روحانی نور کی وجہ سے دوگدوفا(Dughdhova) کے اطراف کی اشیاء جگمگاتی رہتی تھیں جن میں وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اضافہ ہوتا گیا حتی کہ بوقت ولادت وہ رونے کے بجائے مسکرا رہا تھا۔ زرتشیوں کے مقدس صحائف کے مطابق اس کے مسکرانے سے قدرت بھی مہربان ہو گئی۔

زرتشتی بوقتِ پیدائش زرتشت کے مسکرانے کو معجزہ قرار دیتے ہوئے اس کے ذریعے زرتشت کے روحانی مقام کو ثابت کرتے ہیں کہ اس کے مسکرانے سے گویا کہ قدرت بھی اس پر مہربان ہو گئی۔

حالاتِ زندگی:

زرتشت مذہب کی کتب کے مطابق زرتشت کے والد کا نام "POURUSHASPA" [104] ہے اور والدہ کا نام "Dughd$\bar{o}$v$\bar{a}$" [105] ہے۔

زرتشت کے بچپن کے حالات کے متعلق تاریخ خاموش ہے۔ البتہ زمانۂ شیر خوارگی سے متعلق کچھ ایسی روایات منقول ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ زرتشت کو قتل کرنے کی کئی بار کوشش کی گئی لیکن معجزانہ طور پر وہ بچ جاتے۔ اس سلسلے میں "REV.H. McNEILE" لکھتے ہیں:

"During his infancy his life was repeatedly attempted:an assasin who tried to stab him was hindered from doing so by a sudden stroke of paralysis,his hand being with ered; another attempt was made by fire; another time he was left to be eaten by a wolf; and again he was exposed to be trampled by oxen and by horses,but in every case he was miraculously rescued" [106]

ترجمہ: بچپن ہی میں زرتشت پر کئی بار قاتلانہ حملے کئے گئے۔ ایک شخص جو زرتشت کے قتل کے ارادے سے آیا حملہ کرنے سے قبل ہی اس کا ہاتھ مفلوج ہو

گیااور وہ اپنے عزم میں ناکام رہا۔ دوسرا جان لیوا حملہ آگ سے کیا گیااور تیسری بار بھیڑیوں کا چارہ بنا کر پیش کیا گیااوراسی طرح گھوڑوں اور بیلوں کے پیروں تلے کچلے جانے کے ارادے سے چھوڑ دیا گیالیکن ہر مرتبہ اسے معجزاتی طور پر بچا لیا گیا۔

ایران کے قدیم ادوار میں وہاں کے رہنے بسنے والوں پر پجاریوں اور پروہتوں کی ایک جماعت کا تسلط قائم تھا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ "زرتشت کا خاندانی تعلق جادوگروں اور پروہتوں کی جماعت کے ساتھ تھا۔ زرتشت نے اپنے زمانہ کے مشہور استاد حکیم بزاکرزا سے تعلیم حاصل کی دس سال کے قلیل عرصے میں متعدد علومِ مذہب، زراعت، گلہ بانی اور جراحی کے ماہر ہو گئے۔"[107]

چونکہ اس وقت وہاں کسب معاش کے لیے یہی پیشے مثلاً زراعت اور گلہ بانی وغیرہ رائج تھے، اس لیے زرتشت نے بھی انہی پیشوں کو ذریعہ معاش کے طور پر اپنایااور تمام عمر کھیتی باڑی میں مشغول رہے لیکن آپ نے تمام امور میں خدمت خلق کو ترجیح دی تو "مصیبت زدہ اور مفلوک الحال لوگوں کی خدمت ان کا محبوب مشغلہ تھا۔ ان کے والدین کی یہ خواہش تھی کہ ان کا لڑکا آبائی پیشہ اختیار کرلے لیکن زرتشت کا دل اس طرف مائل ہی نہیں ہوتا تھا ان کے سامنے ایک بلند نصب العین تھا۔ اس جوانی کے زمانہ میں ہی اپنے مذہب سے غیر مطمئن تھا۔ وہ جان ودل سے حقیقت کی طرف راغب ہوا بیس سال کی عمر میں گھربار کو خیرباد کہہ کر سیالان پہاڑ میں گوشہ نشینی اختیار کرلی"۔[108]

کیونکہ ایک بات انہیں بہت پریشان کرتی تھی کہ انسان آئے دن طرح طرح کی پریشانیاں اور مصیبتیں جھیلتا ہے آخر ان پریشانیوں کی آمد کہاں سے ہوتی ہے؟ اس مسئلے کو حل کرنے کے لیے انہوں نے خلوت نشینی اختیار کرلی اور برسوں حقیقت کی تلاش و جستجو میں لگے رہے۔

حقیقت کی تلاش میں ان کی جستجو کا اندازہ ان کے اس کلام سے ہوتا ہے جو مذہب زرتشت کی کتب میں محفوظ ہے:

> "This I ask thee,tell me truly,O Lord:who was the first generator and father of Asha (law)? Who determined the path of the sun and stars? Who (has ordained) that the moon shall wax and wane? All this, O wise one, and yet more ,I wish to know.

This I ask thee; tell me truly ,O lord; who upheld the earth beneath and the heavens (above) from falling? Who (created) water and plants? Who yoked the two horses to the wind and clouds?

Who ,O wise one is the creator of vohu Mana (good mind)?

This I ask thee ,tell me truly ,O Lord who created light and darkness? Who made sleep and waking? Who (created) morning ,noon and night that remind a man of his duty?" [109]

ترجمہ: خداوند! میرا تجھ سے یہ سوال ہے مجھے سچ سچ بتادے وہ ذات قدیم کون ہے جو پیدائش کے ذریعہ حقیقت کی خالق ہے؟ وہ کون ہے جس نے سورج اور ستاروں کے راستے مقرر کیے ہیں؟ تیرے سوا وہ کون ہو سکتا ہے جو چاند کو گھٹانے اور بڑھانے کا ذمہ دار ہے؟ یہ مجھے معلوم کرنا ہے اور اس کے علاوہ اور بہت سی باتیں بھی۔

خداوند! میرا تجھ سے یہ سوال ہے۔ مجھے سچ سچ بتادے کس نے زمین کو نیچے بچھادیا ہے اور آسمان کو اوپر (معلق) کیا ہے کہ وہ نیچے گرتا ہی نہیں اور کس نے پانی کے (ذخائر) اور نباتات کو موزوں کیا ہے کس نے ہوا اور بادلوں کو صبار فتار گھوڑوں پر سوار کر دیا ہے اور کون، اے حکیم مطلق! نیک خیال کا خالق ہے۔

خداوند! میرا تجھ سے سوال ہے مجھے سچ سچ بتادے کون صناع اعظم ہے جس نے تاریکی اور نور کو بنایا ہے اور جاگنا اور سونا کس صانع کی تخلیق ہیں؟ اور کس نے صبح، دوپہر اور شام بنائی ہے کہ عقلمند آدمی اپنے کام کا دھیان رکھے"۔ [110]

زرتشت عرصہ دراز تک حقیقت کی تلاش میں جنگلات میں رہے اور "تقریباً 30 سال کی عمر میں زرتشت کو خدائے واحد اہورامزد کا مکاشفہ حاصل ہوا۔ دنیا کے مذہبی رہنماؤں میں یہ زرتشت کی خصوصیت ہے کہ وہ اپنے کلام

میں بار بار خدائے واحد کے ساتھ اپنے روبرو مکاشفہ اور مکالمہ کا ذکر کرتے ہیں۔ گاتھاؤں میں زرتشت کے کلام کا کثیر حصہ خدائے واحد اہورامزد کے ساتھ ان کے سوال وجواب پر منحصر ہے"۔[111]

اس سلسلے میں رشید احمد لکھتے ہیں:

"انہوں نے برسوں اس کا حل تلاش کرنے میں غور وخوض کیا لیکن کامیاب نہ ہوسکے۔ آخر کار وہ مایوس ہو کر پہاڑ چھوڑنے پر مجبور ہو گئے اس وقت سورج غروب ہو رہا تھا اور تاریکی چاروں طرف پھیلنا شروع ہو گئی تھی یہ سماں دیکھ کر زرتشت اچھل پڑے۔ انہیں اپنے سوال کا جواب مل گیا تھا وہ نتیجہ پر پہنچے کہ جس طرح دن روشنی اور اندھیرے میں بٹا ہوا ہے اس طرح دنیا بھی نیک اور بد میں منقسم ہے"۔[112]

جس طرح دن اور رات میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں ہو سکتی اسی طرح نیکی بدی سے اور بدی نیکی سے بدل نہیں سکتی۔ دونوں اپنی حقیقت میں نیکی، نیکی اور بدی، بدی ہی رہتی ہے۔

"زرتشت نے مزید یہ نتیجہ اخذ کیا کہ پروہت وکاہن جو اس بات کے مدعی ہیں کہ ان کے سحر وفسوں اور دعاؤں کے اثر سے خدائے خیر دشمنوں کو نقصان پہنچا سکتا ہے یا خدائے شر ان کو فائدہ یا آرام دے سکتا ہے سراسر غلط ہے کیونکہ خدائے خیر سے بدی اور خدائے شر سے نیکی کے صادر ہونے کا تصور ہی ناممکن ہے۔

زرتشت نے اپنے تجربے سے یہ بھی معلوم کر لیا کہ جس طرح اندھیرا اور روشنی دو الگ الگ چیزیں ہیں اسی طرح خدا بھی بجائے ایک کے دو ہیں ایک خدا تو سراپا نیکی اور خیر ہے جسے وہ اہوراماژدا کا نام دیتے ہیں اور دوسرا خدا بدی اور شر کا ہے جسے وہ اینگرامینوں کہتے ہیں۔"[113]

زرتشت ثنویت یعنی دو خداؤں کے قائل تھے یا نہیں اس سلسلے میں ڈاکٹر رضی احمد لکھتے ہیں:

"اس بارے میں اختلاف ہے کہ رزتشت مجوسی تھے۔ یونانیوں نے زرتشت کو مجوسی قرار دیا ہے ان کا عقیدہ تھا کہ خالق دو ہیں ایک یزدان یعنی خالق خیر اور دوسرا اہرمن یعنی خالق شر لیکن زرتشت وحدانیت کے قائل تھے اور یہ پہلے مصلح تھے جنہوں نے وحدانیت کو سحر اور نجوم سے پاک کر کے خالص اور بے آمیز شکل میں پیش کیا۔"[114]

حقیقت اعلیٰ کو پالینے کے بعد زرتشت نے اپنے خیالات کی اشاعت و تبلیغ میں بھرپور محنت کی اور سر دھڑ کی بازی لگادی۔

اشاعت و تبلیغ:

زرتشت نے جب حقیقت اعلیٰ کو پالیا تو پھر اس کی اشاعت کے لیے کوششیں شروع کر دیں۔ اس وقت جب

ایران میں ہر جگہ درختوں اور دیوتاؤں کی پوجا کی جارہی تھی، اصنام پرستی اور مظاہر پرستی عام تھی، چونکہ اہل ایران کا ذریعہ معاش زراعت تھا اس لیے ہر اس چیز کی پرستش کی جارہی تھی جو زراعت کے لیے مفید تھی۔ اس وقت خدائے واحد (اہورامزدا) کی عبادت کی تعلیم دینا اور لوگوں کو مائل کرنا بہت مشکل تھا۔ دس سال لگاتار کوشش کرنے کے بعد مایوسی کی کیفیت میں انہوں نے خدائے واحد (اہورامزدا) سے کچھ یوں التجا کی:

"To what land shall I turn,whither shall I go, Forsaken by kinsmen and nobles, am I neither do my people like me,nor do the wicked rulers of the land. How then shall I please thee Mazda Ahura? This I know, Mazda, wherefore I face, few are my flocks and few my followers. In grief I cry to thee, Ahura behold it. Help me even as friend unto friend, show me through righteousness the riches of the Good Mind." [115]

ترجمہ: میں اس زمین کے کس خطے کی طرف رخ کروں کہاں جاؤں، واسطہ ہے نیکوکاروں اور عزت داروں کا، کیا میں بنا نہیں سکتا اپنے لوگوں کو اور نہ ہی فاسد حکمرانوں کو اپنے جیسا، پھر میں کیسے خوش رہوں، اہورامزدا؟ جبکہ میں جانتا ہوں مزدا میں جہاں بھی جاؤں گا اپنوں کو ہی پاؤں گا جن کے رنج و غم میں رو رہا ہوں، اے اہورامزدا! اے جاننے والے میری مدد کر جیسا کہ ایک دوست، دوست کی مدد کرتا ہے، مجھے سیدھا راستہ دکھا۔ اے بہترین کارساز، راہ نما۔

مسلسل کوشش اور جدوجہد کے بعد:

"In the course of his wandering the first man the converted was his own cousin “Metyomah”" [116]

ترجمہ: مسلسل جدوجہد کے بعد وہ پہلا شخص جو اس کے نظریات کا قائل ہوا وہ اس کا اپنا رشتہ دار (خالہ یا چچازاد) "میتھیومہ" تھا۔

جب 10 سال تک زرتشت کی دعوت پر صرف ایک آدمی نے لبیک کہا اور وہ عوام سے مایوس ہوئے تو

انہوں نے اشاعت مذہب کے لیے بلخ کا رخ کیا۔اس سلسلے میں پروفیسر ولیم جیکسن لکھتے ہیں:

"زرتشت کو اشاعت مذہب کے لیے وطن کی سرزمین راس نہ آئی تو اس نے بلخ کا رخ کیا اور وہاں کے بادشاہ گشتاسپ کے دربار میں رسائی پائی۔اس نے بادشاہ کو اپنا دین قبول کرنے کی دعوت دی بادشاہ نے اس کے عقائد معلوم کیے اور دربار کے مذہبی پیشواؤں کے ساتھ مناظرہ کرایا۔پیشواؤں نے چاہا کہ جادو کے زور سے اس پر غالب آئیں لیکن وہ ان سب پر غالب آیا۔اس پر گشتاسپ اس کی ملکہ اور شہزادوں نے زرتشتی مذہب قبول کر لیا اور اسے اہورامزدا کا بھیجا ہوا پیغمبر سمجھ کر اپنے محل خاص میں جگہ دی۔بادشاہ وقت کا مذہب قبول کرنا تھا کہ اس مذہب کا چرچا دور دور ہونے لگا اور لوگ نئے مذہب کے حلقہ بگوش ہونے لگے۔اس مذہب کی رو سے اہورامزدا کا مظہر آگ کو سمجھا جاتا تھا اس لیے جگہ جگہ آتش کدے بننے لگے آتش کدوں کے لیے آتھروان (محافظان آتش) مقرر کیے گئے جو اس مذہب کی اشاعت بھی کرتے تھے۔"[117]

چنانچہ زرتشت نے بلخ میں اپنا مرکز قائم کیا اور اپنی حیات کے بقیہ 37 سال اپنے مذہب کو پھیلانے میں مصروف رہے۔مخالفین کی موجودگی کے باوجود ایک طویل جدوجہد کے بعد زرتشت اپنے مشن میں کامیاب ہو گئے اور "ایران کے ایک بڑے حصے اور خاص طور سے مشرق ایران میں ان کے مذہب کے ماننے والوں کی ایک بڑی جماعت پیدا ہو گئی۔"[118]

جب زرتشت کا مذہب اپنے عروج پر پہنچ چکا اور سرزمین ایران کا مقبول ترین مذہب بن گیا تو وہ اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔"Dosabhai Framji Karaka" نے زرتشت کی وفات کا واقعہ کچھ یوں بیان کیا ہے:

> "Of the latter days of Zoroaster's life we know nothing from the avesta but the later Pehlevi and Persian books assert, in reference to his death,that one morning when engaged in prayer he was killed by a sharp instrument thrown at him by turbulator,a general of king Arjasp, who hated the new mono – theistic religion. Zoroaster is then stated to home flung at turbulator his rosary, which killed him on the spot".[119]

ترجمہ: بعد ازاں اس کی زندگی کے ایام کے احوال اوستا میں نہیں ملتے لیکن

پہلوی اور فارسی کتب میں اس کی وفات کاواقعہ درج ہے کہ ایک صبح جب وہ عبادت میں مشغول تھے تو اسے تورانی بادشاہ ارجاسپ جو کہ خدائے واحد پر یقین رکھنے والوں سے نفرت کرتا تھا اس کے سپاہی نے تیز دھار خنجر کے وار سے قتل کر دیا۔ دنیا سے رخصت ہونے کے بعد زرتشت کو تورانی کے طور پر پیش کیا گیا۔

تاریخِ وفات:

جس طرح تاریخِ ولادت کا تعین کیا گیا اس حساب سے امریکی مستشرق ولیم جیکسن اور ایرانی محقق محمد معین کے مطابق زرتشت:

"583ق۔م میں فوت ہوا۔"[120]

"Dastor Dr M.N Dhalla" کے مطابق:

"He received his martyrdom on by the sword of the Turanian[121]"

ترجمہ: زرتشت کو ایک تورانی سپاہی نے پیٹھ میں خنجر مار کر شہید کر دیا۔

زرتشت کے قتل کے حوالے سے مؤخر الذکر روایت ہی ملتی ہے۔ لیکن تورانی سپاہی نے کہاں قتل کیا؟ توران میں یا بلخ میں جہاں وہ زندگی گزار رہے تھے۔ اس کے بارے میں تاریخ خاموش ہے۔

2۔ زرتشت مذہب کی بنیادی تعلیمات

زرتشت اور تصور خدا/وحدانیت یا ثنویت (MONOTHESIM OR DUALISM):

زرتشت نے خدائے واحد (اہورامزدا) کی تعلیم دی یا دو متضاد قوتوں (اہورامزدا اور اینگرامینو) کا تصور پیش کیا؟ اس سلسلے میں محققین کی مختلف آراء پائی جاتی ہیں۔

"DR.HANG" اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں:

"The leading idea of his (Zoroaster's) theology was monotheism i.e. there are not many gods but only one (b) and the principle of his speculative philosophy was dualism,

i.e. The supposition of two primeval causes of the real world and of the intellectual, (c) while his moral philosophy was moving in the triad of thought word and deed".[122]

ترجمہ: زرتشت مذہب کا بنیادی نظریہ ایک خدا(خدائے واحد) کو ماننا تھا (الف) جیسا کہ خدائے واحد کے علاوہ اور کوئی خدا نہیں (ب) اوراس کا بنیادی فلسفہ دو متضاد قوتوں کا تصور تھا مثلاً حقیقی و تصوراتی دنیا کا قیاس (فلسفہ)(ج) جبکہ اس نظریے کو اس نے اپنی فکر، الفاظ اور عمل سے پھیلایا۔

اسی طرح "Dosabhai Framji Karaka" اپنی کتاب میں لکھتے ہیں:

"Zoroastrianism does not require any image of God to be made for the purpose of worship,as to him is attributed no form ,shape or colour. He is an immense light from which all glory, bounty, and goodness flow. He is represented as the mighest the most just and the most benevolent, his mercies are as boundless as his being. The adoration or worship of any other object is blasphemous".[123]

ترجمہ: زرتشت مذہب کو عبادت الہی کے لیے خدا کی کسی مجسم تصویر یا خاکے کی ضرورت نہیں۔ ان کے نزدیک خدا کی صفات نہ ہی جہت سے ظاہر ہوتی ہیں اور نہ ہی رنگوں سے، وہ تمام تر بزرگی فیاضی ومہربانیوں کا سرچشمہ ہے۔ وہی سب سے زیادہ خیر خواہ، سچا، عادل اور سب سے زیادہ طاقتور ہے۔ اس کی مہربانیاں اس کے وجود کی طرح لامحدود ہیں۔ اس کے علاوہ کسی کی پرستش کفر ہے۔

عقیدہ ثنویت کے بارے میں مزید لکھتے ہیں کہ:

"According to the parsi scriptures, there are two causes or principles or spirits (mainyush) working in the universe of God. These are the

spento mainyush (the increasing or creative spirit) and the angro mainyush (the decreasing or destructive spirit) God (Mazda). Through the agency and interaction of these two spirits, is the causer of all causes in the universe. He is the creator as well as the destroyer of all things. These two causes have been working under one almighty, day and night and have been creating and destroying ever since the universe began. Some writers have not clearly understood this philosophical point and have therefore said that Zoroaster preached dualism".[124]

ترجمہ: پارسی صحیفوں کے مطابق دوطرح کے نفوس خدا کی کائنات کانظام چلا رہے ہیں ایک نفس اسپنٹو مینو تخلیق کرنے کے کام کر رہا ہے جبکہ دوسرا نفس اینگرامینو تباہ کرنے کے۔کائنات میں تمام تر موجودات کی بنا ان ارواح (نفوس) کا آپس میں تعلق اور ایک دوسرے پر اثرانداز ہونا ہے۔اسی وجہ سے وہی خدا (اہورا) سب کا خالق بھی ہے اور وہی سب ختم کرنے والا ہے اور یہ دوطاقتیں دن رات اسی خدائے یکتا کے زیر سایہ کام کر رہی ہیں جب سے کائنات وجود میں آئی ہے کچھ مصنفین اس فلسفے کو ابھی تک سمجھ نہیں سکے اور صرف اتناہی کہتے ہیں کہ زرتشت نے ثنویت کا پرچار کیا۔

مندرجہ بالا اقتباسات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ نمایاں اور مرکزی حیثیت صرف خدائے واحد (اہورامزدا) کو حاصل ہے۔باقی تمام قوتیں اسی کے ماتحت کام کر رہی ہیں ۔اس کے ساتھ ساتھ خدائے واحد کے علاوہ کسی کی عبادت کرنا ایک گستاخانہ اور مشرکانہ فعل ہے۔لیکن اگر ہم درج ذیل اقتباس کا مطالعہ کریں جو "گاتھا" سے لیا گیا ہے تو معاملہ اس کے برعکس نظر آتا ہے۔

"We worship the wealth keeping (and) glorious (creator) Hormazd. We worship the Amesha spentas (i.e), bountiful immortals

(who are) good rulers and possessing good sense. We praise the bountiful Gathas (which are) the Lords of truth (and) holy, we praise the holy ahunavad Gatha (which is) The Lord of righteousness,We praise the holy Spetomad Gatha (which is) the lord of righteousness, We praise the holy Vohukashathra Gatha (which is) the Lord of righteousness, We Praise the Holy We Vahishtoisht Gatha (which is) the Lord of righteousness, We worship the excellent heroic and bountiful fravashis of the righteousness (people) ahunavar protects the body".[125]

ترجمہ: ہم ایک صاحب حیثیت اور شاندار خدا کی عبادت کرتے ہیں، ہم اس کی عبادت کرتے ہیں جو سخی کریم، زندہ وجاوید اور بہترین حاکم ہے اور بہترین احساس کرنے والا ہے۔ ہم پرستش کرتے ہیں گاتھا کی جو کہ پاکی وسچائی کے خدا ہیں، ہم پوجتے ہیں اہونا گاتھا کو جو کہ صالحین کا خدا ہے اور سچائی کا بھی، ہم اس اہونودھ گاتھا کو پوجتے ہیں جو متقیوں کا خدا ہے، ہم متقیوں کے خدا اسپیٹومڈ گاتھا کو پوجتے ہیں، ہم متقیوں کے خدا کستاتھرا گاتھا کی پوجا کرتے ہیں، ہم وہشیتوشت گاتھا کو پوجتے ہیں جو صالحین کا خدا ہے، ہم بہترین متقی وصالح فراواشش کی پوجا کرتے ہیں۔

اسی طرح کے کچھ اقتباسات "Rev.H.McNeile" نے اپنی کتاب "Zoroastrianism" میں نقل کیے ہیں جن سے زرتشت مذھب میں "Monotheism" کا عنصر دھندلا نظر آتا ہے ان میں سے ایک درج ذیل ہے:

"For the offering,praise and adoration, namely of Ahura Mazda, of the Amesha spentas, of the great lord of purity. For the offering, praise, satisfaction and adoration of the highest Lord Ashi swift to help, of the

prayer of the right time, to all the pure world for offering praise and adoration. We begin praise and adoration of those who are good, water, trees and Fravashis of the pure. We begin praise and adoration of the bull we begin thy praise thy adoration, O Ahura Mazda. We begin the praise, thy adoration, O Zarathustra, we begin your offering, your praise, o Amesha Spentas".[126]

ترجمہ: چڑھاوے چڑھائے جاتے ہیں، تعریف کی جاتی ہے اور پرستش کی جاتی ہے اہورامزدا کے نام کی، امیشا اسپینٹا کی جو پاکیزگی کا خدا ہے۔ چڑھاوے، تعریفیں، تقویت اور پرستش سب سے بڑے خدا کی، کی جاتی ہے تا کہ مدد ملے، اسی لیے عبادت بھی صحیح وقت پر ہوتی ہے، تمام اچھی دنیا کے لیے چڑھاوے، تعریفیں اور پرستش ہے۔ ہم تعریف کرتے ہیں اور نذران کی جو اچھے آب و درخت ہیں درخت اور فراواشش کی جو مخلص ہیں، ہم تعریف و توصیف کرتے ہیں بچھڑے کی، ہم اہورا امزدا کی پرستش کرتے ہیں ہم تیری پرستش کرتے ہیں اے زرتشت۔ اے امیشا، ہم تیری عبادت کرتے ہیں۔

تمام اقتباسات کو نقل کرنے کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچتے ہیں:

"When modern parsees claim that their religion is monotheistic they are perhaps right,but if so, they have derived it from some other source than their sacred books;for certainly the above passages do not assert monotheism and those are many others of similar import".[127]

ترجمہ: موجودہ دور کے پارسی دعوی کرتے ہیں کہ ان کا مذھب یکتا پرست ہے یا وہ مذھبی طور پر یکتا پرست ہیں۔ وہ صحیح بھی ہوسکتے ہیں لیکن اگر ایسا ہے تو یہ انہوں نے اپنے صحیفوں کے علاوہ کہیں اور سے حاصل کیے ہیں۔ بلاشبہ مندرجہ

بالا اقتباس میں یکتا پرستی کے کوئی شواہد نہیں ہیں۔

عقیدہ ثنویت کے بارے میں ایک مصنف لکھتے ہیں کہ:

"زرتشت کے تجربے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح نور و ظلمات دونوں الگ الگ چیزیں ہیں اسی طرح خدائے خیر اور خدائے شر دو الگ الگ ذاتیں ہیں خدائے خیر سراپا خیر ہے جسے اہورامزدا کہتے ہیں اور خدائے شر سر تاپا شر ہی شر ہے جسے " اینگرامینو" کہاجاتا ہے ان دو عظیم طاقتوں کے باوجود زرتشت نے اپنی تعلیم کو توحید اور وحدانیت کی تعلیم قرار دیا اور اپنے زمانے کے لوگوں کو صرف ایک خدائے واحد کی طرف بلایا۔"[128]

تحقیق کار کی رائے:

مندرجہ بالا اقتباسات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ زرتشت نے لوگوں کو اصنام پرستی اور مظاہر پرستی سے نکال کر خدائے واحد یعنی اہورامزدا کی طرف بلایا اور صرف اس عظیم طاقت کی عبادت کرنے کی تلقین کی۔ زرتشت نے دو متضاد قوتوں کا تصور ضرور پیش کیا لیکن عبادت صرف ایک خدا یعنی اہورامزدا کے لیے مختص کر دی۔ زرتشتی مذہبی کُتب چونکہ زرتشت کی وفات کے کئی سو سال بعد لکھی گئیں۔لہذا ان میں زرتشت کی تعلیمات میں تحریف و ترمیم کر دی گئی جس کی وجہ سے زرتشت مذہب کی بنیادی کتب میں یکتا پرستی کا عنصر دھندلا نظر آتا ہے اور شرک کا عنصر نمایاں نظر آتا ہے۔یہاں تک کہ زرتشتی مذہب کی بنیادی کتب میں کئی مقامات پر "آگ" کو اہورامزدا کا بیٹا قرار دیا گیا ہے۔

حیات بعد الممات(Life After Death):

زرتشت کی تعلیمات کا ایک اہم پہلو یہ بھی ہے کہ مرنے کے بعد انسان کی زندگی ختم نہیں ہو جاتی بلکہ اس دنیاوی زندگی کے بعد ایک اور زندگی بھی ہے جہاں انسان کی روح کو اپنے کیے ہوئے تمام اعمال کا حساب دینا ہے۔اس سلسلے میں زرتشت مذہب کی بنیادی کتاب "گاتھا" میں واضح تعلیمات ملتی ہیں:

> "O Omniscient Lord! I would reach near Thee through the Good Mind.
>
> Do thou grant me benefits of both the worlds, of this the corporeal and (the other) the spiritual, (which many accrue) through truth, joy-giving and happiness".[129]

ترجمہ: اے باخبر رہنے والے خدا! میری رسائی تجھ تک ہے صرف اچھے لوگوں کے ذریعے مجھے دوعالم کے فوائد سے آراستہ فرما، جسمانی بھی اور روحانی بھی۔ سچائی اور مسرت کے ذریعے۔

زرتشتی تعلیمات کے مطابق اس جہان کو "Artvatascha" اور اگلے جہان کو "Manangho" کہا جاتا ہے۔

اس سلسلے میں ایک پارسی محقق لکھتے ہیں کہ:

"The soul cannot work unless invested with a bodily vehicle. Body and soul are the two main constituents in the formation of man. These two have their respective organs and other spiritual and material essentials. Man should therefore bethink himself to prepare for the journey to the next world".[130]

ترجمہ: کوئی روح کام نہیں کر سکتی جب تک وہ کسی جسم میں سرائیت نہ کر لے۔ انسانی تکمیل کے دو اجزاء ہیں روح اور جسم (مادی)۔ ان کے اپنے الگ (مخصوص) اعضاء ہیں اور روحانی قوتیں بھی۔ انسان کو دوسرے جہان میں منتقلی کی تیاری کے لیے اپنی ذات میں غور و فکر کرنی چاہیئے۔

اسی لیے زرتشت مذہب میں میزانِ عدل اور جنت دوزخ کا تصور بھی پیش کیا گیا ہے۔

میزانِ عدل (The Bridge Of Judgment Or Chinvat):

تعلیماتِ زرتشت کا ایک اور اہم پہلو جس نے دوسرے مذاہب کو بھی متاثر کیا ہے وہ یہ ہے کہ اس دنیا سے چلے جانے کے بعد انسان کی زندگی ختم نہیں ہو جاتی بلکہ اس کی روح کو ایک پل سے گزارا جاتا ہے۔ نیک انسان کی روح بغیر کسی دشواری کے اس پل سے باآسانی گزر جاتی ہے اور جنت میں اپنا ٹھکانہ بنا لیتی ہے جبکہ برے انسان کی روح کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور وہ پل سے گر کر جہنم میں اپنا ٹھکانہ بنا لیتی ہے۔ اس پل کو مذہبی کتاب ''گاتھا'' میں "Chinvat" کہا گیا ہے جس کا تذکرہ درج ذیل اقتباس میں ملتا ہے:

"Whoso, O Ahura Mazda! man and woman may give me the best (gift) of (this) life which thou,indeed,hast known (and) whoso may rule over righteousness for the sake of righteousness and many exercise (his) sovereignty through good mind, I will point out the path to them towards they worship (or praise), O Ahura Mazda! (and) I will make them all cross the Chinvat Bridge". (H$\bar{a}$ 46.10)[131]

ترجمہ: کون ہے؟ اے اہورامزدا! انسان (آدمی یا عورت) شاید اس زندگی کا بہترین تحفہ دے سکیں مگر تم بے شک سب جاننے والے ہو۔ کون ہے جو کہ تقوی اختیار کرے اور صالحین کے لیے آزاد ہو کر بھی مشقت کرے اچھے ذہن کے ساتھ۔ میں انہیں راستہ دکھاؤں گا عبادت وریاضت کا۔ اے اہورامزدا! میں انہیں اس قابل کروں گا کہ گزر سکیں پل صراط سے۔

چنانچہ جن لوگوں نے زرتشت کی تعلیمات کی پیروی کی ان کی روحیں اس پل سے بآسانی گزر جائیں گی جبکہ برے انسان کی روح جس نے برے اعمال کیے اسے اذیتوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اس کا تذکرہ "گاتھا" میں یوں کیا گیا ہے:

"The Karapans and the Kavis intend to destroy life of humanity by means of wicked deeds and power whom (fog doing thus) their own souls and their own conscience hardened (or incited). They (Karapans and Kavis) go there where the Chinvat Bridge (is) but their dwelling (is) forever in the abode of the Druj (i-e in hell)". (H$\bar{a}$ 46.10)[132]

ترجمہ: کراپانز اور کاویز" انسانیت کو ختم کرنے کے درپے ہیں۔ اپنی بداعمالیوں اور بری طاقتوں کے ذریعے۔ ان کی اپنی روح اور دل سخت ہو چکے ہیں وہ پل صراط

پر جائیں گے تو لیکن ان کا ٹھکانہ جہنم ہو گا۔

چنانچہ زرتشت مذہب کی روسے ہر انسان کو اس پل سے گزرنا ہے جس کے بعد اس کے لیے جنت یا دوزخ کا تعین کیا جائے گا۔

جنت اور دوزخ(Heaven And Hell):

زرتشت مذہب کے ہاں جنت اور دوزخ کا تصور پایا جاتا ہے۔نیک اعمال والے انسان جنہوں نے اس دنیا میں زرتشت مذہب کی پیروی کی ہو گی، گاتھا کی تلاوت کی ہو گی وہ لوگ جنت میں جائیں گے جبکہ اعمال بد کرنے والوں کا ٹھکانہ جہنم ہو گا۔زرتشت مذہب میں جنت اور دوزخ کے لیے مختلف ناموں کا تعین کیا گیا ہے۔

"Maneckji Nusser"اس کے متعلق لکھتے ہیں:

"The place reserved for the pious souls that approach heaven is called garo demana "Abode of Song". Ahura Mazda first entered this home of the blessed ones and Zarathustra has promised that the faithful of all times will win admission to it through thinking good thoughts and practising righteousness".[133]

ترجمہ: خداپرستوں کے لیے جنت میں ایک جگہ مخصوص ہو گی،"گاروڈیمانا" اس بابرکت محل میں سب سے پہلے اہورامزدا داخل ہونگے اور یہ وعدہ ہے زرتشت کا کہ یقین رکھنے والے اپنے اچھے خیالات اور تقوی کی وجہ سے اس محل میں داخل ہونگے۔

"In contradistinction to the best Existence the abode of sinners after death is achista ahu, "Worst Existence". The region of hell is called drujo demana, ‘Abode of Wickedness’ or achistahyā demāna manangho, ‘Abode of the Worst Mind’." [134]

ترجمہ: جس کے بارے میں اختلاف ہے وہ گناہ گاروں کے لیے بہترین قیام

"اچستا آہو" ہے مرنے کے بعد جو انتہائی بے کار (خوفناک) جگہ ہے۔ جہنم کا وہ طبقہ "دروجوڈیمانا" کہلاتا ہے۔بدکاروں کا مسکن یا"اچستہیاڈیمانامناگھو" جو کہ برے لوگوں کا مسکن ہے۔

زرتشتی تعلیمات کے مطابق جنت کا وجود ابدی ہے جبکہ دوزخ کا وجود عارضی ہے۔ جس طرح نیک اعمال کے حساب سے انسانوں کے مختلف درجات ہوتے ہیں اسی طرح جنت کے بھی مختلف درجات و مراتب ہیں۔لہذا جس نے جس قدر زرتشت مذہب کی پیروی کی ہو گی اسکی اگلی منزل کا تعین اسی حساب سے کیا جائے گا۔

زرتشت مذہب میں تدفین:

زرتشت مذہب میں عناصر اربعہ (آگ، مٹی، پانی اور ہوا) کا بے حد احترام کیا جاتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ اس مذہب کے پیروکار کوئی ایسا کام نہیں کرتے جس سے آلودگی پھیلنے کا خدشہ ہو۔اس لیے اس مذہب میں مردے کو نہ ہی آگ میں جلایا جاتا ہے اور نہ ہی مٹی میں دفن کیا جاتا ہے کیونکہ آگ ان کے مذہب میں بہت زیادہ مقدس سمجھی جاتی ہے اس لیے مردے کو آگ میں جلانے سے آگ کی تقدیس مجروح ہوتی ہے اور مردے کو زمین میں اس لیے دفن نہیں کیا جاتا کیونکہ اس سے مٹی کے ناپاک اور آلودہ ہو جانے کا اندیشہ ہوتا ہے اسی طرح مردے کو نہ ہی پانی میں بہایا جاتا ہے کیونکہ اس سے پانی میں نجاست پھیلنے کا خدشہ ہوتا ہے اس لیے زرتشت مذہب میں مردے کو آخری منزل تک پہنچانے کے لیے مختلف مراحل اختیار کیے گئے ہیں جن سے اشرف المخلوقات "انسان" کو گزارا جاتا ہے۔

> "The followers of the creed do not burn or bury their dead,or consign them to the water. They merely expose the dead, on the top of a high hill, to the heat of the sun there to be devoured by carnivorous birds".[135]

> ترجمہ: زرتشت مذہب کے ماننے والے اپنے مردوں کو نہ تو دفناتے ہیں، نہ ہی جلاتے ہیں اور نہ ہی سمندر کے سپرد کرتے ہیں۔ یہ انہیں کسی اونچی پہاڑی پر کھلا رکھ دیتے ہیں جہاں گوشت خور پرندے انہیں نوچ کر کھا جاتے ہیں۔

اس سلسلے میں "T.R.SETHNA" لکھتے ہیں کہ:

> "According to our religion soon after the soul has left the body,the body starts decaying and

except for a few people who have to carry the dead body no person is allowed to touch the body lest he be infected. The people who carry the dead body have to get a purifying bath after the dead has been laid to final rest, no part of the body of dead person is allowed to be kept as a memento".[136]

ترجمہ: ہمارے مذہب کے مطابق مرنے کے فوراًبعد ہی جسم خراب ہوناشروع ہو جاتاہے اور چندافراد کے علاوہ جو جسم کو اٹھاتے ہیں کوئی دوسرا شخص ہاتھ نہیں لگاسکتا،اس خدشے کے پیش نظر کہ کہیں اس کا جسم بھی خراب ہوناشروع نہ ہو جائے اور جو لوگ اس مردے کو چھوتے ہیں انہیں بھی مردے کو آخری آرام گاہ تک پہنچانے کے بعد پاکیزگی کے لیے غسل لیناہوتاہے اور مردے کا کوئی بھی عضو کسی کو یادگار کے طور پر اپنے پاس رکھنے کی اجازت نہیں ہے۔

خاموشی کے مینار "Dakhma" کی طرف منتقلی:

مردے کو آخری رسومات کے لیے خاموشی کے مینار "Tower of Silence" میں منتقل کیا جاتا ہے۔ رشتہ دار اور دوست وغیرہ اپنے عزیز پر آخری نگاہ ڈالتے ہیں لیکن اس کو چھو نہیں سکتے۔ مردے کو اٹھانے کے لیے کچھ لوگ مخصوص ہوتے ہیں جو اس عمل کو سرانجام دیتے ہیں۔ ہر انسان کو اجازت نہیں ہوتی کہ وہ مردے کو اٹھانے میں مدد کرے۔ اگر مردے کاوزن کم ہو تو دوافراد اور اگر بھاری ہو تو چارافراد جو کہ سفید لباس میں ملبوس ہوتے ہیں مردے کو اٹھاکر آخری آرامگاہ کی جانب منتقل کرتے ہیں۔ "R.P. MASANI" رقمطراز ہیں:

"The corpse-bearers place the bier by the side of the corpse. They then recite in a suppressed tow the following formula of grace and remain silent up to the time of the final disposal of the corpse in the tower of silenc[137]"-

ترجمہ: پھر لاش بردار تابوت کو مردے کے پہلو میں رکھ دیتے ہیں۔ پھر وہ مردے کے اگلے مراحل کے لئے مبارک کلمات آہستہ سے ادا کرتے ہیں اور پھر

مردے کو خاموشی کے ٹیلے پر پہنچانے کے وقت تک خاموش رہتے ہیں۔ لاش بردار مردے کو اٹھا کر دو مذہبی پیشواؤں کی سربراہی میں خاموشی کے مینار کی طرف روانہ ہو جاتے ہیں۔

لاش کے ضیاع کے لئے دن کی روشنی لازمی قرار:

زرتشتی مذہب میں مردے کی آخری رسومات کی ادائیگی کے لیے سورج کی روشنی لازم قرار دی گئی ہے۔اس حوالے سے "R.P. MASANI" لکھتے ہیں:

> "The corpse may be removed to the Tower at any time during the day but not at night, as the body must be exposed to the sun".[138]

> ترجمہ: لازم ہے کہ لاش کو دن کی روشنی میں ہی دخمہ منتقل کیا جائے۔رات میں لاش کی منتقلی ممنوع ہے کیونکہ لاش کے ضیاع کے لئے سورج کی روشنی ضروری ہے۔

چنانچہ رات کے اوقات میں مردے کو دخمہ "خاموشی کے مینار" کی طرف منتقل نہیں کیا جاتا، بلکہ مردے کی منتقلی دن کے اوقات میں کی جاتی ہے۔

خاموشی کا مینار TOWER OF SILENCE:

خاموشی کا مینار جس کو زرتشتی مذہبی کتب میں " DAKHMA" کہا گیا ہے۔اس کا تذکرہ ہمیں زرتشت مذہب کی بنیادی کتاب اوستا کے ایک وینددیداد "Vendidad" نامی حصے میں اہورامزدا اور زرتشت کے درمیان مکالمے کی صورت میں کچھ یوں ملتا ہے:

> "O Maker of the material world, thou Holy one! Whither shall we bring, where shall we lay the bodies of the dead, O Ahura Mazda? Ahura Mazda answered: On the highest summits where they know there are always corpse- eating dogs and corpse- eating birds, O Holy Zarathustra! There shall the worshipers of Mazda fasten the corpse by the

feet and by the hair, with brass, stones or lead, lest the corpse-eating dogs and corpse-eating birds shall go and carry the bones to the water and to the trees".[139]

ترجمہ: اے مادی دنیا کے بنانے والے، اے پاکیزہ خدا، ہم مردہ اجسام کو کہاں لے کر جائیں کہاں رکھیں اے اہورامزدا؟ اہورامزدا نے جواب دیا، سب سے اونچے ٹیلے پر جہاں ان کو معلوم ہو کہ مردار کھانے والے کتے اور پرندے پائے جاتے ہیں، اے پاک زراتشترا، جہاں مزدا کے عبادت گزار ہوں گے اور باندھ دیں گے۔ لاش کے پیر اور بال، تانبہ پتھر اور سیسہ کے ساتھ مضبوطی سے تاکہ ایسا نہ ہو کہ گوشت خور کتے اور گوشت خور پرندے میت کی ہڈیوں کو اپنے ساتھ پانی یا درختوں میں لے جائیں۔

زرتشت مذہب کے پیروکاروں میں آج بھی لاش (مردے) کو ضائع کرنے کے لئے یہی طریقہ رائج ہے۔ اس طریقہ کار سے وہ یہ سمجھتے ہیں کہ انہوں نے تمام عناصر کو ناپاکی و آلودگی سے پاک رکھا۔ مختلف مقامات پر زرتشی آبادی میں خاموشی کے مینار موجود ہوتے ہیں جہاں مردے کو پرندوں کی غذا بنایا جاتا ہے۔ اس کے نقشے کی پیمائش انسائیکلوپیڈیا آف ورلڈ ریلیجن میں کچھ اس طرح پیش کی گئی ہے:

"The traditional way of disposing of a corpse in India and Iran has been the dakhma, or Tower of Silence. This is a circular stone building, open at the top, usually set on a barren hill. The inside is arranged in three circles. The outer circle is for men, the middle for women, and the inner circle for children." [140]

ترجمہ: انڈیا اور ایران میں مردے کو فنا کرنے کا روایتی طریقہ دخمہ یا خاموشی کا مینار ہے۔ یہ ایک گول پتھریلی عمارت ہے جو اوپر سے کھلی ہوتی ہے۔ عمومی طور پر ویران چٹان پر واقع ہوتی ہے۔ اندرونی حصہ تین دائروں پر مشتمل ہوتا ہے، بیرونی دائرہ مردوں کے لئے درمیانی دائرہ خواتین کے لئے اور اندرونی دائرہ بچوں

کے لئے مختص ہوتا ہے۔

اس عمارت میں صرف لاش بردار داخل ہوسکتے ہیں۔داخلے سے قبل لاش کو باہر رکھا جاتا ہے تاکہ عزیز واقارب دوبارہ آخری دیدار کرسکیں۔

اشرف المخلوقات انسان کا گوشت خور پرندوں کی غذا بننے کا مرحلہ:

مینار کے اندر منتقلی سے قبل ایک بار پھر کتے کے ذریعے موت کی تصدیق کروائی جاتی ہے۔اس کے بعد مینار کا دروازہ کھول کر لاش کو مخصوص جگہ پر رکھ دیا جاتا ہے۔مردے کو بغیر ڈھانکے پرندوں کے لئے کشش کا سبب بنا کر اسے مینار کے اندر کھلے مقام پر چھوڑ دیا جاتا ہے جہاں پرندوں کی مسلسل آمد جاری رہتی ہے۔اس حوالے سے

"The Religion of the good life Zoroastrianism" کے مؤلف لکھتے ہیں:

"The body is exposed and left uncovered, so that the eye of the flesh-devouring birds may be drawn to it. The sooner it is eaten up, the fewer the chances of further decomposition, and the greater the safety of the living. The clothes removed from the corpse are thrown in a pit outside the tower where they are destroyed by the combined action of heat, air and rain, In Bombay they are destroyed with Sulphuric acid".[141]

ترجمہ: لاش کو بغیر ڈھانکے آدم خور پرندوں کے آگے پرکشش بنا کر پیش کیا جاتا ہے تاکہ وہ اس تک رسائی حاصل کرسکیں۔جتنا جلدی وہ کھالی جائے گی اتنا ہی اس کے سڑنے کے کم خدشات ہوتے ہیں اور یہی جانداروں کے لئے سود مند ہے۔مردہ کے کپڑوں کو اتار کر ان کو ٹیلے کے باہر مخصوص جگہ پر ڈال دیا جاتا ہے جہاں وہ ہوا، برسات اور دھوپ سے گل سڑ جاتے ہیں۔بمبئی میں ان کے کپڑوں کو گندھک کے تیزاب سے گلا دیا جاتا ہے۔

جب گوشت خور پرندے مردے کے گوشت کو کھالیتے ہیں تو ہڈیاں پانی میں بہادی جاتی ہیں۔

مذہبی کتب Religious Books:

"Mary Boyce" زرتشت مذہب کی بنیادی کتب کے حوالے سے رقمطراز ہیں:

"The Zoroastrian scriptures are known collectively as the 'Avesta' a little which probably means something like (authoritative utterance) and the language in which they are composed is called simply 'Avestan'." [142]

ترجمہ: زرتشتی صحیفے مجموعی طور پر "اوستا" کہلاتے ہیں جس سے مراد مستند قول ہے اور جس زبان میں مرتب کیے گئے ہیں وہ زبان "اوستن" کہلاتی ہے۔

اوستا کے پانچ جزو ہیں:

"The Avestan writings which have come down to us are only a fragment of the ancient literature much of which has perished. These consist of (a)the yasna, including the gathas, (b)visperad, (c)yashta, (d)vendidad. (a)yasna is derived from zaz= to praise, to invoke, or to worship.it is recited in its entirely in the yasna ceremony.

The whole books consists of seventy-two chapters. It may be divided into three parts: the Gathas, yasna of the seven chapters and the remaining parts of the yasna which forms a later part. The Gathas (vt.ge= to sing) are palms. There are five divisions consisting of 17 hymns. (b)visperad (Av. Vispe ratavo, all the lords) resembles the yasna in language,form and subject. (c)The Yashts (Av.yeshi worship by praise) form a poetical

collection of 21 hymns ,glorifying the angels and heroes of ancient Iran.

(d)the vendidad (vi-daeva-data the law against the demons) is a priestly code of laws, written in the form of a prose dialogue between Ahura-Mazda and Zarathustra, containing an account of the various kinds of purification, explanation and penalties". [143]

ترجمہ: اوستن خطاطی جو ہم تک پہنچی ہے وہ بہت قدیم ٹکڑے ہیں ان میں سے زیادہ تر ضائع ہوگئے ہیں۔یہ مشتمل ہیں، یسنابشمول گاتھا کے، وسپراڈ، یشت، وینڈیداد، یسنااخذ ہواہے"زاز" سے جس کے معنی ہیں حمد کرنا، ستائش کرنا، عبادت کرنااور یہ پڑھاجاتاہےیسنا کی تقریب میں۔

یہ مکمل کتاب 72اسباق پر مشتمل ہے اس کو تین حصوں میں تقسیم کیاجاسکتاہے:

ا۔ گاتھائیں:یسنا کے سات اسباق اور باقی یسنا کا حصہ جو بعد کے بقیہ حصوں پر ہے۔ گاتھا(سنگیت) بالشت برابرہیں ۔یہ پانچ حصوں پر تقسیم کیے گئےہیں جو کہ 17 حمدیہ(گیت)پر مشتمل ہیں۔

2۔وسپراڈ:یہ یسنا سے مماثلت رکھتاہے زبان، ہیت اور مضمون کے حوالے سے۔

3۔یشت:یہ ۲۱ گیتوں پر مشتمل شاعرانہ مجموعہ ہے۔جوبڑائی بیان کرتا ہے فرشتوں کی،قدیم ایرانی سورماؤں کی۔

4۔وینڈیداد:یہ پیشواؤں کا مرتب کردہ قانون ہےجوزرتشت اور اہورامزداکے درمیان سادہ مکالے کی شکل میں ہے جو مشتمل ہے تزکیہ،توبہ،صدقہ اور سزاؤں پر۔

زرتشت مذہب کاقدیم لٹریچر دوحصوں پر مشتمل ہے،ایک اوستا،جسکی تفصیل بیان کی گئی ہے دوسرا پہلوی لٹریچرپر مشتمل ہے۔

"Pahlavi (Parthian,i.e. belonging to heroic times) or middle Persian literature dates from the 3rd century A.D to the 9th century A.D". 144

ترجمہ: پہلوی (پارٹیان، یعنی بہادر زمانے سے تعلق رکھنے والا سامان) یادر میانی فارسی ادب تیسری صدی عیسوی سے نویں صدی عیسوی تک ہے۔

ان کتابوں کے زمانہ تدوین کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے چونکہ ان کتب کی تدوین زرتشت کی وفات کے کئی سو سال بعد ہوئی اس لیے یہ بات بھی یقینی طور پر نہیں کہی جاسکتی کہ زرتشت مذہب کی کتب بغیر کسی تحریف کے اپنی اصلی حالت میں ہی موجود ہیں یا نہیں۔

زرتشتی اخلاقیات(Zoroastrian Ethics):

مذہب اور اخلاق کا آپس میں بہت گہرا تعلق ہے۔ ہر مذہب کا مبلغ اپنے پیروکاروں کو اخلاقِ حسنہ کی تلقین کرتا ہے اور اخلاق رذیلہ سے بچنے کا حکم دیتا ہے۔ جس طرح تمام مذاہب نے اپنے پیروکاروں کو اخلاقیات کی طرف زیادہ متوجہ کیا ہے اسی طرح زرتشت مذہب میں بھی اخلاقیات کی اہمیت کو بیان کیا گیا ہے اور انہیں اپنانے کی تلقین کی گئی ہے۔ زرتشتی اخلاقیات میں افکار کی پاکیزگی اور سچائی کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔

افکار و خیالات کی پاکیزگی:

زرتشت نے افکار اور خیالات کی پاکیزگی پر بہت زور دیا ہے کیونکہ انسانی اعمال افکار کے ہی تابع ہوتے ہیں اگر انسان کے افکار میں پاکیزگی اور صفائی آجائے تو اعمال میں درستی خود بخود آجاتی ہے۔[145]

راستی:

زرتشت کی اخلاقی تعلیم میں راستی یعنی سچائی کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ ہیروڈوٹس کا بیان ہے کہ "بچوں کو نہایت کم سنی میں دو چیزیں سکھائی جاتی ہیں، اول سچ بولنا، دوم، تیر اندازی، جھوٹ بولنا بدترین گناہ تھا جو مقروض ہونے سے بھی زیادہ برا سمجھا جاتا تھا"۔[146]

مالی امداد:

زرتشت مذہب میں مالی امداد پر بہت زور دیا گیا ہے۔

"Charity is one of the cardinal virtues

enjoined upon the zarthoshti by his religion. He is taught that to love man is to love God. He who gives admonition to one for his good, gives offerings to his religious faith in the love of Ahura Mazda".[147]

ترجمہ: سخاوت وہ مخلصانہ وصف ہے جس کی زرتشت کو تاکید کی گئی ہے اس کے مذہب کی طرف سے اس کا ماننا ہے کہ انسان سے پیار کرنا، خدا سے پیار کے مترادف ہے، وہ کہ جس نے اچھائی کی طرف رغبت دلائی گویا اس نے اہورامزدا کی محبت میں اپنی مذہبی عبادت کی۔

اسی طرح محنت ومشقت کو بھی زرتشت مذہب میں اہمیت دی گئی ہے۔

"The avesta tells us that labour is divine Ahura-Mazda has blessed it and man Should honor it".[148]

ترجمہ: اوستا ہمیں بتاتی ہے کہ مزدوری (محنت) خدا کی عطا ہے۔ اہورا مزدا نے اس کو مبارک کیا ہے اور انسان کو اس کا احترام کرنا چاہیئے۔

"Zoroaster urged his followers to fight the battle of the Lord through:

Purity of thoughts, words and deeds

Cleanliness

Charity of heart

Kindness to useful animals

Doing profitable work and

Helping people, who can not afford it, to receive a good education.

They who follow these teachings can be said to be followers in the ways of the one wise Lord".[149]

ترجمہ: زرتشت تقاضا کرتا ہے اپنے پیروکاروں سے کہ وہ اپنے خدا کے لیے جنگ لڑیں اچھے خیالات، الفاظ اوراعمال کی پاکیزگی کے ساتھ فراغ دلی سے، مفید جانوروں کے ساتھ حسن سلوک سے، فائدہ مندامور کوانجام دیکر اورلوگوں کی مدد کرکے جو یہ سب چیزیں حاصل نہیں کرسکتے، ان کی مدد اچھی تعلیم کے حصول میں۔ جولوگ ان تعلیمات پر عملدرآمد کریں گے حقیقتاًوہی لوگ خدائے واحد کے سچے پیروکار کہلائیں گے۔

چنانچہ مندرجہ بالا تمام خصوصیات کواپناکرہی زرتشت مذہب کے پیروکاراہورامزدا کے حکم کے تابع ہوسکتے ہیں اوراس کی خوشنودی حاصل کرسکتے ہیں۔

پنج وقتہ عبادت(Prayers 5 times a day):

زرتشت مذہب میں عبادت کے پانچ اوقات مقرر کیے گئے ہیں جن کا تذکرہT.R.Sethnaکے الفاظ میں درج ذیل ہے:

1. "Havan Gah from sunrise to noon.
2. Rapithvan Gah from noon to 3p.m.
3. Ujiran Gah from 3 p.m. to sunset.
4. Aevishathrum Gah from sunset to midnight.
5. Ushhen Gah from midnight to sunrise.[150]"

ترجمہ:1۔ہاون گاہ کی عبادت(کاوقت)طلوع آفتاب سے زوال تک۔

2۔راپتھوان گاہ کی عبادت(کاوقت)زوال سے تین بجے تک۔

3۔اجیرن گاہ کی عبادت(کاوقت) تین بجے سے غروب آفتاب تک۔

4۔اویشاتھرمگاہ کی عبادت(کاوقت)غروب آفتاب سے آدھی رات تک۔

5۔اوشن گاہ کی عبادت(کاوقت) آدھی رات سے طلوع آفتاب تک۔

یعنی زرتشت مذہب کی پنج وقتہ عبادت کے اوقات مسلمانوں کے اوقاتِ عبادت سے کسی حد تک مماثلت

رکھتے ہیں۔

آگ(The Fire):

زرتشت مذہب میں آگ کو بنیادی حیثیت حاصل ہے لہذا پارسیوں کے ہاں آگ کا بہت احترام کیا جاتا ہے۔

زرتشت مذہب کے عبادت خانوں میں آگ روشن کی جاتی ہے کیونکہ آگ زرتشتیوں کے نزدیک اہورامزدا کی طاقت کا مظہر ہے اس لیے آگ کے بغیر ان کے ہاں عبادت کا تصور بھی ممکن نہیں۔

"وہ آگ کو روشن کرتے ہیں اور اسی کے ذریعے خدا کا تصور کرتے ہیں آگ کے سامنے بھجن پڑھے جاتے ہیں اور ان کے خیال میں ان سے خالق شر کی قوتوں کا زور ٹوٹتا ہے۔"[151]

زرتشت مذہب کی بنیادی کتب میں آگ کو اہورامزدا کا بیٹا قرار دیا گیا ہے۔

"Now,lo here is a man coming up from the depth of the vale to the top of the mountain; he comes to the tree where on the bird is sitting; from that tree he wants to take wood for the fire. He fells the trees he hews the tree, he splits it in to Logs and then he lights it in the fire, the son of Ahura Mazda. What is the penalty that he shall pay?

Ahura Mazda answered: there is no sin upon a man for any dead matter that has been brought by dogs, by birds, by wolves, by winds or by flies".[152]

ترجمہ: یہاں ایک بشر آتا ہے جو اپنے مکمل وصف کے ساتھ آتا ہے چٹانوں کی بلندیوں تک اور پھر اس درخت کی سمت آتا ہے جہاں پرندے بیٹھے ہیں اور اس درخت سے وہ لکڑیاں حاصل کرنا چاہتا ہے آگ روشن کرنے کے لیے، وہ درخت گراتا ہے اور اس کے ٹکڑے کر دیتا ہے اور پھر وہ اس میں آگ (جو اہورامزدا کا بیٹا ہے) لگا دیتا ہے، اس کے لیے اس بات پر کیا سزا (جرمانہ) ہے؟ اہورامزدا نے جواب دیا: کچھ گناہ نہیں اس آدمی کے کسی ایسے مردہ فعل پر جو کیا گیا ہو کتوں

کے ذریعے، پرندوں کے ذریعے، بھیڑیوں کے ذریعے، ہواؤں کے ذریعے یا
مکھیوں کے ذریعے۔

اسی طرح زرتشتی کتب میں کئی مقامات پر آگ کے لیے "Son Of Ahura Mazda" کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ پارسیوں کے ہاں چونکہ عناصر بہت اہمیت رکھتے ہیں اوران عناصر میں صرف آگ ہی وہ چیز ہے جسے وہ اپنی عبادت گاہوں میں لے جاسکتے ہیں۔ زرتشتی آگ سے یہ سبق حاصل کرتے ہیں کہ جس طرح آگ دوسروں کو فائدہ پہنچاتی ہے چاہے وہ خالق خیر کے تابع ہوں یا خالق شر کے، وہ سب کی یکساں خدمت کرتی ہے اسی طرح زرتشت مذہب کے پیروکاروں کو بھی سب کے لیے مفید اور کارآمد ہونا چاہیئے۔

زرتشت مذہب کی اشاعت اور تبدیلیاں:

شایان خورس اوردارا کے عہد میں زرتشت مذہب اپنے نقطہ عروج پر پہنچ چکا تھا۔ زرتشت کی وفات کے تقریباً ڈھائی سو سال بعد "331ق م میں سکندر اعظم نے ایران پر حملہ کیا۔ شراب کے نشہ میں دھت ہو کر مقدونی فاتح نے پریسپولس Persepolice کے عظیم کتب خانہ کو، جہاں زرتشتی عالم اور پروہت اپنی جانیں بچانے کے لیے پہاڑوں کی غاروں میں جاچھپے آخر کار جب زرتشتی مذہب کا احیاء ہوا تو پروہتوں کے حافظوں کی مدد سے کتب مدون کی گئیں لازمی طور پر ان مدونہ کتب میں تحریف ضرور ہوئی ہو گی۔

زرتشتی مذہب کا دوسرا سنہری دور تیسری صدی عیسویں میں ساسانی خاندان کے عروج کے ساتھ شروع ہوا۔ شاہ ارتبانس Artabnus اسی خاندان کا بانی مبانی تھا۔ زرتشتی کتب تالیف کروائی گئیں۔ پہلوی زبان میں تراجم ہوئے، یہی مذہب سرکاری مذہب قرار دیا گیا۔ اسلام تک ایران میں یہی مذہب رائج رہا۔

"آج ایران میں صرف 1000 زرتشتی آباد ہیں۔ ہندوستان میں انکی تعداد 90000 ہے یہ پیروان زرد تشت پارسی کہلاتے ہیں"۔[153]

زرتشت مذہب میں بھی دیگر مذاہب کی طرح وقت کے ساتھ ساتھ کچھ تبدیلیاں رونما ہوئیں اس سلسلے میں پروفیسر رشید احمد لکھتے ہیں کہ:

"اہورا کی چھ صفات تھیں جن کی آگے چل کر تجسیم کی جانے لگی ان کو مظاہر فطرت سے متعلق کر دیا گیا، گاتھا میں اس کا تذکرہ ملتا ہے کہ ہومینو سے جانوروں نے درخواست کی کہ انسانوں کو ان کی تکالیف سے مطلع کر دیں لیکن وہ آگے چل کر جانوروں کا محافظ دیوتا بن گیا۔ آشا جس کا تعلق گاتھاؤں کے مطابق آگ سے تھا اور جس سے آگ قوت حاصل کرتی تھی لیکن اب وہ آگ کا نگران اوراس کا خدا بن گیا۔ زرتشت کے غیر مادی خیالات کو نئے معنی

پہنائے گئے اوران کی بھی تجسیم کی جانے لگی۔ زرتشتی مذہب دیوتاؤں کے تصور سے بالکل پاک تھالیکن اب اس میں متعدد دیوتاؤں نے راہ پالی تھی۔ ان میں ایران کے قدیم دیوتا تھے۔ مثلاً میتھرو غیر کی کچھ غیر ملکی تھے جو ایران کے فاتحین کے ذریعہ یہاں پہنچے۔ مثلاً سائرس اوران کے جانشینوں کے باعث اناہیادیوی کوایرانیوں نے اپنالیااس کے حسن ولباس کاذکر بھجنوں میں کیاجانے لگاوہ زرخیزی اورپانی کی دیوی تھی۔ ''[154]

اس کے ساتھ ساتھ کئی اور تبدیلیاں بھی رونماہوئیں مثال کے طورپر آگ کو اہورامزدا کا بیٹا قرار دیا گیا، سورج کواہورامزدا کی آنکھ کہاجانے لگا، اسی طرح دوسرے مذاہب کے بھی زرتشت مذہب پر گہرے اثرات مرتب ہوئے۔

''زرتشت نے بہت سی چیزیں دیگر مذاہب سے لی تھیں، ارواح کانظام، نظریہ ثنویت، عقیدہ تخلیق عالم، آتش پرستی، قربانی کی چندرسمیں یہ اکادی مذہب کے عناصر ہیں۔ ''[155]

زرتشت نے جو بنیادی تعلیمات اپنے پیروکاروں کودیں اگرچہ ان میں دیگر مذاہب کی تعلیمات کا اثر نظر آتاہے ان کو زرتشت کی حیات میں ضبط تحریر میں نہ لایاجاسکالہذا یہ کہاجاسکتاہے کہ زرتشتی مذہب کی کتب میں بھی تحریف وترمیم ہوئی اوروہ اصلی حالت میں موجود نہیں ہیں۔ کیونکہ جو تعلیمات بانیٔ مذہب کی وفات کے بعد قوتِ حافظہ کے گمان پر احاطہ تحریر میں لائی جاتی ہیں ان میں تحریف و تبدل کا شک رہتاہے۔ مختصر یہ کہ پورے وثوق سے یہ بات نہیں کہی جاسکتی کہ یہ وہی تعلیمات ہیں جو زرتشت نے اپنے پیروکاروں کو دی تھیں یاتحریف شدہ ہیں۔

فصل سوم

دینِ اسلام کا تعارف و تجزیہ

حضرت محمد ﷺ کی آمد سے قبل یہ دنیا جہالت کے گھٹاٹوپ اندھیروں میں ڈوبی ہوئی تھی۔ مختلف انبیاء علیہم السلام نے جو توحید کا چراغ گاہے بگاہے ہر دور میں روشن کیا تھا وہ بجھ چکا تھا۔ ایران، روم، چین، ہندوستان، ترکستان، وغیرہ کہیں بھی صحیح عقیدہ موجود نہیں تھا بالخصوص خطہ عرب کے باسی ظلم و سفاکیت کی انتہاء پر تھے۔ ظہور اسلام سے قبل عرب کی حالت کو جاہلیت کہا گیا ہے کیونکہ قمار بازی، بادہ نوشی، بدکاری، سود خوری، چوری اور جنگ جوئی وغیرہ ان کا شیوہ بن چکا تھا۔ اہل عرب شاعری کیا کرتے تھے اور ان شعار میں وہ فحش گوئی اور عورتوں سے تعلقات کو قلمبند کیا کرتے تھے۔ ان کے نزدیک عورت کی کوئی حیثیت نہ تھی، جوئے میں عورت کو ہار جانا معمول بن چکا تھا۔ اس کے علاوہ گالی گلوچ، لڑائی جھگڑوں اور ناحق ظلم کرنے کو وہ اپنی برتری کا اظہار سمجھتے تھے، طاقتور اپنے سے کمزور شخص کا حق غصب کر رہا تھا، ایک خدا کا تصور کہیں بھی موجود نہیں تھا، ہزارہا بتوں کی پرستش کی جارہی تھی غرض انسانیت جہالت میں ڈوبی ہوئی تھی۔ پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے مظلوم انسانیت پر احسان فرماتے ہوئے حضرت محمد ﷺ کو ہادی و رہنما بنا کر بھیجا اور دین اسلام کی شمع روشن کی جس سے بھٹکی ہوئی انسانیت کو راہِ ہدایت ملی اور توحید کا علم بلند ہوا۔

1۔ دینِ اسلام کے بانی کے احوال

دینِ اسلام کے بانی کا نام و نسب:

جبیر بن مطعم روایت کرتے ہیں:

"سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ – صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ – يَقُولُ: أَنَا مُحَمَّدٌ وَأَحْمَدُ وَالْحَاشِرُ وَالْمَاحِي وَالْخَاتِمُ وَالْعَاقِبُ"[156]

ترجمہ: میں نے حضور ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: "میں محمد ہوں، احمد ہوں، حاشر ہوں، ماحی ہوں، خاتم ہوں، عاقب ہوں۔"

حافظ ابن قیم حضور ﷺ کا سلسلہ نسب یوں بیان کرتے ہیں:

"مُحَمَّدبْنُ عَبْدِاللَّهِ بْنِ عَبْدِالْمُطَّلِبِ بْنِ هَاشِمِ بْنِ عَبْدِمَنَافِ بْنِ قُصَيِّ بْنِ كِلَابِ بْنِ مُرَّةَ بْنِ كَعْبِ بْنِ لُؤَيِّ بْنِ غَالِبِ بْنِ فِهْرِبْنِ مَالِكِ بْنِ النَّضْرِبْنِ كِنَانَةَ بْنِ خُزَيْمَةَ بْنِ مُدْرِكَةَ بْنِ إِلْيَاسَ بْنِ مُضَرِبْنِ نِزَارِبْنِ مَعْدِبْنِ عَدْنَانَ" 157

ترجمہ: محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد المناف، قصی بن کلاب بن مرۃ بن کعب بن لوئی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکۃ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان۔

دین اسلام کے بانی کا نام محمد ﷺ رکھا گیا اور یہ نام آپ ﷺ کے دادا عبد المطلب نے تجویز کیا۔ آپ ﷺ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں۔

"محمد" نام کی وجہ تسمیہ:

حضرت عبد المطلب "محمد" نام کی وجہ تسمیہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"أَرَدْتُ أَنْ يَحْمَدَهُ اللهُ،تَعَالَى،فِي السَّمَاءِ،وَخَلْقُهُ في الأرض" 158

ترجمہ: میں نے اس لیے یہ نام رکھا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ آسمانوں میں اور اس کی مخلوق زمین میں اس کی تعریف و توصیف کرے۔

ولادت باسعادت:

جنابِ محمد ﷺ کی تاریخ ولادت کے بارے میں امام ابن جریر طبری لکھتے ہیں:

"ولد رسول اللهﷺ يَوْمَ الاثْنَيْنِ عَامَ الْفِيلِ لاثْنَتَيْ عَشْرَةَ مَضَتْ مِنْ شَهْرِ رَبِيعِ الأَوَّلِ" 159

ترجمہ: رسول اکرم ﷺ سوموار کے دن ربیع الاول شریف کی بارھویں تاریخ کو عام الفیل میں پیدا ہوئے۔

سید سلیمان منصور پوری لکھتے ہیں:

"ہمارے نبی ﷺ موسم بہار میں دو شنبہ (پیر) کے دن 9 ربیع الاول عام الفیل بمطابق 22 اپریل 571ء، مطابق یکم جیٹھ سمت 628 بکرمی کو مکہ معظمہ میں بعد از صبح صادق و قبل از طلوع نیّر عالم تاب پیدا ہوئے۔"[160]

ابو الفتح محمد بن محمد بن عبد اللہ اپنی کتاب "عیون الاثر" میں تحریر فرماتے ہیں:

''وَوُلِدسَيِّدُنَا وَنَبِيُّنَا مُحَمَّد رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الاثْنَيْنِ لاثْنَتَيْ عَشْرَةَ لَيْلَةً مَضَتْ مِنْ شَهْر رَبِيع الأَوَّلِ عَامَ الْفِيلِ، قِيلَ: بَعْد الْفِيلِ بِخَمْسِينَ يَوْمًا.'' 161

ترجمہ: اور ہمارے آقا اور ہمارے نبی محمد رسول اللہ ﷺ سوموار کے روز بارہ ربیع الاول کو عام الفیل کے سال پیدا ہوئے، بعض نے کہا ہے کہ واقعہ فیل کے پچاس روز بعد آپ ﷺ کی ولادت ہوئی۔

اس بات پر تمام مؤرخین کا اتفاق ہے کہ حضور ﷺ کی ولادت مکہ مکرمہ میں ماہ ربیع الاول میں ہوئی لیکن ماہ ربیع الاول کی کونسی تاریخ تھی اس بارے میں متعدد اقوال ملتے ہیں جن کا تذکرہ اوپر کیا گیا لہذا تاریخ میں اختلاف پایا جاتا ہے۔

دورانِ ولادت معجزات کا ظہور:

آپ کی والدہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا اپنی کیفیت حمل بیان کرتے ہوئے فرماتی ہیں:

''مَاشعرتُ أَنِّي حملتُ بِهِ،وَلَاوجدتُ لَهُ ثِقْلاكَمَاتجدالنساءُ،إِلَّاأَنِّي أنكرتُ رفع حَيضَتِي،وربّماكَانَت ترفعني وتعودوأتاني أتٍ وَأنابَين النَّائِم وَالْيَقظَان،فَقَالَ:هَل شَعرت أَنَّك حَملتِ؟ فَكَأَنِّي أَقُول:مَاأَدري. فَقَالَ:إنكِ قدحَملتِ سيِّدهَذِه الأُمَّة ونَبيَّها. وَذَلِكَ يَوْم الِاثْنَيْنِ'' 162

ترجمہ: مجھے محسوس ہی نہیں ہوا کہ میں حاملہ ہوگئی ہوں اور نہ مجھے اس کا کوئی بوجھ محسوس ہوا جو اس کیفیت میں دوسری خواتین کو محسوس ہوتا ہے مجھے صرف یہی معلوم ہوا کہ میرے ایام حیض بند ہوگئے ہیں۔ ایک روز میں خواب سے بیداری کی درمیانی کیفیت میں تھی کہ کوئی آنے والا میرے پاس آیا اور اس نے سوال کیا۔ کیا تمہیں معلوم ہے کہ تم حاملہ ہو؟ میں نے جواب دیا نہیں پھر اس نے کہا کہ تم حاملہ ہو اور تمہارے بطن میں اس امت کا سردار اور نبی تشریف فرما ہوا ہے اور یہ واقعہ سوموار کے دن پیش آیا۔

رضاعت:

عرب کے رؤسا کے ہاں یہ دستور رائج تھا کہ وہ اپنی اولاد کو صحرائی ماحول میں پرورش پانے کے لیے اور ہڈیوں کی مضبوطی کے لیے دودھ پلانے والی بدوی عورتوں کے سپرد کر دیا کرتے تھے،ایک مقصد یہ بھی تھا کہ بچہ اپنے گہوارہ ہی سے فصیح عربی زبان میں مہارت حاصل کرلے اور صحرائی زندگی کی مشقتوں کا عادی ہو۔اسی رواج کے مطابق حضرت عبد المطلب ایک ایسی مُرضِعہ کے متلاشی تھے جو انکے پوتے کو دودھ پلائے اور صحرائی ماحول میں اس کی پرورش کا فریضہ بھی سرانجام دے۔چنانچہ حضرت عبد المطلب نے نبی ﷺ کو حضرت حلیمہ بنت ابی ذویب کے حوالے کیا۔حضرت حلیمہ سعدیہ نے آپ کو دودھ پلایا،وہ اپنے بیٹے عبد اللہ کے ساتھ آپ کو دودھ پلاتی تھیں،"انکی اولاد میں انیسہ اور جزامہ جو شیما کے نام سے مشہور ہیں دو بچے اور بھی ہیں،حضرت حلیمہ حارث بن عبد العزی بن رفاعۃ سعدی کے خاندان سے تعلق رکھتی تھیں۔"[163]

حضرت حلیمہ سعدیہ نے دو سال آپ ﷺ کو دودھ پلایا اور وہ آپ ﷺ کی بدولت برکتوں اور سعادتوں سے مستفید ہوتی رہیں۔آپ ﷺ نے کتنا عرصہ حضرت حلیمہ سعدیہ کے ہاں قیام کیا اس بارے میں مؤرخین کا اختلاف پایا جاتا ہے۔

والدہ ماجدہ کا انتقال:

آپ ﷺ کی پیدائش سے قبل ہی آپ کے والد حضرت عبد اللہ کا انتقال ہو چکا تھا اور وہ مدینہ منورہ میں مدفون تھے۔جب آپ ﷺ کی عمر چھ برس ہوئی تو آپ ﷺ کی والدہ ماجدہ نے مدینہ منورہ جانے کا قصد کیا اور آپ ﷺ کو بھی اپنے ہمراہ لے گئیں۔آپ کی کنیز ام ایمن بھی اس سفر میں آپ کے ہمراہ تھیں۔بعض مؤرخین بیان کرتے ہیں کہ آپ اپنے شوہر کی قبر کی زیارت کے لیے مدینہ منورہ گئیں تھیں۔آپ نے وہاں ایک ماہ قیام کیا اور مدینہ منورہ سے واپسی پر حضرت آمنہ نے انتقال فرمایا۔ابن اسحاق اس سلسلے میں رقمطراز ہیں:

"مجھ کو سند کے ساتھ یہ روایت پہنچی ہے کہ جب حضور ﷺ کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ نے وفات پائی ہے حضور چھ (6) سال کے تھے اور حضور اکرم کی والدہ مقام ابواء میں جو مکہ و مدینہ کے درمیان میں ہے اپنے کنبہ میں بنی نجار کے پاس تشریف لے گئیں تھیں۔جب وہاں سے مکہ کو واپسی ہوئیں تو راستہ میں انتقال فرمایا"۔[164]

حضور ﷺ اپنی والدہ ماجدہ کے سایہ شفقت میں زندگی بسر فرمارہے تھے لیکن جب ان کا انتقال ہوا تو آپ ﷺ کے دادا عبد المطلب نے آپ کی پرورش کی۔

عبد المطلب کا دامنِ تربیت:

علامہ شبلی نعمانی اپنی کتاب سیرت النبی ﷺ میں لکھتے ہیں:

"والدہ ماجدہ کے انتقال کے بعد عبد المطلب نے آنحضرت ﷺ کو اپنے دامن تربیت میں لیا، ہمیشہ آپ کو اپنے ساتھ رکھتے تھے۔"[165]

آپ کے دادا حضرت عبد المطلب آپ ﷺ کا بہت زیادہ خیال رکھتے تھے یہاں تک کہ اپنی اولاد پر بھی رسولِ اکرم ﷺ کو سبقت دیتے۔ لیکن اللہ رب العزت کو کچھ اور ہی منظور تھا اور یہ رفاقت طویل عرصے پر محیط نہ رہی۔

عبد المطلب کا انتقال:

جب رسول خدا ﷺ آٹھ سال کے ہوئے تو حضرت عبد المطلب یعنی آپ کے دادا نے وفات پائی۔[166]

حضرت عبد المطلب کے انتقال کے بعد آپ ﷺ اپنے چچا ابو طالب کی آغوش میں پرورش پانے لگے۔

ابو طالب کی آغوش میں:

حضرت عبد المطلب کی وصیت کے مطابق رسول اللہ ﷺ کی نگہداشت کی ذمہ داری حضرت ابو طالب کے حصے میں آئی۔ آپ کی مالی حالت بہت کمزور تھی لیکن آپ نے حضور ﷺ کی خدمت گزاری میں کوئی کمی نہ چھوڑی۔ "سوتے تو آپ ﷺ بھی ساتھ ہوتے یہ گرویدگی بڑھتی بڑھتی اس حد تک جا پہنچی کہ کسی شے کے ابو طالب اتنے گرویدہ نہ ہوئے تھے۔ آپ کو خاص طور پر اپنے ساتھ کھانا کھلاتے، حالت یہ تھی کہ ابو طالب کے عیال و اطفال خود ایک ساتھ یا الگ الگ کسی طرح بھی کھانا کھاتے مگر سیر و آسودہ نہ ہوتے لیکن جب رسول ﷺ کھانے میں شریک ہوتے تو سب کے سب آسودہ ہو جاتے"۔[167]

دستر خوان پر آپ ﷺ کی شرکت سے برکتوں کا نزول ہوتا اور سب خوب سیر ہو کر کھانا کھاتے۔

شام کی طرف سفر:

آپ ﷺ کے چچا حضرت ابو طالب کا پیشہ تجارت تھا اس لیے وہ اکثر تجارت کے لیے دوسرے ممالک جایا کرتے تھے۔ آنحضرت ﷺ جب بارہ سال کے ہوئے تو اپنے چچا ابو طالب کے ساتھ جبکہ وہ تجارت کو شام جاتے تھے۔ سفر میں گئے، بصری میں بحیرہ راہب نے آنحضرت ﷺ کو پہچان لیا کہ نبی موعود یہی نوجوان ہے۔ چچا سے کہا

کہ اسے یہودیوں کے ملک میں نہ لے جاؤ وہ اسے پہچان کر کہیں گزند نہ پہنچائیں۔ شفیق چچا نے آنحضرت ﷺ کو بصریٰ ہی سے واپس کر دیا۔[168]

کیونکہ اس نے وہ تمام صفات حضور ﷺ میں پائی تھیں جو انجیل اور توریت میں بتائی گئیں۔ لہٰذا اس خدشے کے سبب کہ کہیں یہودی آپ ﷺ کو تکلیف نہ پہنچائیں آپ کے چچا آپ کو مکہ مکرمہ واپس لے آئے۔

حربِ فجار:

جب آپ ﷺ کے دور جوانی کا آغاز ہوا اور "آپ ﷺ کی عمر شریف چودہ یا پندرہ سال کی ہوئی تو حرب فجار کا واقعہ پیش آیا"۔[169]

یہ جنگ تقریباً ۹ سال تک مسلسل جاری رہی، ہزاروں لوگ اس میں قتل ہوئے اور کئی گھر تباہ و برباد ہوئے۔ آخر کار صلح پر اس جنگ کا خاتمہ ہوا۔

حلف الفضول کا معاہدہ:

جزیرہ عرب میں باقاعدہ کوئی حکومت نہ تھی اور نہ ہی ایسے قوانین بنائے گئے تھے جن کے تحت مظلوموں کو انصاف کی فراہمی ہو۔ طاقتور کا راج تھا اور کمزوروں کی دادرسی کرنے والا کوئی نہ تھا۔ لہٰذا حرب فجار کے بعد ایک معاہدہ ہوا جسے حلف الفضول کہا جاتا ہے۔ آپ ﷺ شرفِ رسالت سے مشرف ہونے کے بعد فرمایا کرتے تھے: "میں عبد اللہ بن جدعان کے مکان پر ایک ایسے معاہدے میں شریک تھا کہ مجھے اس کے عوض سرخ اونٹ پسند نہیں اور اگر (دور) اسلام میں اس عہد و پیمان کے لیے مجھے بلایا جاتا تو میں لبیک کہتا۔"[170]

اس معاہدے کی بدولت بے سہاروں کو سہارا مل گیا جس کی بدولت اب وہ بھی انصاف کے دروازے کھٹکھٹا سکتے تھے۔

مشاغلِ تجارت:

آنحضرت ﷺ کا خاندانی پیشہ تجارت تھا اس لیے جب آپ ﷺ سن شعور کو پہنچے تو آپ ﷺ کو معاش کی فکر ہوئی اور آپ نے خاندانی پیشے کو ترجیح دی اور تجارت کو پسند کیا۔ آپ ﷺ تجارت کا مال مختلف ممالک میں لیکر جاتے اور تمام معاملات میں نہایت دیانتداری و ایمانداری کا مظاہرہ فرماتے، لوگ آپ کی دیانتداری سے خوش ہو کر آپ کو 'الصادق' اور 'الامین' کے لقب سے پکارتے تھے۔

حضرت خدیجۃ الکبریٰ سے نکاح:

ابن ہشام کہتے ہیں:

"جب رسول اللہ ﷺ کی عمر شریف پچیس سال کی ہوئی تو خدیجہ بنت خویلد سے آپ نے عقد فرمایا"۔[171]

آپ ﷺ کی اولاد:

ابن اسحاق حضور ﷺ کی اولاد مبارک کی تفصیل بتاتے ہوئے لکھتے ہیں:

"سوائے صاحبزادہ ابراہیم کے حضور کی تمام اولادیں ان ہی سے ہوئیں چنانچہ ان سے تین لڑکے پیدا ہوئے ایک قاسم جن کے ساتھ رسول اکرم ﷺ کی کنیت ابو القاسم ہے۔ دوسرے طیب، تیسرے طاہر اور چار لڑکیاں پیدا ہوئیں، زینب، رقیہ، ام کلثوم اور فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہن"۔[172]

بعثت و اعلان نبوت و رسالت:

حضور ﷺ پر وحی کی ابتدا سچے خوابوں کے ذریعے ہوئی۔ آپ ﷺ جو کچھ خواب میں دیکھتے اگلے روز ہو بہو اس کی تعبیر سامنے آجاتی۔[173]

معتبر احادیث مبارکہ کی روشنی میں یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ آپ ﷺ پر وحی کا نزول چالیس سال کی عمر میں ہوا۔

ابو جعفر سے مروی ہے کہ:

"۷ ارمضان یوم دوشنبہ کو حراء میں رسول اللہ ﷺ پر فرشتہ نازل ہوا۔ اس زمانے میں رسول اللہ ﷺ چالیس برس کے تھے جو فرشتہ آپ پر وحی لے کر نازل ہوا تھا وہ جبرئیل تھے"۔[174]

ایک دن حسبِ معمول آپ ﷺ غار حرا میں عبادت میں مشغول تھے جب حضرت جبرئیل امین تشریف لائے اور فرمایا:

"اِقۡرَاۡ بِاسۡمِ رَبِّکَ الَّذِیۡ خَلَقَ ۚ﴿۱﴾ خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ مِنۡ عَلَقٍ ۚ﴿۲﴾ اِقۡرَاۡ وَ رَبُّکَ الۡاَکۡرَمُ ۙ﴿۳﴾ الَّذِیۡ عَلَّمَ بِالۡقَلَمِ ۙ﴿۴﴾ عَلَّمَ الۡاِنۡسَانَ مَا لَمۡ یَعۡلَمۡ ؕ﴿۵﴾"[175]

ترجمہ: "آپ پڑھیے اپنے رب کے نام کے ساتھ جس نے (سب کو) پیدا کیا انسان کو جمے ہوئے خون سے، پڑھیئے آپ کا رب کریم ہے جس نے علم سکھایا قلم

کے واسطہ سے اسی نے سکھایا انسان کو جو وہ نہیں جانتا تھا"۔

جب حضور ﷺ واپس گھر تشریف لائے تو آپ ﷺ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو ساری صورتحال سے آگاہ کیا۔ اس وقت حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے جن تسلی بخش الفاظ میں آپ ﷺ کی ہمت باندھی اس کا اندازہ درج ذیل عبارت سے ہوتا ہے:

"فرجع بها رسول الله صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يرجف فؤاده، فدخل على خديجة رضي الله عنها فقال: "زملوني"، فزملوه حتى ذهب عنه الروع، وقال لخديجة وأخبرها الخبر: "لقد خشيت على نفسي"، فقالت خديجة: كلا، والله لا يخزيك الله أبدا، إنك لتصل الرحم، وتحمل الكل، وتكسب المعدوم، وتقري الضيف، وتعين على نوائب الحق." [176]

ترجمہ: پس ان آیات کو سن کر رسول اللہ ﷺ گھر واپس تشریف لائے اور آپ کا دل کانپ رہا تھا۔ آپ ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تشریف لائے اور فرمایا مجھے چادر اوڑھاؤ۔ پس انہوں نے حضور ﷺ پر چادر ڈال دی یہاں تک کہ آپ سے وہ ہراس دور ہو گیا اور آپ ﷺ نے حضرت خدیجہ کو سارا واقعہ سنایا اور فرمایا تحقیق مجھے اپنے بارے میں ڈر لگ رہا ہے پس حضرت خدیجہ نے فرمایا ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ کی قسم اللہ تبارک و تعالیٰ آپ کو کبھی بے آبرو نہیں کرے گا کیونکہ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں اور کمزوروں کا بوجھ اٹھاتے ہیں اور ناداروں کو اپنی کمائی میں سے حصہ دیتے ہیں اور مہمان کی خوب مہمان نوازی کرتے ہیں اور اگر حق کی بنا پر کسی پر کوئی مصیبت آجائے تو آپ اس کی مدد فرماتے ہیں۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے تسلی آمیز الفاظ بلاشبہ ان کی حقیقت شناسی اور حضور ﷺ کے ساتھ بے پناہ عقیدت کے اظہار کا ذریعہ ہیں۔

دعوت و تبلیغ (اعلان نبوت کے ابتدائی چار سال):

عبد الرحمن بن القاسم نے اپنے والد سے روایت کی:

"رسول اللہ ﷺ کو جو حکم دیا کہ آپ کے پاس جو وحی اللہ کی جانب سے آئی ہے اس کی اچھی طرح تبلیغ کریں لوگوں کو احکام الٰہی سے ندا دیں اور انہیں اللہ کی طرف بلائیں۔ آپ ابتدائے نبوت سے تین سال تک خفیہ طور پر دعوت دیتے تھے یہاں تک کہ آپ کو کھلم کھلا دعوت دینے کا حکم ہو گیا۔"[177]

ابتدائی تین سالوں میں حضور ﷺ نے خفیہ تبلیغ کی، لیکن جب آفتابِ نبوت و رسالت بلند ہو چکا تو اللہ رب العزت نے حکم فرمایا:

"فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَأَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِينَ ﴿٩٤﴾"[178]

ترجمہ: تو اعلانیہ کہہ دو جس بات کا تمہیں حکم ہے۔ اور مشرکوں سے منہ پھیر لو۔

اب وہ وقت آن پہنچا تھا کہ دعوت و تبلیغ کے دائرے کو مزید وسعت دی جائے، سورہ شعراء میں اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

"وَأَنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ ﴿٢١٤﴾"[179]

ترجمہ: اور اے محبوب اپنے قریب تر رشتہ داروں کو ڈراؤ۔

مندرجہ بالا آیات مبارکہ میں قریبی رشتہ داروں کو ڈرانے کا حکم ہوا۔ اس حکم خداوندی کی تعمیل کا مرحلہ بہت کٹھن تھا وہ بھی ایسے لوگوں کو دعوتِ توحید دینا جو سالہا سال سے کفر و شرک کے خوگر تھے۔ پتھر کے بنے ہوئے بتوں کی پوجا کے متوالی تھے۔ ان پر اپنی جان مال قربان کر دینا باعثِ شرف سمجھتے تھے۔ کئی روز تک حضور ﷺ غور و فکر کرتے رہے اور اس سوچ میں مستغرق رہے۔ جب حضور ﷺ نے خلوت نشینی اختیار کر لی تو آپ ﷺ کی پھوپھیوں کو یہ خدشہ ہوا کہ کہیں حضور ﷺ کی طبیعت ناساز تو نہیں۔ جب رسول اکرم ﷺ کی پھوپھیاں آپ ﷺ کی عیادت کے لیے آئیں تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ میری طبیعت بالکل ٹھیک ہے میں اس سوچ میں مستغرق رہتا ہوں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے جو حکم آیا ہے اس کی تعمیل کیسے ہو گی۔ آپ ﷺ کی پھوپھیوں نے عرض کی کہ آپ دعوتِ توحید کے لیے عبد المطلب کی ساری اولاد کو بلائیں لیکن ابو لہب کو نہ بلائیں کیونکہ وہ آپ کی بات نہیں سنے گا۔

"دوسرے روز رسول ﷺ نے بنو عبد المطلب کو بلا بھیجا وہ بھی آئے اور عبد مناف کی اولاد میں سے بھی چند لوگ پہنچ گئے، سب کی تعداد ۴۵ کے قریب تھی اس سے بیشتر کہ حضور اپنا مدعا بیان فرماتے ابو لہب نے گفتگو کا آغاز کر دیا، اس نے کہا، "یہ آپ کے چچے ہیں اور چچازاد بھائی ہیں اب آپ جو کہنا چاہتے ہیں کہیئے لیکن یہ بات نہ بھولئے کہ آپ کی قوم میں اتنی قوت نہیں کہ وہ سارے اہل عرب کا مقابلہ کر سکے مناسب تو یہ ہے کہ جو کام آپ نے شروع کیا

ہے آپ کے قبیلے والے اورآپ کے قریبی رشتہ دارآپ کو اس سے روک دیں یہ ان کے لیے آسان ہے بجائے اس کے کہ قریش کے سارے خاندان آپ کے خلاف متحد ہو کر مقابلہ کے لیے کھڑے ہو جائیں اور عرب کے سارے لوگ ان کی تائید کر رہے ہوں، اے میرے بھتیجے! کوئی آدمی ایسافتنہ وفساد کا پیغام لے کر اپنی قوم کے پاس نہیں آیا جیسافتنہ وفساد کا پیغام لیکر آپ آئے ہیں"۔[180]

چند ایام کے بعد جبرائیل امین دوبارہ تشریف لائے اوراللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے دینِ حق کی تبلیغ جاری رکھنے کا حکم دیا۔ حضور ﷺ نے تمام قریبی رشتہ داروں کو جمع کیا۔ اللہ رب العزت کی حمد و ثناء بیان کرنے کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا:

"إن الرائدلايكذب أهله، والله لو كذبت الناس جميعاماكذبتكم، ولو غررت الناس جميعاماغررتكم،والله الذي لاإله إلاهو إني لرسـول الله إليكم خاصـة وإلى الناس كافة،والله لتموتن كماتنامون،ولتبعثن كما تستيقظون،ولتحاسبن بماتعملون،ولتجزون بالإحسان إحسانا وبالسوء سـواوإنهالجنة أبدا،أو لنارأبدا،والله يابني عبدالمطلب ماأعلم شـاباجاء قومه بأفضل مماجئتكم به؟ إني قدجئتكم بأمرالدنيا والآخرة"[181]

ترجمہ: قافلے کا سردار اپنے قافلے والوں سے غلط بیانی نہیں کرتا بفرضِ محال اگر میں دوسرے افراد سے جھوٹ بولوں بھی تو خدا کی قسم میں تم سے جھوٹ نہیں بول سکتا اور اگرچہ میں سارے لوگوں سے دھوکہ کروں لیکن اللہ کی قسم میں آپ لوگوں سے دھوکا نہیں کر سکتا۔ اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں میں اللہ کا رسول ہوں بالخصوص تمہاری طرف اور بالعموم ساری انسانیت کی طرف اوراللہ کی قسم تمہیں موت اس طرح آئے گی جس طرح تم سوتے ہو اور تمہیں دوبارہ زندہ اس طرح اٹھایا جائے گا جس طرح تم جاگتے ہو اور تم سے تمہارے اعمال کا محاسبہ ہو گا اور تمہیں تمہارے نیک اعمال کی اچھی جزا اور برے اعمال کی بری سزا دی جائے گی۔ ابدی ٹھکانہ یا تو ابدی جنت ہے یا ابدی جہنم، بخدا اے عبد المطلب کے فرزندان! میں کسی ایسے نوجوان کو نہیں جانتا جو اس پیغام سے بہتر اپنی قوم کے پاس لایا ہو جو میں لیکر آیا ہوں، میں تمہارے پاس دنیا و آخرت کی کامیابی لیکر آیا ہوں۔

تمام سامعین نے اس خطاب کا معقول و مثبت جواب دیا لیکن ابو لہب اپنی خباثت و رذالت سے باز نہ آیا اور طنز کے تیر برساتا رہا۔ ان دو اجتماعات میں صرف عبد المطلب کے خاندان کو مدعو کیا گیا تھا۔ تیسرے اجتماع میں آپ ﷺ نے تمام قبائلِ قریش کو دعوت دی۔

دعوت و تبلیغ کے تیسرے دور میں دعوت توحید کا دائرہ رشتہ داروں سے بڑھا کر تمام بنی نوع انسانوں تک پھیلا دیا گیا تھا۔ اس دوران حضور ﷺ کو کفار و مشرکین مکہ کی طرف سے کئی مصائب و مظالم برداشت کرنے پڑے۔ آپ ﷺ کی راہ میں کانٹے بچھائے جاتے، سر پر کچرا پھینکا جاتا، صحابہ کرام کو بھی طرح طرح کی اذیتیں پہنچائی جاتیں، رسیوں سے باندھا جاتا اور تپتی ریت پر گھسیٹا جاتا، یہاں تک کہ حضور ﷺ سمیت تمام صحابہ کرام پر پتھر برسائے جاتے اور لہولہان کر دیا جاتا مگر اس ظلم و ستم کے باوجود آپ ﷺ اپنے مشن سے پیچھے نہ ہٹے اور دعوت و تبلیغ کا سلسلہ جاری رکھا۔

اہل مکہ نے جب اسلام کی ترویج واشاعت میں تیزی دیکھی تو وہ سیخ پا ہو گئے اور انہوں نے نہ صرف آپ ﷺ پر ظلم و ستم کی انتہا کر دی بلکہ مسلمانوں کو بھی طرح طرح کی تکالیف پہنچانے لگے۔ آپ ﷺ نے جب مسلمانوں پر ظلم و ستم کی انتہا دیکھی تو آپ ﷺ تڑپ اٹھے اور مسلمانوں کو ہجرت کرنے کا حکم دے دیا۔

ہجرتِ حبشہ (نبوت کے پانچواں سال):

جب مسلمانوں پر تکالیف و مظالم نے شدت اختیار کر لی تو اللہ رب العزت نے مسلمانوں کو حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔

"پہلے مہاجرین میں سے عثمان بن عفان، ان کی بیوی حضرت رقیہ بنت رسول اللہ ﷺ تھیں۔ پہلی بار بارہ (۱۲) مردوں اور چار (۴) عورتوں نے ہجرت کی"۔[182]

"دوسری مرتبہ جن لوگوں نے ہجرت کی ان کی تعداد تراسی (۸۳) مردوں پر مشتمل تھی بشر طیکہ ان میں عمار بن یاسر بھی شامل ہوں۔ اس قافلہ مہاجرین میں انیس (۱۹) عورتیں شامل تھیں"۔[183]

قریش مکہ کی طرف سے مسلمانوں کو حبشہ سے دربدر کرنے کی بھرپور کوشش کی گئی لیکن حضرت جعفر طیار رضی اللہ تعالی عنہ نے ایمان افروز خطاب فرمایا جس کو سن کر حبشہ کا بادشاہ نجاشی بے حد متاثر ہوا اور مسلمان ایک عرصے تک بغیر کسی خوف و پریشانی کے وہاں مقیم رہے۔

محصوری شعب ابی طالب (۷ تا ۱۰ نبوی):

آپ ﷺ کو اعلان نبوت کیے چھ سال گزر چکے تھے اسلام کی ترویج و اشاعت مسلسل جاری تھی، کئی جلیل القدر اصحاب رسول ﷺ ایمان لا چکے تھے جن میں حضرت عمر اور حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہما بھی شامل تھے، اور مسلمان شاہِ حبشہ نجاشی کی سربراہی میں پر سکون زندگی بھی گزار رہے تھے۔ لہٰذا کفارِ مکہ ان حالات کو دیکھ کر اور زیادہ مشتعل ہو گئے اور آپ ﷺ اور آپ کے خاندان کو محصور کرنے کا منصوبہ بنایا۔ انہوں نے ایک معاہدہ مرتب کیا کہ خاندان بنو ہاشم سے خرید و فروخت نہیں کی جائے گی اور نہ ہی ان سے کسی قسم کے تعلقات رکھے جائیں گے جب تک کہ وہ آپ ﷺ کو ان کے حوالے نہ کر دیں۔

ابن قیم کہتے ہیں:

"کہا جاتا ہے کہ یہ صحیفہ منصور بن عکرمہ بن عامر بن ہاشم نے یہ عہد نامہ لکھا تھا۔ ایک قول نضر بن حارث کے متعلق بھی ہے، لیکن صحیح تر قول یہ ہے کہ یہ آدمی بغیض بن عامر بن ہاشم تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے بد دعا دی اور اس کا ہاتھ خشک ہو گیا"۔[184]

اس سوشل بائیکاٹ کا نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمانوں کے حالات بہت سنگین ہو گئے اور غلے کی کمی نے شدت اختیار کر لی، سامانِ خورد و نوش کی آمد و رفت بند ہو گئی اور محصورین کی حالت بہت خراب ہو گئی۔ یوں بنو ہاشم تین سال قید کی صعوبتوں کو برداشت کرنے کے بعد آزاد ہوئے۔ لیکن حضور ﷺ پر آزمائشوں کا سلسلہ ابھی ختم نہیں ہوا تھا۔

عام الحزن (۱۰ نبوی):

محصوریٔ شعب ابی طالب سے آزادی حاصل کرنے کے بعد بھی حضور ﷺ پر آزمائشوں کا سلسلہ جاری رہا اور نبوت کے دسویں سال دو محبوب ہستیاں آپ ﷺ سے جدا ہو گئیں۔ اسی سال آپ ﷺ کے چچا ابو طالب اور آپ کی زوجہ حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے انتقال فرمایا۔ اس لیے اس سال کو "عام الحزن" بھی کہا جاتا ہے۔

سفرِ طائف (۱۰ نبوی):

آپ ﷺ جب اہل مکہ سے مایوس ہو چکے تو "شوال ۱۰ نبوت میں (اواخر مئی تا اوائل جون ۶۱۹ء میں نبی ﷺ طائف تشریف لے گئے"۔[185] آپ ﷺ طائف میں مقیم "عمیر" کے خاندان میں تشریف لے گئے جس کا شمار وہاں کے "رئیس القبائل" میں ہوتا تھا۔ انہوں نے آپ ﷺ کے پیچھے علاقائی اوباش نوجوانوں کو لگا دیا جنہوں

نے آپ ﷺ کو ستانے کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ پر پتھر بھی برسائے جس کے باعث آپ ﷺ لہولہان ہو گئے۔ آخر کار آپ ﷺ نے زخموں سے چور ہو کر عتبہ بن ربیع کے باغ میں پناہ لی۔ حضرت جبرئیل آپ کی بارگاہِ اقدس میں حاضر ہوئے اور کہا کہ آپ کا رب فرماتا ہے کہ اگر آپ ﷺ کہیں تو یہ پہاڑ طائف والوں پر گرا دیا جائے، لیکن آپ ﷺ نے جواب میں ارشاد فرمایا:

''بَلْ أَرْجُو أَنْ يُخْرِجَ اللّٰهُ مِنْ أَصْـلاَبِهِمْ مَنْ يَعْبُدَاللّٰهَ وَحْدَهُ، لاَيُشْـرِكُ بِهِ شَيْئًا'' 186

ترجمہ: میں امید کرتا ہوں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ انکی پشتوں سے ایسی اولاد پیدا فرمائے گا جو صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں گے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔

ایسے مشکل حالات میں بھی رسول اللہ ﷺ نے بد دعا دینے کے بجائے حسنِ ظن رکھا جو مسلمانوں کے لئے باعثِ تقلید ہے۔

بیعتِ عقبہ اولیٰ (۱۱ نبوی):

حج کے ایام میں جب روٴسائے قبائلِ عرب مکہ مکرمہ آتے تو آپ ﷺ ان کے پاس جا کر انہیں اسلام کی دعوت دیا کرتے تھے۔

''اس سال (رجب ۱۰ نبوی) میں بھی آپ ﷺ متعدد قبائل کے پاس تشریف لے گئے۔ عقبہ کے پاس جہاں اب مسجد العقبہ ہے خزرج کے چند اشخاص آپ ﷺ کو نظر آئے۔ آپ ﷺ نے ان سے نام و نسب پوچھا انہوں نے کہا خزرج، آپ ﷺ نے دعوت اسلام دی اور قرآن مجید کی آیتیں سنائیں ان لوگوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور کہا ''دیکھو! یہود ہم سے اس اولیت میں بازی نہ لے جائیں'' یہ کہہ کر سب نے ایک ساتھ اسلام قبول کیا''۔[187]

''دوسرے سال بارہ (۱۲) اشخاص مدینہ منورہ سے آئے اور بیعت کی، اس کے ساتھ اس بات کی بھی خواہش کی کہ احکام اسلام سکھانے کے لیے کوئی معلم انکے ساتھ کر دیا جائے۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت مصعب بن عمیر کو انکے ساتھ کر دیا''۔[188]

اس بیعت کو بیعت عقبہ اولیٰ کہتے ہیں۔

بیعت عقبہ ثانیہ (۱۲ نبوی):

اگلے سال یعنی نبوت کے بارہویں سال مزید کچھ افراد نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت کی علامہ شبلی نعمانی رقمطراز ہیں:

"اگلے سال بہتر (۷۲) اشخاص حج کے زمانے میں آئے اوراپنے ساتھیوں سے (جو بت پرست تھے) چھپ کر مقامِ منیٰ (عقبہ) میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی"۔[189]

اس بیعت کو بیعتِ عقبہ ثانیہ بھی کہا جاتا ہے۔ انصار سے جن باتوں پر بیعت لی گئی وہ یہ تھیں کہ شرک نہیں کریں گے، چوری نہیں کریں گے، بدکاری نہیں کریں گے، اولاد کو قتل نہیں کریں گے، نہ بہتان تراشی کریں گے اورآپ ﷺ کے ہر حکم کی تعمیل کریں گے۔

ہجرت مدینہ (۱۳ نبوی):

کفارو مشرکین مکہ کی طرف سے آپ ﷺ کو طرح طرح کی تکالیف پہنچائی گئیں اوراس بات کی ہر ممکنہ کوشش کی گئی کہ آپ ﷺ تبلیغِ اسلام سے دستبردار ہو جائیں۔ یہ لوگ دوران نماز آپ ﷺ کی گردن مبارک پر اوجھڑی ڈال دیتے، راہ میں کانٹے بچھاتے، گلے میں چادر ڈال کر اس زور سے کھینچتے کہ آپ ﷺ کی گردن مبارک پر نشان پڑ جاتے، اوباش لڑکے آپ ﷺ کے پیچھے پیچھے چلتے، آوازیں کستے، نماز پڑھتے وقت مذاق اڑاتے، آپ ﷺ کو مجنون اور جادوگر کہہ کر پکارتے، غرض یہ کہ آپ ﷺ کو اذیت پہنچانے کے لیے کسی قسم کے اقدام سے صرفِ نظر نہ کیا جاتا۔ لیکن رسول اللہ ﷺ یہ تمام مصائب و مظالم بڑے صبر و تحمل سے برداشت کر رہے تھے، جب مدینہ منورہ میں دینِ اسلام کو تقویت ملی تو آپ ﷺ نے صحابہ کرام کو مدینہ منورہ ہجرت کرنے کا حکم دے دیا اور خود اللہ تعالی کی طرف سے حکمِ ہجرت کا انتظار فرمانے لگے۔

"رسول کریم ﷺ 8 ربیع الاول بروز سوموار مدینہ آئے اور بعض کا قول ہے کہ ربیع الاول کی بارہ راتیں گزر چکی تھیں کہ آپ جمعرات کے روز مدینہ آئے"۔[190]

اور حضرت ایوب انصاریؓ کو رسول اللہ ﷺ کی میزبانی کا شرف حاصل ہوا۔

مدنی زندگی کے واقعات اوراس دوران نازل ہونے والے شرعی احکامات:

مدینہ منورہ آمد کے ساتھ ہی آپ ﷺ نے جن امور کی طرف توجہ فرمائی اوراس دورانیے میں جن شرعی احکامات کا نزول و نفاذ ہوا یا جو واقعات درپیش ہوئے ان میں سے چند کا اجمالی خاکہ پیشِ خدمت ہے:

سن '۱' ہجری کے واقعات:

۱۔ مدینہ منورہ سے تین میل کے فاصلہ پر جو بالائی آبادی ہے اس کو عالیہ اور قبا کہتے ہیں وہاں آپ ﷺ نے مسجد کی تعمیر فرمائی۔

۲۔ مدینہ منورہ میں قیام کے بعد آپ ﷺ نے سب سے پہلے مسجد نبوی کی تعمیر اوراس سے متصل ازواجِ مطہرات کے حجروں کی تعمیر فرمائی۔

۳۔ اسی سال اذان کی ابتداء ہوئی۔

۴۔ مہاجرین اور انصار کے درمیان مواخاۃ یعنی بھائی چارے کا رشتہ قائم کیا گیا۔

۵۔ مسلمانوں اور یہودیوں کے تعلقات کی مضبوطی کے لیے یہودِ مدینہ کے ساتھ چند شرائط پر مبنی ایک معاہدہ بھی کیا گیا جسے تاریخ میں میثاقِ مدینہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

سن '۲' ہجری کے واقعات:

۱۔ تحویلِ قبلہ یعنی بیت المقدس کے بجائے خانہ کعبہ کو مسلمانوں کا قبلہ بنادیا گیا۔

۲۔ غزوات کی ابتداء اسی سال ہوئی اور پہلا معرکہ یعنی غزوہ بدر سن ۲ھ میں ہوا۔

۳۔ رمضان المبارک کے روزے اسی سال فرض ہوئے۔

۴۔ عید الفطر کی نماز باجماعت عید گاہ میں اسی سال ادا فرمائی گئی اور صدقہ فطر کا حکم بھی اسی سال نازل ہوا۔

۵۔ غزوہ سویق، سریہ غطفان، سریہ ابو سلمہ بھی اسی سال ہوا۔

سن '۳' ہجری کے واقعات:

۱۔ احد کا معرکہ اور سریہ عبد اللہ اِسی سال یعنی ۳ھ میں ہوئے۔

۲۔ وراثت سے متعلق احکامات نازل ہوئے۔

سن '۴' ہجری کے واقعات:

۱۔ ازواجِ مطہرات میں سے حضرت زینب بنت خزیمہ ؓ نے انتقال فرمایا۔

۲۔ شراب کی حرمت سے متعلق احکامات نازل ہوئے۔

۳۔اسی سال آپ ﷺ نے حضرت اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا۔

۴۔یہودیوں نے آپ ﷺ کے سامنے ایک مقدمہ پیش کیا اور آپ ﷺ نے تورات کے مطابق رجم کا حکم فرمایا۔

سن '۵' ہجری کے واقعات:

ا۔غزوہ احزاب، غزوہ مریسیع اور واقعہ افک اسی سال ہوئے۔

۲۔پردے سے متعلق احکامات کا نزول ہوا۔

۳۔بدکاری کی سزا سو کوڑے بھی اسی سال نازل کی گئی۔

۴۔اسی سال حدِ قذف نازل ہوئی۔

۵۔ظہار سے متعلق احکامات کا نزول بھی اسی سال ہوا۔

۶۔نمازِ خوف اور تیمم سے متعلق شرعی احکامات نازل ہوئے۔

سن '۶' ہجری کے واقعات:

ا۔اس سال حدیبیہ کے مقام پر معاہدہ صلح لکھا گیا جو صلح حدیبیہ کے نام سے موسوم ہے۔

۲۔بیعتِ رضوان جسے "بیعت الشجرہ" بھی کہا جاتا ہے اسی سال ہوئی۔

۳۔اس سال رؤسائے عرب کے نام دعوتِ اسلام کے خطوط ارسال کئے گئے۔

۴۔حضرت خالد بن ولید اور حضرت عمرو بن العاص نے اسلام قبول کیا۔

سن '۷' ہجری کے واقعات:

ا۔اس سال خیبر کا معرکہ (غزوہ خیبر) ہوا۔

۲۔حدیبیہ کے مقام پر قریش سے معاہدہ ہوا تھا کہ اگلے سال مسلمان عمرہ ادا کریں گے اور تین دن قیام کر کے واپس چلے جائیں گے اسی بناء پر آپ ﷺ نے اپنے ساتھیوں کے ہمراہ اس سال عمرہ ادا فرمایا۔

سن '۸' ہجری کے واقعات:

ا۔غزوہ موتہ، سریہ عمرو بن العاص بھی اسی سال ہوئے۔

۲۔اس سال مسلمانوں کو عظیم فتح نصیب ہوئی یعنی مکہ فتح ہوا،بتوں کو مسمار کر دیا گیا اور کلمہ توحید بلند ہوا۔

۳۔غزوہ حنین،غزوہ طائف،غزوہ اوطاس بھی اسی سال ہوئے۔

۴۔حضرت ماریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بطن سے اس سال ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام آپ ﷺ نے ابراہیم رکھا۔

۴۔آپ ﷺ نے نمازِ کسوف باجماعت ادا فرمائی۔

۵۔آپ ﷺ کی صاحبزادی حضرت زینبؓ کا انتقال ہوا۔

سن '۹' ہجری کے واقعات:

۱۔غزوہ تبوک اور واقعہ ایلاو تخییر اسی سال ہوئے۔

۲۔اسی سال مسلمانوں نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کی سربراہی میں حج ادا فرمایا۔

۳۔سود کی تحریم اسی سال نازل ہوئی۔

۴۔نجاشی بادشاہ جس کے زیر سایہ حبشہ میں مسلمانوں نے چند سال بسر کیے تھے،کا انتقال اس سال ہوا۔

۵۔غزوہ تبوک سے واپسی پر نبی کریم ﷺ نے منافقین کی تعمیر کردہ مسجد ضرار کو گرانے کا حکم دیا۔

سن '۱۰' ہجری کے واقعات:

اس سال آپ ﷺ نے حج کی ادائیگی فرمائی اور لوگوں کو حج کے مناسک سکھائے اس موقع آپ ﷺ نے ایک عظیم الشان خطبہ ارشاد فرمایا جس میں تمام تفرقے، تمام حدبندیاں اور تمام نسلی ولسانی امتیازات کو مٹاتے ہوئے ارشاد فرمایا:

> ''یاأیُّھاالنَّاس إنَّ ربَّکم واحد وإنَّ أباکم واحد ألا لافضل لعربی علی أعجمی ولالعجمی علی عربيٍ ولا لأحمر علی أسود ولاأسود علی أحمر إلا بالتّقوی''[191]

> ترجمہ: اے لوگو بے شک تمہارا رب ایک ہے اور بے شک تمہارا باپ ایک ہے، کسی عربی کو عجمی پر، کسی عجمی کو کسی عربی پر اور نہ سرخ کو سیاہ پر اور سیاہ کو سرخ پر کوئی فضیلت حاصل ہے، سوائے تقویٰ کے۔

اس خطبے کو تاریخ میں "حجۃ الوداع" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔[192]

غزوات و سرایا کی تعداد:

غزوات و سرایا کی تعداد کے بارے میں عیون الاثر کے مصنف لکھتے ہیں:

"كَانَ عَدَدمَغَازِي رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الَّتِي غَزَا بِنَفْسِهِ سَبْعًا وَعِشْرِينَ، وَكَانَتْ سَرَايَاهُ الَّتِي بَعَثَ فِيهَا سَبْعًا وَأَرْبَعِينَ سَرِيَّةً"[193]

ترجمہ: غزوات کی تعداد جن میں رسول اللہ ﷺ بنفس نفیس شریک ہوئے، ۲۷ ہے اور سرایا کی تعداد جن میں آپ ﷺ نے نمائندے بھیجے ۴۷ ہے۔

وصال:

۱۱ھ ماہ صفر میں نبی کریم ﷺ علیل ہوگئے۔جب مرض کی شدت میں اضافہ ہوا تو آپ ﷺ نے تمام ازواج مطہرات سے اجازت لے کر حضرت عائشہؓ کے حجرے میں قیام فرمایا۔

امام ابن جریر طبری تاریخ طبری میں رقم طراز ہیں:

أما اليوم الذي مات فيه رسول الله، فلا خلاف بين أهل العلم بالأخبار فيه أنه كان يوم الاثنين من شهر ربيع الأول۔[194]

ترجمہ: جس دن رسول اللہ ﷺ کا وصال مبارک ہوا، اس میں اہل علم کا کوئی اختلاف نہیں کہ وہ ربیع الاول کے مہینے کا پیر کا دن تھا۔

متذکرہ بالا روایت کے مطابق آپ ﷺ کا وصال مبارک ربیع الاول کے مہینے میں پیر کے دن ہوا۔

2۔دین اسلام کی بنیادی تعلیمات

عقائد:

تعلیم کے لحاظ سے اسلام دو بڑے حصوں پر مشتمل ہے ایک اعتقادی دوسرا عملی، پہلے حصے کو اصولِ ایمان کہا جاتا ہے جبکہ دوسرے حصے سے مراد وہ تعلیم ہے جو مسلمان کو زندگی گزارنے کے اصول وضوابط سکھاتی ہے۔سورۃ

النساء میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے اجزائے ایمان بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

''يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي نَزَّلَ عَلَىٰ رَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي أَنزَلَ مِن قَبْلُ ۚ وَمَن يَكْفُرْ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا ﴿١٣٦﴾''[195]

ترجمہ:''اے ایمان والو! ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور اس کتاب پر جو نازل فرمائی ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر اور اس کتاب پر جو نازل کی اس سے پہلے اور جو کفر کرے اللہ کے ساتھ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں اور روز آخرت کے ساتھ تو وہ گمراہ ہوا اور گمراہی میں دور نکل گیا''۔

مندرجہ بالا آیت مبارکہ کی روشنی میں دینِ اسلام کے پانچ بنیادی عقائد ہیں۔ عقیدہ توحید، ملائکہ پر ایمان، الہامی کتب پر ایمان، عقیدہ رسالت اور عقیدہ آخرت۔

عقیدہ توحید:

قرآن مجید میں تمام اسلامی تعلیم اللہ تعالیٰ ہی کی ذات کے ارد گرد گھومتی ہے۔ شریعت اسلامیہ کی رو سے اللہ تبارک و تعالیٰ کو اس کی ذات اور صفات کے اعتبار سے اکیلا و یکتا ماننا اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا عقیدہ توحید کہلاتا ہے۔ جب کوئی شخص دائرہ اسلام میں داخل ہوتا ہے تو اس بات کا اقرار کرتا ہے کہ کائنات کا خالق و مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے، وہ واحد ہے، اس کا کوئی ثانی نہیں، وہ بے مثل ہے اور اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ قرآن مجید میں اللہ رب العزت نے بار بار اپنی وحدانیت کا اظہار فرمایا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ''[196]

ترجمہ:''اللہ (وہ ہے کہ) کوئی عبادت کے لائق نہیں بغیر اس کے''۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

''لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا''[197]

ترجمہ:''اگر ہوتے زمین و آسمان میں کوئی اور خدا سوائے اللہ تعالیٰ کے تو یہ دونوں برباد ہو جاتے''۔

پوری کائنات ایک باضابطہ قانون کے تحت چل رہی ہے۔ کہیں بھی کوئی رخنہ و بے ترتیبی نہیں۔ لہذا کائنات کا نظم و ضبط اور اس کی ترتیب اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اس کے پیچھے ایک مدبر ہستی موجود ہے جو اس کائنات کو چلا رہی ہے اور وہ صرف ایک ہے۔ توحید کو نہایت جامع الفاظ میں سورہ اخلاص میں بیان کیا گیا ہے:

''قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ﴿١﴾ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ﴿٢﴾ لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ ﴿٣﴾ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ﴿٤﴾''198

ترجمہ: ''تم فرماؤ وہ اللہ ہے وہ ایک ہے۔ اللہ بے نیاز ہے۔ نہ اس کی کوئی اولاد، اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوا۔ اور نہ اس کے جوڑ کا کوئی''۔

قرآن مجید میں جہاں توحید باری تعالیٰ کے بارے میں واضح تعلیمات ملتی ہیں وہیں شرک کی شدید مذمت بھی بیان کی گئی ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ''199

ترجمہ: ''بیشک شرک بڑا ظلم ہے''۔

غرضیکہ قرآن مجید میں شرک کی ممانعت کی گئی ہے اور اسے بہت بڑا ظلم قرار دیا گیا ہے۔

ملائکہ پر ایمان:

ملائکہ جمع ہے جس کا واحد ''مَلَک'' ہے اور اس کا معنی ''فرشتہ'' ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ پر ایمان لانے کے ساتھ ساتھ فرشتوں کے وجود پر بھی ایمان لانا دین کی بنیادی ضروریات میں سے ہے، فرشتوں کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے نور سے تخلیق فرمایا اور انہیں ہماری نظروں سے اوجھل کر دیا، وہ ہر وقت حکم الٰہی کے تابع رہتے ہیں اللہ رب العزت نے ملائکہ پر مختلف ذمہ داریاں عائد کی ہوئی ہیں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ ﴿١٠﴾ كِرَامًا كَاتِبِيْنَ ﴿١١﴾ يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ ﴿١٢﴾''200

ترجمہ: ''حالانکہ تم پر نگران (فرشتے) مقرر ہیں جو معزز ہیں۔ (حرف بحرف لکھنے والے ہیں) جانتے ہیں جو کچھ تم کرتے ہو''۔

فرشتوں کی اصل تعداد صرف اللہ تعالیٰ کی ذات مبارکہ جانتی ہے البتہ چار مشہور فرشتے حضرت جبرئیل، حضرت میکائیل، حضرت اسرافیل، اور حضرت عزرائیل علیہم السلام ہیں۔

الہامی کتب پر ایمان:

دین اسلام میں الہامی کتب پر ایمان لانا بھی ایمان کا حصہ ہے کیونکہ یہی وہ ذریعہ ہے جس کے واسطے سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے احکامات سے روشناس کرائے۔ لہذا قرآن مجید میں تمام کتبِ سماویہ پر ایمان لانا ضروری قرار دیا گیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

''وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِکَ'' 201

ترجمہ: ''اور وہ جو ایمان لائے اس پر (اے حبیب) جو اتارا گیا ہے آپ پر اور جو اتارا گیا آپ سے پہلے''۔

تمام الہامی کتب میں سے صرف قرآن مجید اپنی اصل حالت میں موجود ہے اس کے علاوہ تمام کتبِ سماویہ میں تحریف وترمیم کر دی گئی ہے۔ قرآن مجید تمام الہامی کتب کی تعلیمات کا نچوڑ ہے اور اس کی حفاظت کا ذمہ خود اللہ تبارک وتعالیٰ نے لیا ہے اس لیے اس میں کبھی بھی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ'' 202

ترجمہ: ''بیشک ہم نے اتارا ہے یہ قرآن اور بیشک ہم خود اس کے نگہبان ہیں''۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے جتنی بھی کتب وصحائف نازل فرمائے ان میں چار مشہور کتابیں توریت، زبور، انجیل اور قرآن مجید ہیں جو مختلف انبیاء کرام پر نازل کی گئیں، ان میں قرآن مجید اللہ رب العزت کی جانب سے نازل ہونے والی آخری کتاب ہے جو اس نے اپنے حبیب حضرت محمد ﷺ پر نازل فرمائی۔

عقیدہ رسالت:

جس طرح تمام کتب سماوی پر ایمان لانا ضروری ہے اسی طرح اللہ رب العزت نے انسانوں کی ہدایت کے لیے کم وبیش ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء ورسل بھیجے ان پر بھی ایمان لانا ضروری ہے۔ اسلامی تعلیمات کی رو سے اللہ تعالیٰ کا پیغام اس کے بندوں تک پہنچانے کو رسالت کہتے ہیں اور جو شخص اس منصب پر مامور ہو وہ رسول کہلاتا ہے۔ انبیاء علیہم السلام وہ مقدس اور پاکیزہ نفوس ہیں جن کے قلوب پر حضرت جبرئیل علیہ السلام اللہ تبارک وتعالیٰ کا پیغام یعنی وحی لیکر اترتے تھے۔ رسول، اللہ رب العزت کا نمائندہ ہوتا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان لانے کے لیے اس امر کی شدید ضرورت تھی کہ کوئی ایسی ہستی ہو جو تمام انسانوں کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی وحدانیت ویکتائی

کے بارے میں جامع ومانع معلومات مہیا کرے اور یہ فریضہ چونکہ تمام انبیاء ورسل نے ادا کیا اس لیے عقیدہ توحید و عقیدہ رسالت کا آپس میں بہت گہرا تعلق ہے گویا کہ دونوں باہم لازم وملزوم ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''وَإِنْ مِّنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ ﴿٢٤﴾'' 203

ترجمہ: ''اور جو کوئی گروہ تھا سب میں ایک ڈر سنانے والا گزر چکا''۔

قرآن مجید میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے انبیاء ورسل کی بعثت کا مقصد بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا:

''كَمَا أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولًا مِّنكُمْ يَتْلُو عَلَيْكُمْ آيَاتِنَا وَيُزَكِّيكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ'' 204

ترجمہ: ''جیسے کہ ہم نے تم میں بھیجا ایک رسول تم میں سے کہ تم پر ہماری آیتیں تلاوت فرماتا ہے اور تمہیں پاک کرتا اور کتاب اور پختہ علم سکھاتا ہے''۔

سب سے پہلے نبی حضرت آدم علیہ السلام ہیں جبکہ سب سے آخری نبی حضرت محمد ﷺ ہیں، باقی تمام انبیاء ورسل انکے درمیان گزرے ہیں۔

عقیدہ آخرت:

دین اسلام میں حیات بعد الممات کا تصور بہت ہی جامع ومانع انداز میں پیش کیا گیا ہے اور جو عقیدہ آخرت کے نام سے موسوم ہے۔ عقیدۂ آخرت سے مراد یہ ہے کہ دنیاوی زندگی عارضی وناپائیدار ہے جبکہ اخروی زندگی دائمی ہے۔ ایک دن اس کائنات کی ہر چیز کو فنا کردیا جائے گا۔ تمام انسانوں کو دوبارہ زندہ کر دیا جائے گا اور ان سے ان کے اعمال کا حساب وکتاب لیا جائے گا۔ قرآن مجید میں کئی مقامات پر اللہ رب العزت نے اس بات کی نشاندہی فرمائی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''زَعَمَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَن لَّن يُبْعَثُوا قُلْ بَلَىٰ وَرَبِّي لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ وَذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ'' 205

ترجمہ: ''کمان کرتے ہیں کفار کہ انہیں ہر گز دوبارہ زندہ نہ کیا جائے گا فرمایئے کیوں نہیں میرے رب کی قسم تمہیں ضرور زندہ کیا جائے گا پھر تمہیں آگاہ کیا جائے گا جو تم کیا کرتے تھے اور یہ اللہ کے لیے بہت آسان ہے''۔

قرآن مجید نے یوم آخرت پر ایمان لانے کو بہت اہمیت دی ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالنَّصَارَىٰ وَالصَّابِئِينَ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٦٢﴾'' 206

ترجمہ: ''بیشک ایمان والے نیز یہودیوں اور نصرانیوں اور ستارہ پرستوں میں سے وہ کہ سچے دل سے اللہ اور پچھلے دن پر ایمان لائیں اور نیک کام کریں ان کا ثواب ان کے رب کے پاس ہے اور نہ انہیں کچھ اندیشہ ہو اور نہ کچھ غم''۔

یوم قیامت پر ایمان لانے کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس سے انسان کے دل میں جواب دہی کا احساس پیدا ہوتا ہے، اگر انسان کے دل میں یہ یقین راسخ ہو جائے کہ وہ ایک عظیم ہستی کے سامنے اپنے اعمال کے بارے میں جواب دہ ہوگا تو وہ نیک کاموں کی طرف رغبت اختیار کرے گا اور برے کاموں سے اجتناب کرے گا۔

جنت و دوزخ:

اعمال کے حساب و کتاب کے بعد ان کے لئے جزا و سزا کا تعین کیا جائے گا جن کے اعمال کا پلڑا بھاری ہوگا انہیں بطورِ انعام جنت عطا کی جائے گی اس کے متعلق اللہ تبارک و تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

''إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْكَبِيرُ'' 207

ترجمہ: ''جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ان کے لیے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں۔ یہی بڑی کامیابی ہے''۔

جن کے نیک اعمال کا پلڑا ہلکا ہوگا اور انہوں نے اپنی زندگی اللہ رب العزت اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی میں گزاری ہوگی ان کا ٹھکانہ جہنم ہوگا۔ اس کی نشاندہی اللہ تبارک و تعالیٰ نے درج ذیل آیت مبارکہ میں فرمائی ہے:

''إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا وَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ'' 208

ترجمہ: ''بے شک وہ لوگ جنہوں نے کفر اختیار کیا نہ بچا سکیں گے انہیں انکے مال اور ان کی اولاد اللہ (کے عذاب) سے کچھ بھی اور وہی (بدبخت) ایندھن ہیں آگ کا''۔

مندرجہ بالا آیات مبارکہ سے ثابت ہوتا ہے کہ اعمال کے اعتبار سے انسان کے ابدی ٹھکانے کا تعین کیا جائے گا۔ جس نے دنیا میں اللہ تبارک و تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کی ہو گی اس کا ٹھکانہ جنت میں ہو گا اور جس نے اپنی زندگی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی میں گزاردی ہو گی اس کا ٹھکانہ جہنم ہو گا۔

ارکان اسلام:

ارکان جمع ہے جس کا واحد ''رکن'' ہے۔ ارکان اسلام سے مراد وہ پانچ بنیادیں ہیں جن پر دین اسلام کی عمارت تعمیر کی گئی ہے۔ ارکان اسلام کا تذکرہ درج ذیل حدیث مبارکہ میں کیا گیا ہے:

''عَنِ ابْنِ عُمَرَ، رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: بُنِيَ الإِسْلاَمُ عَلَى خَمْسٍ: شَهَادَةِ أَنْ لاإِلَهَ إِلَّااللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًارَسُولُ اللَّهِ، وَإِقَامِ الصَّلاَةِ، وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ، وَالحَجِّ، وَصَوْمِ رَمَضَانَ'' [209]

ترجمہ: ابن عمر سے مروی ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا کہ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے، اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے آخری رسول ہیں اور نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ ادا کرنا اور حج کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا۔

ارکان اسلام کی تفصیل درج ذیل ہے:

توحید ورسالت کی گواہی:

شہادت کا مطلب ہے گواہی دینا۔ دین اسلام کا پہلا اور بنیادی رکن یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی گواہی دے اور اقرار کرے کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی معبود ہے، اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہی ہمارا حاکم ہے، ہم سب اسی کے محتاج ہیں اور توحید کے ساتھ اس بات کا اقرار کرنا کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور اللہ تبارک و تعالیٰ کے آخری نمائندے کا اعزاز صرف آپ ﷺ کو حاصل ہے۔

نماز:

دین اسلام کا دوسرا رکن ''نماز'' ہے قرآن مجید میں نماز کے لیے صلوٰۃ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جس کے معنی دعا اور درود و سلام کے ہیں، شریعتِ اسلامیہ کی رو سے نماز مخصوص ارکان پر مشتمل وہ طریقہ عبادت ہے جو اللہ تبارک و تعالیٰ نے انبیاء کرام کے ذریعے انسانوں کو سکھایا، مسلمانوں پر پنجگانہ نماز 27 رجب 11 نبوی شب معراج میں

فرض کی گئی، قرآن مجید میں بیشتر مقامات پر اللہ تبارک و تعالیٰ نے نماز کی ادائیگی کا حکم دیا ہے سورہ روم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ'' 210

ترجمہ: ''قائم کرو نماز کو اور نہ ہو جاؤ (ان) مشرکوں میں سے''۔

سورہ نساء میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے نماز کی فرضیت سے متعلق ارشاد فرمایا:

''اِنَّ الصَّلٰوۃَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ﴿۱۰۳﴾'' 211

ترجمہ: ''بیشک نماز مسلمانوں پر فرض کی گئی ہے اپنے اپنے مقررہ وقت تک''۔

نماز اللہ تبارک و تعالیٰ سے ملاقات اور تزکیہ نفس کے حصول کا ذریعہ ہے، نماز بے حیائی و برائی سے روکتی ہے جس سے انسان تزکیہ نفس کی منازل طے کرتا ہے۔

روزہ:

دین اسلام کا تیسرا رکن ''روزہ'' ہے جس کے لیے عربی زبان میں لفظ ''صوم'' استعمال کیا جاتا ہے صوم کا مطلب ہے رک جانا، اپنے آپ کو باز رکھنا۔ شرعی اصطلاح میں صبح صادق سے لیکر آفتاب کے غروب ہونے تک خود کو عبادت کی نیت سے کھانے پینے اور نفسانی خواہشات سے روکنے کا نام روزہ ہے روزہ سن ۲ھ میں فرض ہوا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَیْكُمُ الصِّیَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۸۳﴾'' 212

ترجمہ: ''اے ایمان والو! فرض کئے گئے تم پر روزے جیسے فرض کیے گئے تھے ان لوگوں پر جو تم سے پہلے تھے کہ کہیں تم پرہیزگار بن جاؤ''۔

دین اسلام میں روزے کا بنیادی مقصد تقویٰ و پرہیزگاری کا حصول اور روحانی تربیت ہے، روزے کا ایک اہم معاشرتی پہلو یہ بھی ہے کہ اس میں انسانوں کو بھوک، پیاس اور دیگر نفسانی خواہشات کو برداشت کرنے کی مشق کروائی جاتی ہے جس سے انسانوں میں صبر و برداشت اور تحمل کا مادہ فروغ پاتا ہے تاکہ جب کوئی فریادی یا فقیر اس سے اپنی بھوک و پیاس کی شکایت کرے تو وہ اس کی تکلیف کا احساس کرتے ہوئے فوراً اس کی تکلیف کو رفع کرنے کے لیے اقدامات کریں۔

زکوۃ:

دین اسلام کا چوتھا رکن "زکوۃ" ہے زکوۃ کا لغوی معنی ہے بڑھنا، نشو ونما پانا اور پاک کرنا۔ شرعی اصطلاح میں زکوۃ سے مراد وہ مخصوص رقم ہے جو صاحب نصاب شخص اپنے مال میں سے جب اس پر پورا سال گزر جائے تو عبادت اور ثواب کی نیت سے اللہ کی رضا کے لیے ادا کرتا ہے۔ زکوۃ سن ۲ھ میں فرض ہوئی، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِندَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٢٧٧﴾" 213

ترجمہ: "بے شک جو لوگ ایمان لائے اور کرتے رہے اچھے عمل اور صحیح صحیح ادا کرتے رہے نماز کو اور دیتے رہے زکوۃ کو ان کے لیے ان کا اجر ہے ان کے رب کے پاس نہ کوئی خوف ہے انہیں اور نہ وہ غمگین ہونگے"۔

اللہ رب العزت اور نبی کریم ﷺ نے متعدد مقامات پر مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ اپنے اموال میں سے زکوۃ و صدقات کو ضرورت مندوں میں تقسیم کریں۔ زکوۃ کی فرضیت کا سبب یہ ہے کہ دولت پورے معاشرے میں گردش کرتی رہے تاکہ امیر، امیر ترین نہ ہوجائے اور غریب، غریب ترین نہ ہو جائے بلکہ معاشرے میں ایک متوازن معاشی نظام قائم ہو۔

حج:

دینِ اسلام کا پانچواں رکن "حج" کہلاتا ہے جس کا لغوی مطلب ہے، قصد کرنا، ارادہ کرنا۔ شریعتِ اسلامیہ کی رو سے ماہِ ذوالحج کی مخصوص تاریخوں میں بیت اللہ کی زیارت اور دیگر مناسک ادا کرنا "حج" کہلاتا ہے، حج سن ۹ھ میں فرض

ہوا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وَلِلَّهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا" 214

ترجمہ: "اور اللہ کے لیے فرض ہے لوگوں پر "حج" اس کے گھر کا جو طاقت رکھتا ہو وہاں تک پہنچنے کی"۔

حج کے موقع پر پوری دنیا کے مسلمان چاہے وہ کسی زبان، رنگ، نسل وغیرہ سے تعلق رکھتے ہوں، ایک مقصد اور پرچم توحید کے تلے یکجاں ہو کر مساوات کا بے مثال مظاہرہ کرتے ہیں۔

اسلام کا نظامِ اخلاق:

دین اسلام محض ایک نظریہ ہی نہیں بلکہ ایک مکمل نظام ہے، جو انسان کو ایک ضابطہ حیات عطا کرتا ہے، اس کی ہدایات اور احکامات کا دائرہ زندگی کے ہر گوشے تک پھیلا ہوا ہے تمام شعبہ جات کی طرح دین اسلام اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ زندگی کا اخلاقی پہلو بھی ہدایتِ الٰہی کے نور سے منور ہو۔ دین اسلام میں اخلاقِ حسنہ کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنی بعثت و رسالت کے متعلق ارشاد فرمایا:

''بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ حُسْنَ الْأَخْلَاقِ'' 215

ترجمہ: مجھے حسنِ اخلاق کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہے۔

آپ ﷺ کے اخلاق کے بارے میں اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

''وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ'' 216

ترجمہ: ''اور بے شک آپ عظیم الشان خلق کے مالک ہیں''۔

اخلاق حسنہ سے مراد وہ تمام اعمال ہیں جن کے ذریعے انسان دوسروں کو بھلائی پہنچانے کی کوشش کرتا ہے تاکہ معاشرے میں امن و سکون کا قیام ہو۔ چند اخلاق فاضلہ کا تذکرہ درج ذیل ہے۔

1۔ صدق:

تمام الہامی و غیرہ الہامی مذاہب میں سچ کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ دین اسلام اپنے پیروکاروں کو سچ بولنے کی تعلیم دیتا ہے اور جھوٹ بولنے سے منع کرتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا'' 217

ترجمہ: ''اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو اور ہمیشہ سچی (اور درست) بات کہا کرو''۔

سچ ہی وہ بنیادی صفت ہے جس کی بناء پر اعتماد اور بھروسے کا رشتہ قائم ہوتا ہے جبکہ جھوٹ سے بے اعتمادی و بے اعتباری جنم لیتی ہے۔

2۔ مشاورت:

اسلام دینِ فطرت ہے جو اپنے پیروکاروں سے اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ وہ اپنے انفرادی و اجتماعی امور

باہمی مشاورت سے طے کریں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَنَاجَيْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُولِ وَتَنَاجَوْا بِالْبِرِّ وَالتَّقْوَى وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ'' 218

ترجمہ: ''اے ایمان والو! جب تم خفیہ مشورہ کرو تو مت خفیہ مشورہ کرو گناہ، زیادتی اور رسول کریم ﷺ کی نافرمانی کے متعلق بلکہ نیکی اور تقوی کے بارے میں مشورہ کیا کرو اور ڈرتے رہو اللہ سے جس کی (بارگاہ میں) تمہیں جمع کیا جائے گا''۔

مندرجہ بالا نصِ قرآنی سے باہمی معاملات میں مشورے کی اہمیت کو اجاگر کرتے ہوئے نیکی اور تقوی کے کاموں میں مشورہ کرنے کا حکم دیا جارہا ہے۔

3۔ امانت:

دین اسلام نے امانت کی حفاظت پر زور دیا ہے اور خیانت کو نہایت مذموم فعل قرار دیا ہے۔ امانت کی بحفاظت سپردگی سے متعلق اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

''إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَى أَهْلِهَا'' 219

ترجمہ: ''بے شک اللہ تعالیٰ حکم فرماتا ہے تمہیں کہ (ان کے) سپرد کرو امانتوں کو جو ان کے اہل ہیں''۔

یہی وجہ ہے کہ نبی کریم ﷺ اپنی صفتِ صداقت و امانت کی بناء پر صادق اور امین کے لقب سے پکارے جاتے تھے۔

4۔ عدل وانصاف:

عدل و انصاف سے مراد ہے کہ ہر شخص کو اس کا حق ٹھیک ٹھیک ادا کیا جائے اور اس کے ساتھ زیادتی و ناانصافی نہ کی جائے۔ دین اسلام میں عدل وانصاف کی بہت اہمیت ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ'' 220

ترجمہ: ''اور جب بھی فیصلہ کرو لوگوں کے درمیان تو فیصلہ کرو انصاف سے''۔

آپ ﷺ کی حیاتِ مبارکہ عدل وانصاف کی مثالوں سے لبریز ہے، آپ ﷺ نے عدل وانصاف کے قیام

میں غیر جانبداری کا مظاہرہ فرمایا اور اپنی امت کو بھی یہی طرز اپنانے کی تلقین کی۔

5۔ ایفائے عہد:

ایفائے عہد سے مراد زبان اور عمل کی سچائی ہے یعنی قول و قرار کو پورا کرنا۔ دین اسلام کی رو سے جو شخص بھی کسی دوسرے شخص سے کوئی عہد و پیمان کرتا ہے تو بروز قیامت اس سے اس کے متعلق بازپرس کی جائے گی۔

سورہ مائدۃ میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

"وَأَوْفُوا بِالْعَهْدِ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُولًا" 221

ترجمہ: "اور پورا کیا کرو اپنے عہد کو بے شک ان وعدوں کے بارے میں (تم سے) پوچھا جائے گا"۔

یہی وجہ ہے کہ دینِ اسلام نے اپنے پیروکاروں کو صفتِ ایفائے عہد کی پاسداری کرنے کی بارہا تلقین کی ہے۔

6۔ تعاون کرنا:

اسلامی معاشرے کی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت باہمی تعاون کی ہے جس کے بارے میں واضح احکامات ملتے ہیں، قرآن کریم میں نیکی اور پرہیزگاری کے امور میں تعاون کرنے کا حکم دیا گیا ہے، یہ ایک ایسی صفت ہے جس کی بدولت اخلاص، ہمدردی اور مدد کے جذبات فروغ پاتے ہیں جو معاشرے کی بہتری اور ترقی میں مثبت کردار ادا کرتے ہیں، قرآن کریم میں نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرنے کے بارے میں اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

"وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَى" 222

ترجمہ: "اور ایک دوسرے کی مدد کرو نیکی اور تقوی (کے کاموں) میں"۔

7۔ صلح کروانا:

صلح سے مراد دو اشخاص کے مابین باہمی لڑائی جھگڑے یا غلط فہمی کو دور کر کے ان کے باہمی تنازعے کا حل پیش کرنا ہے، قرآن کریم میں مومنین کو صلح کروانے کا حکم دیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

"فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ" 223

ترجمہ: ”پس صلح کرادیا کرو اپنے دو بھائیوں کے درمیان“۔

کیونکہ دین اسلام قیامِ امن کی تلقین کرتا ہے جبکہ لڑائی جھگڑا، فتنہ وفساد اور اشتعال انگیزی کی ممانعت کرتا ہے۔

8۔صبر:

صبر کا لغوی معنی ہے ”رکنا، یا برداشت کرنا“۔ صبر کسی بھی مالی یا جانی نقصان پر زبان سے شکوۂ رنج والم کے بجائے تحمیدی کلمات یا کلمات تشکر ادا کرنے کو کہتے ہیں، قرآنی تعلیمات میں نماز اور صبر سے مدد طلب کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ“ 224

ترجمہ: ”اور مدد کو صبر اور نماز سے“۔

9۔والدین اور بزرگوں کا احترام:

اسلام دینِ فطرت ہے جس نے ہر رشتے کو تقدس فراہم کیا ہے۔ انسان کے دنیوی تعلقات میں والدین اور اولاد کا تعلق باہم بہت اہمیت رکھتا ہے کیونکہ ہر رشتے کی ابتداء یا تو باپ کی نسبت سے ہوتی ہے یا ماں کی نسبت سے، دین اسلام نے والدین کے ساتھ ساتھ اساتذہ اور بزرگوں کا ادب و احترام کرنے کی تلقین کی ہے، قرآن کریم میں والدین سے متعلق خصوصی احکامات ملتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”وَقَضَى رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا إِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلَاهُمَا فَلَا تَقُلْ لَهُمَا أُفٍّ وَلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا“ 225

ترجمہ: ”اور حکم فرمایا آپ کے رب نے کہ نہ عبادت کرو بجز اس کے اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو اگر بڑھاپے کو پہنچ جائے تیری زندگی میں ان دونوں میں سے کوئی ایک یا دونوں تو انہیں اُف تک مت کہو اور انہیں مت جھڑکو اور جب ان سے بات کرو تو بڑی تعظیم سے بات کرو“۔

چنانچہ دین اسلام میں عبادات و اعتقادات کے ساتھ ساتھ معاملات و اخلاقیات پر بھی بہت زور دیا گیا ہے اور روزمرہ زندگی کے افعال سے متعلق مکمل رہنمائی موجود ہے، اسلام نے جہاں اپنے پیروکاروں کو صدق، مشاورت، امانت، باہمی تعاون، صلح، ایفائے عہد، والدین اور بزرگوں کا احترام کرنے کی تلقین فرمائی ہے وہیں رذائل اخلاق

جیسے جھوٹ، غیبت، حسد، بد گمانی، طعنہ زنی، بد زبانی، فتنہ و فساد، چغلی اور شر انگیزی سے بچنے کا حکم دیا ہے تا کہ اہل ایمان خود کو صفاتِ حسنہ سے متصف کر کے قربِ الٰہیٰ حاصل کریں اور ایک منظم معاشرہ وجود میں آسکے۔

اسلام کا نظامِ معاشرت:

معاشرہ افراد کے اجتماع اور باہم مل جل کر زندگی گزارنے کا نام ہے، انسان چونکہ اپنی فطرت میں اجتماعی زندگی کا محتاج ہوتا ہے، اس لیے دینِ اسلام معاشرت کا ایسا نظام عطا کرتا ہے جس کی بنیاد وحدتِ نسلِ انسانی، مساوات، احترامِ انسانیت اور عملی اتحاد جیسے زریں اصولوں پر رکھی گئی ہے، اسلام کے نظام معاشرت میں جہاں حقوق العباد کا خیال رکھا گیا ہے وہیں ان قوانین کو بھی مد نظر رکھا گیا ہے جو معاشرے کے عروج اور اس کے بہتری و بقا کے لیے مفید ثابت ہوں۔ اسلامی معاشرہ درج ذیل خصوصیات کا حامل ہے:

وحدتِ نسل انسانی:

دینِ اسلام نسل انسانی کی وحدت کا داعی ہے لوگوں کے درمیان قومی، نسلی اور لسانی امتیازات کا قلع قمع کرتا ہے، اللہ تبارک و تعالیٰ نے قرآن مجید میں کئی مقامات پر اس بات کی نشاندہی فرمائی کہ تمام انسانوں کو ایک جان سے پیدا کیا گیا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِیْرًا وَّنِسَآءً''[226]

ترجمہ: ''اے لوگو! ڈرو اپنے رب سے جس نے پیدا فرمایا تمہیں ایک جان سے اور پیدا فرمایا اسی سے جوڑا اس کا اور پھیلا دیئے ان دونوں سے مرد کثیر تعداد میں اور عورتیں (کثیر تعداد میں)''۔

اسی نظریے کی بنیاد پر معاشرے کا امن قائم ہوتا ہے اور معاشرہ ترقی کی راہ پر گامزن رہتا ہے۔

اتحاد و اتفاق:

دین اسلام اپنے پیروکاروں سے اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ وہ آپس میں اتحاد و یگانگت کے ساتھ زندگی بسر کریں اور تفرقہ بازی نہ کریں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا''[227]

ترجمہ: ''اور مضبوطی سے پکڑ لو اللہ کی رسی سب مل کر اور جدا جدا نہ ہونا''۔

احترامِ انسانیت:

اللہ رب العزت نے ہر انسان کو قابلِ عزت اور محترم بنایا ہے، اسلامی معاشرے میں انسان ہونے کی حیثیت سے سب کو برابری کا درجہ حاصل ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ''[228]

ترجمہ: ''اور بے شک ہم نے بڑی عزت بخشی اولادِ آدم کو''۔

مساوات:

دینِ اسلام کسی شخص کو زبان، رنگ اور نسل کی تفریق کی بناء پر کسی دوسرے شخص پر فوقیت نہیں دیتا بلکہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی نگاہ میں سب برابر ہیں، اسلامی معاشرے میں مساوات کا عنصر نمایاں نظر آتا ہے خاص طور پر نماز کی ادائیگی کے وقت جب امیر و غریب، غلام و آقا، بادشاہ و رعایا سب کندھے سے کندھا ملائے ایک ہی صف میں اللہ تبارک و تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہوتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً''229

ترجمہ: ''اے لوگو! ڈرو اپنے رب سے جس نے پیدا فرمایا تمہیں ایک جان سے اور پیدا فرمایا اسی سے جوڑا اس کا اور پھیلا دیئے ان دونوں سے مرد کثیر تعداد میں اور عورتیں (کثیر تعداد میں)''۔

مندرجہ بالا زریں اصولوں کی بناء پر ہی اسلامی معاشرہ دوسرے معاشروں سے منفرد مقام رکھتا ہے۔

دینِ اسلام کے بنیادی ماخذ:

دین اسلام میں عقائد و عبادات اور اخلاقیات و معاملات کے تمام تر احکامات قرآن کریم سے اخذ کردہ ہیں اور ان کی تشریح و توضیح احادیثِ مبارکہ سے ملتی ہے۔ اس طرح بنیادی ماخذِ اسلامی دو ہیں:

1۔ قرآن کریم　　　　2۔ حدیث نبوی ﷺ

قرآن کریم:

قرآن کریم دین اسلام کا بنیادی ماخذ ہے جو اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپ ﷺ کے قلبِ اطہر پر حضرت

جبرئیل علیہ السلام کے ذریعے تیئیس (۲۳) سال کے عرصے میں نازل کیا۔ قرآن کریم کی حفاظت کا ذمہ اللہ رب العزت نے خود لیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوۡنَ''

ترجمہ: ''بے شک ہم ہی نے اتارا ہے اس ذکر (قرآن مجید) کو اور یقیناً ہم ہی اس کے محافظ ہیں''۔[230]

یہی وجہ ہے کہ آج تک قرآن کریم شکوک وشبہات سے بالاتر ہے اور اس میں کسی قسم کی تحریف و ترمیم نہیں ہو سکی۔ نزول قرآن کے ساتھ ہی ساتھ اس کی کتابت کا بھی اہتمام کیا گیا۔ چند اصحاب رسول ﷺ اس کام پر مامور تھے کہ جب وحی کا نزول ہوتا وہ آپ ﷺ کی ہدایت کے مطابق اس کو ضبطِ تحریر میں لے آتے۔ آپ ﷺ کا تبین وحی کو بتادیا کرتے تھے کہ اس وحی کو فلاں صورت اور فلاں آیت سے پہلے یا بعد میں لکھ دیا جائے۔ اس دور میں کتابت قرآن کے لیے مختلف اشیاء کا استعمال کیا جاتا تھا۔ عبد العظیم زرقانی نے مناہل العرفان فی علوم القرآن میں درج ذیل اشیاء بیان کی ہیں:

''العســـب واللخـاف والرقـاع وقطع الأديم وعظـام الأكتـاف والأضلاع''.[231]

ترجمہ: کھجور کی شاخیں، پتھر کی پتلی پتلی تختیاں، چمڑے یا کاغذ کے ٹکڑے، اونٹ یا بکری کے شانے کی چوڑی ہڈیاں اور پسلیاں۔

چونکہ قرآن کریم کو عہد نبوی میں ہی مختلف اشیاء پر لکھا اور سینوں میں محفوظ کیا جانے لگا اس لیے اس میں کسی قسم کے شک وشبہے کی گنجائش نہیں۔ قرآن مجید کو باقاعدہ کتابی صورت حضرت ابو بکر صدیقؓ کے عہد خلافت میں دی گئی اور قرآن پاک کے منتشر اجزاء کو جو کہ متفرق اشیاء پر مشتمل تھے ایک مصحف کی شکل میں ترتیب دیا گیا۔ لہذا پوری ذمہ داری کے ساتھ اس بات کا دعویٰ کیا جاسکتا ہے کہ آج جس صورت میں قرآن مجید موجود ہے یہ بعینہ وہی الفاظ ہیں جو دورِ رسالت میں زبان محمد ﷺ پر جاری ہوا کرتے تھے۔

حدیث نبوی ﷺ:

حدیث نبوی ﷺ دین اسلام کا دوسرا ماخذ ہے۔ آپ ﷺ کے قول، فعل اور تقریر کو حدیث کہا جاتا ہے۔ آپ ﷺ جو کچھ اپنی زبان سے ارشاد فرماتے وہ اللہ رب العزت کی مرضی ومنشاء ہوتی۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى"

ترجمہ: "اور وہ تو بولتا ہی نہیں اپنی خواہش سے۔ نہیں ہے یہ مگر وحی جو انکی طرف کی جاتی ہے"۔[232]

ابتدائے اسلام ہی سے جانثارانِ اسلام نے ان تقریرات کو اپنے سینوں میں محفوظ کرنا شروع کر دیا۔ کیونکہ صحابہ کرام کے نزدیک یہ آپ ﷺ کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے فرمودات ہی نہ تھے بلکہ یہ وہ زریں اصول تھے جن کے مطابق انہوں نے اپنی زندگیوں کو ڈھال لیا تھا۔ عہد رسالت ﷺ میں ہی ان فرمودات کو باقاعدہ ضبط تحریر میں لانا شروع کر دیا گیا تھا جیسا کہ عبد اللہ بن عمرو بن العاص لکھا کرتے تھے۔ یہاں سے تحریر حدیث کا آغاز ہوا لیکن جب مملکتِ اسلامیہ کی حدود وسیع ہونے لگیں تو 100ھ میں باقاعدہ کتابت حدیث کا کام شروع کیا گیا۔ تدوین حدیث کا سنہری دور تیسری صدی ہجری کا ہے جس میں صحاح ستہ مدوّن ہوئیں۔ احادیث کے وہ مجموعے جو سب سے زیادہ صحیح اور مستند مانے جاتے ہیں صحاح ستہ کہلاتے ہیں۔ ذیل میں ان کے نام مع مؤلفین درج کئے جاتے ہیں:

نمبر شمار	محدث	کتاب
۱	امام محمد بن اسماعیل بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ متوفی ۲۵۶ھ	صحیح بخاری
۲	امام مسلم بن حجاج قشیری رحمہ اللہ تعالیٰ متوفی ۲۶۱ھ	صحیح مسلم
۳	شیخ محمد یزید ابن ماجہ رحمہ اللہ تعالیٰ متوفی ۲۷۳ھ	سنن ابن ماجہ
۴	امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث رحمہ اللہ تعالیٰ متوفی ۲۷۵ھ	سنن ابو داؤد
۵	امام محمد بن عیسیٰ ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ متوفی ۲۷۵ھ	جامع ترمذی
۶	امام احمد بن شعیب نسائی رحمہ اللہ تعالیٰ متوفی ۳۰۳ھ	سنن نسائی[233]

درج بالا چھ کتابیں صحیح احادیث کے مجموعے پر مشتمل ہیں۔

دین اسلام کی ترویج و اشاعت:

رسولِ کریم ﷺ کی حیات مبارکہ کا اصل مقصد دین اسلام کی دعوت کو عام کرنا تھا تاکہ دعوتِ حق کی آواز اطرافِ عالم کے کونے کونے تک پہنچ جائے آپ ﷺ نے اپنی تیرہ سالہ مکی زندگی میں اس فریضے کو بنفسِ نفیس خود سرانجام دیا اور قریش کے تمام تر مظالم و مصائب اور رکاوٹوں کے باوجود دین اسلام کی اشاعت و تبلیغ کے سلسلے کو جاری رکھا، آپ ﷺ شہر مکہ میں اور مکہ سے باہر بھی قبائل کو دعوتِ اسلام دیتے خاص طور پر جب حج کے موقع پر تمام قبائل دور دراز سے مکہ مکرمہ آتے تو آپ ﷺ خود ان کے پاس تشریف لے جاتے اور دعوتِ اسلام

دیتے، جو افراد اسلام قبول کر لیتے وہ اپنے اپنے علاقہ جات میں واپس جا کر اپنے قبیلے میں اس دعوت کو عام کرتے، یوں مکی زندگی میں اسلام کی اشاعت جاری رہی، آپ ﷺ کی مکی زندگی میں جن جلیل القدر ہستیوں نے اسلام قبول کیا ان میں سے چند کا تذکرہ پیشِ خدمت ہے:

"حضرت علی، حضرت ابو بکر، حضرت عثمان، عمر رضی اللہ تعالی عنہم جن کی علمی فضیلت، عملی کشش و طاقت، روشن ضمیری اور بہترین قابلیت کے اوصاف نے چار دانگ عالم کی رہنمائی کی۔ حضرت مصعب بن عمیر، حضرت جعفر طیار اور حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ تعالی عنہم جنہوں نے یثرب، حبش اور نجران کو وعظ کے ذریعے سے مسلمان کر لیا۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود، حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ تعالی عنہم جن کی علمی روایات سینکڑوں علمی نکات کی مخزن ہیں۔ حضرت زبیر، حضرت طلحہ، حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالی عنہم جن کی جاں نثاری و حق پسندی کی نظیر پیش کرنے سے تاریخ قاصر ہے۔ حضرت بلالؓ، حضرت سمیہؓ، حضرت یاسرؓ اور حضرت کعبؓ جنہوں نے اپنے استقلال و استقامت سے فرعون طبیعت ظالموں کو ظلم کرتے ہوئے تھکا دیا تھا۔ حضرت سکرانؓ، شموسؓ، ام حبیبہؓ و خینسؓ جنہوں نے دین حق کے لیے خویش و اقارب وطن و مولد کو چھوڑ کر حبش میں جا اقامت کی تھی۔ حضرت لبید اور سوید بن صامت الملقب کامل و انیس برادر ابو ذر رضی اللہ تعالی عنہم جیسے فصیح و بلیغ جو ایک ایک تقریر یا ایک ایک قصیدے سے کئی کئی قبیلوں پر قابو پا لیتے تھے"۔[234]

آپ ﷺ کو جن نمایاں خصوصیات سے نوازا گیا ان میں سے ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ "نبی ﷺ نے اسلام کو کل دنیا کا مذہب واحد کہہ کر پیش کیا ہے اور اسی لیے نبوت کے اس ابتدائی زمانے ہی سے جب شہر مکہ کے رہنے والے بھی اسلام سے بخوبی واقف نہ ہوئے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے دیگر ادیان کے لوگوں میں بھی تبلیغ کرنا شروع کر دیا تھا، حضرت بلال حبشی، صہیب رومی، سلمان فارسی، عداس نینوای رضی اللہ تعالی عنہم وہ بزرگوار ہیں جو حبش، یونان، ایران اور وسط ایشاء کی طرف سے ثمر اولین بن کر اسلام میں داخل ہوئے تھے"۔[235]

پھر جب آپ ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو دین اسلام کی اشاعت کا دائرہ اور وسیع ہو گیا صلح حدیبیہ کے بعد جب اندرونی و بیرونی شورشوں سے کچھ اطمینان حاصل ہوا تو آپ ﷺ نے مختلف ممالک کے سلاطین کو دعوتِ اسلام کے خطوط ارسال فرمائے۔ قاصدین اور سلاطین کے نام درج ذیل ہیں:

نمبر شمار	قاصدین	سلاطین
۱	حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ	قیصر روم
۲	حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ	خسرو پرویز کجکلاہ، ایران

۳	حضرت حاطب بن ابی بلتعہ	عزیز مصر
۴	حضرت عمرو بن امیہ	نجاشی بادشاہ حبش
۵	حضرت سلیط بن عمر بن عبد شمس	رؤسائے یمامہ
۶	حضرت شجاع بن وہب الاسدی	رئیس حدود شام، حارث غسّانی[236]

ان مبلغین اسلام کی بدولت کئی ممالک مثلاً حجاز، بحرین، یمن، یمامہ، نجد غرض پورے عرب میں اسلام کا پیغام پہنچا۔ جو قاصد جس علاقے کی طرف روانہ کیا گیا وہ وہاں کی زبان میں بھی مہارت رکھتا تھا، جن سلاطین نے نبی کریم ﷺ کی طرف سے بھیجے گئے قاصدین سے دین اسلام کی حقیقت دریافت کی اور اسلام قبول کیا ان کے نام درج ذیل ہیں:

ثمامہ: نجد کا حکمران تھا، سن ۶ھ میں مسلمان ہوا۔

حارث غسانی: عرب کی مشہور وقدیم سلطنت غسان کا حکمران تھا، سن ۷ھ میں مسلمان ہوا۔

فردہ بن عمرو خزاعی: علاقہ شام پر قیصر کی طرف سے گورنر تھا، جب یہ مسلمان ہوا تو قیصر نے سامنے بلایا اور حکم دیا کہ اسلام چھوڑ دے فردہ نے انکار کیا، قیصر نے اسے قید کر دیا اور پھر قتل کرا دیا خدا کے پیارے بندے نے دولت، حکومت، عزت اور جہان سب چیزیں ترک کر دیں مگر اسلام ترک نہ کیا۔

اکیدر: دومتہ الجندل کا حکمران تھا، سن ۹ھ میں مسلمان ہوا۔

ذی الکلاع حمیری: یمن وطائف کے بعض اضلاع میں اس کی حکومت تھی۔[237]

اس کے علاوہ چند وفود جنہوں نے مبلغین اسلام کی دعوت قبول کی اور آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، "دوس، صدا، ثقیف، عبد القیس، بنی حنیفہ، طے، اشعرئین، ازد، فردو جزامی، ہمدان، طارق بن عبد اللہ، تجیب، بنی سعد، ندیم، بنو اسد، ہرا، عذرا، خولان، محارب، غسان بنی الحارث، بنی عیّش، غامد، بنی فزارہ، سلامان، نجران، نخع"[238] ہیں۔

آپ ﷺ کی مکی و مدنی زندگی میں دینِ اسلام کی اشاعت جاری رہی، آپ ﷺ کے زمانہ مبارک کے بعد خلفائے راشدین کے دور میں بھی دینِ اسلام اطراف و اکناف میں پھیل چکا تھا، حضرت عمرؓ کے دور میں بھی کئی ریاستیں فتح ہوئیں اور بارہ ہزار مربع میل پر اسلام کی حکومت نافذ تھی، دین اسلام کی نشر و اشاعت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ آج بھی غیر مسلم جوق در جوق دینِ اسلام میں داخل ہو رہے ہیں اور دنیا کا کوئی خطہ ایسا نہیں جہاں دینِ اسلام کی دعوت نہ پہنچی ہو۔

خلاصہ کلام:

کسی بھی مذہب کا دارومدار اس کی بنیادی تعلیمات پر ہوتا ہے اور تعلیمات کا ماخذ اس کے بانی کے فرامین ہوتے ہیں۔ مذہب کی بقا کے لیے ضروری ہے کہ متعلقہ بانی کی زندگی میں ہی ان کے فرامین کو صفحہ قرطاس پر لا کر اس کی صحت کی یقین دہانی کر لی جائے تاکہ شکوک و شبہات سے بالاتر مستند تعلیمات اس کے پیروکاروں تک پہنچ سکیں۔ اس حوالے سے بدھ مت اور زرتشت مذہب کے ہاں ہمیں ان کی بنیادی تعلیمات کی صحت کا اعتبار نہیں کیونکہ حوالہ جات سے یہ بات ثابت ہے کہ دونوں بانیان کی وفات کے کئی سو سال بعد ان کی تعلیمات کو ضبط تحریر میں لایا گیا جس کی بنا پر اس بات کا احتمال ہے کہ موجودہ تعلیمات میں اور ان کے بانیان کی تعلیمات میں واضح فرق موجود ہے کیونکہ عقل بھی اس بات کو تسلیم کرتی ہے کہ زمانوں کے فرق سے جو بات روایت کی جائے اس کی صداقت میں شک ہو گا۔

بدھ مت کے موجودہ بنیادی مصادر و مراجع کے مطابق گوتم بدھ نے خالق کائنات، روح، جنت و دوزخ کا کوئی تصور پیش نہیں کیا، جبکہ تناسخ اور کرم کے نظریے میں گوتم بدھ نے ہندو مت کی پیروی کی۔ مرور زمانہ کے ساتھ بدھ مت کئی فرقوں میں تقسیم ہو گیا اور اس میں مقامی تبدیلیاں پیدا ہوتی گئیں۔ جبکہ زرتشت مذہب کے بانی زرتشت کے حالاتِ زندگی سے متعلق بھی تاریخ خاموش ہے۔ زرتشتی تعلیمات کے مطابق زرتشت نے خالقِ کائنات اہورامزدا کا تصور پیش کیا لیکن اس کے ساتھ ساتھ دو متضاد قوتوں کا بھی نظریہ پیش کیا، زرتشت نے حیات بعد الممات، جنت و دوزخ اور میزان عدل کا تصور بھی پیش کیا، زرتشت مذہب میں مردے کی آخری رسومات تمام مذاہب سے منفرد ہیں جن کا تذکرہ مذکورہ باب میں تفصیلاً کیا گیا ہے۔

بدھ مت اور زرتشت مذہب کے برعکس جب ہم دینِ اسلام کی تعلیمات کا جائزہ لیتے ہیں تو ان میں صداقت کا عنصر نمایاں نظر آتا ہے کیونکہ قرآن کریم جو قیامت تک کیلئے مشعلِ راہ ہے اور جس کی حفاظت کا ذمہ خود خالق نے لیا ہے اس کی حفاظت کا ایسا جید انتظام کیا گیا کہ اسے دور رسالت مآب ﷺ میں ہی قلمبند کیا جانے لگا آپ ﷺ کی حیاتِ مبارکہ میں درخت کے پتوں، پتھروں، کھجور کی شاخوں اور چھالوں پر اس کو تحریر کیا جاتا تھا، چند صحابہ کرام اس کام کیلئے متعین تھے جو ہر وقت حجرۂ رسول ﷺ کے باہر موجود رہتے اور وحی کے نازل ہوتے ہی اس کو تحریر فرما لیا کرتے تھے جن کو "کاتبانِ وحی" کہا جاتا ہے۔ قرآن مجید یکبارگی نازل نہیں ہوا بلکہ تھوڑا تھوڑا کر کے نازل ہوا لہٰذا جب وحی نازل ہوتی تو رسولِ کریم ﷺ آگاہ فرما دیتے کہ ان آیات کو فلاں سورۃ میں فلاں جگہ لکھ لیا جائے اس طرح اس بات کا بھی احتمال نہیں کہ اس کی ترتیب میں کوئی غلطی ہوئی ہو یہ ترتیب "ترتیبِ توقیفی" کہلاتی ہے۔ قرآن مجید کا آپ ﷺ کی حیاتِ مبارکہ میں تحریری صورت میں آ جانا اس بات کی دلیل ہے کہ اس کی صداقت میں کوئی

شبہ نہیں۔ دینِ اسلام میں عقیدہ توحید (خالق کائنات کی وحدانیت) عقیدہ رسالت، ملائکہ پر ایمان، الہامی کتب پر ایمان، حیات بعد الممات، جنت و دوزخ کے متعلق تفصیلی اور واضح احکامات موجود ہیں۔

حوالہ جات

1۔ ایس رادھا کرشنن، ڈاکٹر، گوتم بدھ، آج کل (گوتم بدھ نمبر)، نومبر 1956ء، شمارہ نمبر: 004، ص 5۔

2۔ بھوپالی، محمد اسماعیل ہاتف، گوتم بدھ، رسالہ زمانہ کانپور (1903 تا 1942ء) سے انتخاب، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی، 1993ء، ج 4، ص 1۔

3۔ احمد الدین، منشی، سوانح عمری مہاتمابدھ، کشمیری پریس، لاہور، 1903ء، ص 9۔

4۔ سٹراس، مسٹر، بدھ اوراس کامت، شیونرائن شمیم، کاشی رام پریس، لاہور، طبع ثانی: 1926ء، ج 2، ص 29۔

5۔ دلبر حسن نقشبندی، علامہ، اسلام اور مذاہبِ عالم، یونائیٹڈ پبلشرز، کراچی 1989ء، ص 46۔

6- The New Encyclopedia Britannica,William Benton Publisher, Chicago, 1943AD-1973AD,15th Addition,V:2,P:342.

7۔ سوانح عمری مہاتمابدھ، ص 10۔

8۔ منمتھ ناتھ دت، سری کرشن گوتم اوردوسرے رہنما، مترجم ناراین پرشادورماہر، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی، 1993ء، ص 127۔

9۔ بدھ اوراسکامت، ص 29۔

10۔ ہاشمی فرید آبادی، سید، تاریخِ ہند، دارالطبع جامعہ عثمانیہ، طبع دوم 1939ء، بحوالہ المسدوسی احمد عبداللہ، مذاہبِ عالم، مکی دارالکتب، لاہور 2004ء، ج 1، ص 78۔

11۔ ہاشمی، اظہر اقبال، سید، مذاہبِ عالم پر ایک نظر، اختر بک ڈپو، کراچی، 1975ء، ص 14۔

12۔ غلام رسول، چوہدری، مذاہبِ عالم کا تقابلی مطالعہ، علمی کتب خانہ، لاہور، نومبر 1983ء، ص 232۔

13۔ محمد مجیب، تاریخ تمدن ہند، پروگریسو بکس، لاہور، 1986ء، ص 85۔

14-The New Encyclopedia Britannica,P:342.

15۔ المسدوسی، احمد عبداللہ، مذاہب عالم ایک معاشرتی وسیاسی جائزہ، مکتبہ خدّامِ ملت، کراچی، 1958ء، ص 187۔

16- Forwarded by,S. Radhakrishnan,2500 years of Buddhism,The Publication Division Ministry of information and Broadcasting Government of India,May 24,1956AD,P:vi

[17]۔مذاہبِ عالم ایک معاشرتی وسیاسی جائزہ،ص188۔

[18]۔رضی احمد کمال،ڈاکٹر،برصغیر کے اہم مذاہب،اپنا ادارہ،لاہور،2006ء،ص74۔

[19]۔مذاھب عالم کا تقابلی مطالعہ،ص234۔

[20]۔بدھ اور اس کا مت،ص34۔

[21]۔برصغیر کے اہم مذاہب،ص75۔

[22]۔مذاہب عالم ایک معاشرتی وسیاسی جائزہ،ص188۔

[23]۔ترپاٹھی،رماشنکر،قدیم ہندوستان کی تاریخ،مترجم سید سخی حسن نقوی،سلسلہ مطبوعات ترقی اردو بیورو،نئ دہلی،1981ء،ص128۔

[24]۔محمد شعیب،ابوعبداللہ،اقوام عالم کے ادیان ومذاہب،مسلم پبلیکیشنز،گوجرنوالہ،2007ء،ص94۔

[25]۔مذاھب عالم پر ایک نظر،ص15۔

[26]۔سید سراج الاسلام،پروفیسر،تاریخ پاک وہند،غضنفر اکیڈمی،کراچی،ستمبر 2003ء،ص29۔

[27]۔ای۔مارسڈن،تاریخِ ہند،مترجم لالہ جیارام۔خلیفہ عمادالدین،بک ہوم،لاہور،2006ء،ص48۔

[28]۔بدھ اور اس کا مت،ص43۔

[29]۔ایضاً،ص48۔

[30]۔ایضاً،ص44۔

[31]۔گوتم بدھ،رسالہ زمانہ کانپور(1903تا1942ء)سے انتخاب،ج4،ص10۔

[32]- The Macmillan Family Encyclopaedia,MACMILLAN LONDAN LTD, 1982AD, P:539

[33]۔تاریخ پاک وہند،ص29۔

[34]۔مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ،ص245۔

[35]۔قدیم ہندوستان کی تاریخ،ص129۔

[36]- Madhu Bazoz Wangu,World Religions,Viva Books Pvt Ltd,New Delhi, V:3,P:31.

[37]۔ سری کرشن گوتم اور دوسرے رہنما، ص166۔

[38]۔ مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ، ص252۔

[39]۔ ایضاً، ص253۔

[40]- Arthur Lillie,Buddhism In Christendom,Kegan Pavl,Trench & Co,I Pater Noster Square,London,1887AD,P:219-

[41]۔ مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ، ص253۔

[42]۔ ایضاً۔

[43]۔ رسومِ ہند، مجلسِ ترقی ادب,لاہور، 1961ء، ص12۔

[44]۔ عبدالرشید، ڈاکٹر، ادیان و مذاہب کا تقابلی مطالعہ، طاہر سنز، کراچی، 2004ء، ص164۔

[45]۔ تاریخ تمدنِ ہند، ص90۔

[46]۔ مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ، ص254۔

[47]۔ ایضاً۔

[48]۔ ایضاً۔

[49]۔ حفیظ سید، ڈاکٹر، گوتم بدھ (سوانح، حیات و تعلیمات)، سلسلہ مطبوعات انجمن ترقی اردو (ہند)، دہلی، 1942ء، ص80۔

[50]۔ صدیقی، محمد مظہر الدین، اسلام اور مذاہبِ عالم، ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، لاہور، 1957ء، ص26۔

[51]۔ تاریخ تمدنِ ہند، ص91۔

[52] گوتم بدھ، رسالہ زمانہ کانپور (1903 تا 1942ء) سے انتخاب، ص2۔

[53]۔ تاریخ تمدنِ ہند، ص91۔

[54]۔ گوتم بدھ (سوانح، حیات و تعلیمات)، ص82۔

[55]۔ گستاولی بان، ڈاکٹر، تمدنِ ہند، مترجم سید علی بلگرامی، بک لینڈ، کراچی، فروری 1962ء، ص260۔

[56]۔ سوانح عمری مہاتما بدھ، ص49۔

[57]۔ اسلام اور مذاہبِ عالم، ص54۔

[58]۔ مہاپتر، امولیہ رنجن، فلسفہ مذاہب، مترجم یاسر جواد، فکشن ہاؤس، لاہور، 1998ء، ص 191۔

[59]۔ سری کرشن گوتم اور دوسرے رہنما، ص163۔

[60]۔ ایضاً۔

[61]۔ ایضاً۔

[62]۔ اسلام اور مذاہبِ عالم، ص55۔

[63]۔ تاریخِ ہند، ص49۔

[64]۔ کرسٹوفر رابرٹس، گوتم بدھ سے دلائی لاما تک، مترجم محمد احسن بٹ، دارالشعور، لاہور، مئی 2006ء، ص62۔

[65]۔ ایضاً۔

[66]۔ مذاہبِ عالم، ص89۔

[67]۔ ایضاً۔

[68]۔ اسلام اور مذاہب عالم، ص63۔

[69]۔ ایضاً۔

[70]۔ کرشن کمار، گوتم بدھ راج محل سے جنگل تک، مترجم پرکاش دیو، نگارشات پبلشرز، لاہور، 2002ء، ص274۔

[71]۔ ایضاً۔

[72]۔ ایضاً۔

[73]۔ علوی، امیر احمد، منشی، گوتم بدھ، دارالناظر پریس، لکھنؤ، 1923ء، ص28۔

[74]۔ ایضاً۔

[75]۔ برصغیر کے اہم مذاہب، ص80۔

[76]۔ اسلام اور مذاہبِ عالم، ص57۔

[77]۔ ایضاً۔

[78]۔ گوتم بدھ سے دلائی لاما تک، ص50۔

[79]۔ ایضاً۔

[80]۔ فلسفہ مذاہب، ص193۔

[81]۔ گوتم بدھ سے دلائی لاما تک، ص47۔

[82]۔ چیئر مین، جسٹس ایس اے رحمان، اردو جامع انسائیکلوپیڈیا، 1987ء، ص223۔

[83]۔ ایضاً، ص223۔

[84]-George Thomas Kurian,Encyclopedia of the World's Nations and Cultures, Viva Books private limited,india,V:2,P:1067-

[85]۔ گوتم بدھ سے دلائی لاما تک، ص49۔

[86]۔ ایضاً، ص57۔

[87]۔ ایضاً، ص59۔

[88]۔ اسلام اور مذاہبِ عالم، ص71۔

[89]۔ تمدنِ ہند، ص273۔

[90]۔ مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ، ص278۔

[91]۔ مذاھب عالم ایک معاشرتی وسیاسی جائزہ: ص194۔

[92]۔ ایضاً۔

[93]۔ ایضاً، ص195۔

[94] Will Durant, The story of civilization, Slmon and Schuster, New York, 1942AD, Part (our oriental heritage), Chap xiii, P:365)

[95]۔ غلام سرور، ڈاکٹر، تاریخِ ایران قدیم، مکتبہ خورشید درخشاں، کراچی، ستمبر 1956ء، ج1، ص69۔

[96] Feroz Cawasji Davar, The vision of Zarathushtra, Hukhta foundation, Bombay, 1997AD, P:28.

[97]-R.P.Masani, The Religion of the good life Zoroastrianism,George Allen and Unwin LTD,London ,1938 AD,P:37.

[98]۔ دنیا کے بڑے مذاہب، ص158۔

[99]۔بدخشانی،مقبول بیگ،پروفیسر،تاریخِ ایران، مجلس ترقی ادب،لاہور،طباعت دوم جولائی2010ء، ج1، ص292۔

[100]۔تاریخ ایران قدیم،ج1،ص69۔

[101]-REV.H.McNEILE,Zoroastrianism, The Lay Readers,London ,1915AD,P:5.

[102]۔بدخشانی،مرزامقبول بیگ،ادب نامہ ایران،نگارشات،لاہور،سن ندارد،ص5۔

[103]-The Religion of the good life Zoroastrianism,P:36.

[104] Khojeste P.Mistree, Zoroastrianism an ethnic perspective ,Zoroastrian studies, January,1982AD,P:5.

[105]-See Above.

[106]-Zoroastrianism,P:5.

[107]۔مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ،ص153۔

[108]۔ایضاً،ص298۔

[109]-The Religion of the good life Zoroastrianism,P:39.

[110]۔دنیا کے بڑے مذاہب،ص159۔

[111]۔ایضاً،ص160۔

[112]۔رشید احمد،تاریخ مذاہب،قلات پبلشرز،کوئٹہ،1979ء،ص154۔

[113]۔ایضاً۔

[114]۔برصغیر کے اہم مذاہب،ص96۔

[115] The Religion of the good life Zoroastrianism, P:42.

[116]Zoroastrianism , P:9.

[117]۔تاریخ ایران،ج1،ص294۔

[118]۔دنیا کے بڑے مذاہب،ص162۔

[119]-Dosabhai Framji Karaka,History of the Parsis,Macmillan and Co,London, 1884AD,P:154.

[120]۔ تاریخِ ایران، ص292۔

[121]-Dastor Dr. M.N. Dhalla,HOMAGE UNTO AHURA MAZDA, Karachi, 1970AD, P:24.

[122]History of the Parsis,P:185.

[123]-See Above.

[124]See Above,P:186

[125]- Ervad Kavasji Edalji Kanga,GATHA–BA-M̄AĀNI,the trustees of the parsis panchayet funds and properties,Bombay,1997AD,P:3.

[126]-Zoroastrianism,P:22

[127]See Above,P:25.

[128]۔ اسلام اور مذاہبِ عالم، ص81۔

[129]-GATHA–BA-M̄AĀNI,P:6.

[130]- Maneckji Nusservanji Dhalla,Zoroastrian Theology,Oxford University Press,New York,1914AD,P:54.

[131]GATHA–BA-M̄AĀNI,P:186.

[132]-See Above,P:187.

[133]-History of Zoroastrianism,P:104.

[134]-See Above,P:106.

[135]-The Religion of the good life Zoroastrianism,P:147

[136]-T.R.Sethna,Khordeh Avesta,Sethna,Karachi,1975AD,P:xix.

[137] The Religion of the good life Zoroastrianism P:148.

[138]See above, P:148.

[139]Translated by James Darmesteter, The Zend Avesta (The Vendidad),Oxford at the Clarendon Press, London, 1880, P:72.

[140]World Religions, P:105.

[141]The religion of the good life Zoroastrianism, P:150.

[142]- Mary Boyce,Zoroastrians,Rout Ledge & Kegan Paul,London And New York,1986AD,P:3.

[143]-Maganlal A Buch,Zoroastrian Ethics,Forgotten Books, Baroda, 1919AD, P:24.

[144]. See Above,P:26.

[145]۔مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ:ص301۔

[146]۔ایضاً۔

[147]- Fare Dun K.Dadachanji,Light Of The Avesta And The Gathas,Jam-E-Jamshed Printing Works,Bombay,1913AD,P:5.

[148]-See Above,P:4.

[149]-T-R-Sethna,The teachings of Zarathustra,Sethna,Karachi,1975AD,P:136

[150]-See Above,P:137.

[151]۔اسلام اور مذاہبِ عالم،ص6۔

[152]- Translated by James Darmesteter,The Zend- Avesta; (The Vendidad), Oxford At The Clarendon Press,London ,part 1,1880AD,P:49.

[153]۔مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ،ص302۔

[154]۔رشید احمد،پروفیسر،تاریخ مذاہب،زمرد پبلی کیشنز،کوئٹہ،2004ء،ص180۔

[155]۔ایضاً،ص182۔

[156]-ابن سعد،أبو عبدالله محمدبن سعدبن منيع الهاشمي،الطبقات الكبرىٰ،دارالكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى: **1410ھ**، ج**1**،ص**83**-

[157]-ابن قيم الجوزية،محمدبن أبي بكربن أيوب بن سعدشمس الدين،زادالمعاد،مكتبة المنارالإسلامية،الكويت،الطبعة السابعة والعشرون: **1415ھ**، ج**1**،ص**70**-

[158]-البيهقي،أحمدبن الحسين بن علي بن موسى الخراساني،دلائل النبوة،دارالكتب العلمية،بيروت،الطبعة الأولى: **1405ھ**، ج**1**،ص**113**-

[159]-الطبري،محمدبن جريربن يزيدبن كثيربن غالب الآملي،تاريخ الطبرى،دارالتراث،بيروت،الطبعة الثانية: **1387ھ**،باب ذكرمولدرسول الله ﷺ، ج**2**،ص**156**-

[160]۔منصور پوری، محمد سلمان، قاضی، رحمۃ للعالمین، مرکزالحرمین الاسلامی، فیصل آباد، اکتوبر2007ء، ج1، ص40۔

[161]-فتح الدين،محمدبن محمدبن محمدبن أحمد،عيون الاثر،دارالقلم،بيروت،الطبعة الأولى: **1414ھ**،باب ذكرمَوْلِدرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ج**1**،ص**33**-

[162]-عبدالعزيزبن محمدبن إبراهيم،المختصرالكبيرفي سيرة الرسول،دارالبشير،عمان،الطبعة الأولى: **1993ء**، ج**1**،ص**20**-

[163]۔ابن قیم جوزی، محمد بن أبي بکر بن أيوب بن سعد شمس الدين، زادالمعاد، مترجم رئیس احمد جعفری، نفیس اکیڈمی، کراچی، 1990ء، ص105۔

[164]۔ابن ہشام، عبدالملک بن ھشام بن أيوب الحميري، سیرت ابن ہشام، مترجم سید یٰسین علی حسنی نظامی دہلوی، ادارہ اسلامیات، لاہور، مئی 1994ء، ص144۔

[165]۔شبلی نعمانی، علامہ، سیرۃ النبی ﷺ، دارالاشاعت، کراچی، مئی 1985ء، ج1، ص111۔

[166]۔سیرت ابن ھشام، ص115۔

[167]۔ محمد بن سعد، طبقات ابن سعد، مترجم علامہ عبداللہ العمادی، نفیس اکیدمی، کراچی، طبع اول: مارچ 1971ء، ص168۔

[168]۔رحمۃ اللعالمین، ص38۔

[169]۔سیرت ابن ھشام، ص119۔

[170]۔مبارکپوری، صفی الرحمن، مولانا، الرحیق المختوم، المکتبۃ السلفیہ، لاہور، مئی 2000ء، ص89۔

[171]۔سیرت ابن ھشام، ص120۔

[172]۔ایضاً، ص122۔

[173]-البخاري، أبو عبدالله محمدبن إسماعيل، صحيح البخارى، دارطوق النجاة، دمشق، الطبعة الأولى: 1422ھ، باب كَيْفَ كَانَ بَدْءُ الوَحْيِ، رقم الحديث: 3، ج1، ص7-

[174]۔طبقات ابن سعد، ص264۔

[175]-القرآن: سورة العلق: 96/1تا5-

[176]-ابن الأثير، أبو الحسن علي بن أبي الكرم محمدبن محمدبن عبدالكريم، أسدالغابة في معرفة الصحابة، دارالكتب العلمية، الطبعة الأولى: 1415ھ، رقم الحديث: 6873، ج7، ص80-

[177]۔طبقات ابن سعد، ص267۔

[178]-القرآن: سورة الحجر: 15/ 94-

[179] -القرآن: سورة الشعراء: 26/214-

[180]۔الازہری، پیر محمد کرم شاہ، ضیاء النبی، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، ربیع الاول، 1420ھ، ج2، ص268۔

[181]-الحلبي، علي بن إبراهيم بن أحمدأبو الفرج نورالدين، السيرة الحلبية، دارالكتب العلمية، بيروت، الطبعة الثانية: 1427ھ، باب استخفائه صلى الله عليه وسلم وأصحابه في دارالأرقم، ج1، ص405-

[182]۔زادالمعاد، مترجم رئیس احمد جعفری، حصہ دوم، ص686۔

[183]۔ایضاً، ص687۔

[184]۔ایضاً، ص688۔

[185]۔الرحیق المختوم، ص180۔

[186]-صحيح البخارى، باب اذاقال احدكم آمين، رقم الحديث: 3231، ج4، ص115-

[187]۔سیرت النبی، ج1، ص157۔

[188]۔ایضاً، ص158۔

[189]۔ایضاً، ص167۔

[190] ۔احمد بن ابی یعقوب بن جعفر بن وھب، تاریخ الیعقوبی، مترجم مولانا اختر فتح پوری، نفیس اکیڈمی، کراچی، سن ندارد، ج2، ص67۔

[191] ۔الســــاعاتي،أحمدبن عبدالرحمن بن محمدالبنا،مســــندالإمام أحمدبن حنبل،دارإحياء التراث العربي،الطبعة الثانية،كتاب الحج، ج12،ص226۔

[192] سیرت النبی ﷺ، تمام واقعات و احکامات کو جلد اول و دوم سے ملخصًا پیش کیا گیا ہے۔

[193]۔ عيون الاثر، ج1،ص258۔

[194]۔تاريخ الطبرى، جلد3،ص200۔

[195]۔القرآن: سورة النساء:4/136۔

[196]۔القرآن: سورة البقرة:2/163۔

[197]۔القرآن: سورة الانبياء:21/ 22۔

[198]۔القرآن: سورة الاخلاص:112/ 1–4۔

[199]۔القرآن: سورة لقمان:31/13۔

[200]۔القرآن: سورة الانفطار:82/10تا12۔

[201]۔القرآن: سورة البقرة:2/4۔

[202]۔القرآن: سورة الحجر:15/9۔

[203]۔القرآن: سورة الفاطر:35/24۔

[204]۔القرآن: سورة البقرة:2/151۔

[205]۔القرآن: سورة التغابن:64/7۔

[206]۔القرآن: سورة البقرة:2/62۔

[207]۔القرآن: سورة البروج:85/ 11۔

[208]۔القرآن: سورة آل عمران:3/ 116۔

[209]۔صــــحيح البخارى، كتاب الايمان، باب قَوْلِ النَّبِيِّ صَــــلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَــــلَّمَ،بُنِيَ الإِسْــــلاَمُ عَلَى خَمْسٍ،رقم الحديث:8، ج1،ص11۔

[210]۔القرآن: سورة الروم:30/31۔

[211]۔القرآن: سورة النساء:4/103۔

[212]-القرآن: سورة البقرة:2/183-

[213]-القرآن: سورة البقرة:2/277-

[214]-القرآن: سورة آل عمران:3/97-

[215]-مالك بن أنس بن مالك بن عامر ، الموطأ، مؤسسة زايد بن سلطان، أبو ظبي، الطبعة الأولى: 1425 هـ،كتاب حُسْنُ الْخُلُقِ ،باب مَا جَاءَ فِي حُسْنِ الْخُلُقِ ،رقم الحديث: 3357 ،ج5،ص1330-

[216]-القرآن: سورة القلم:68/4-

[217]-القرآن: سورة الاحزاب:33/70-

[218]-القرآن: سورة المجادلة:58/9-

[219]-القرآن: سورة النساء:4/58-

[220]-القرآن: سورة النساء:4/58-

[221]-القرآن: سورة الاسراء:17/34-

[222]-القرآن: سورة المائدة:5/2-

[223]-القرآن: سورة الحجرات:49/10-

[224]-البقرة:2/45-

[225]-القرآن: سورة الاسراء:17/23-

[226]-القرآن: سورة النسا:4/1-

[227]-القرآن: سورة آل عمران:3/103-

[228]-القرآن: سورة الاسراء17/70-

[229]-القرآن: سورة النساء:4/1-

[230]-القرآن: سورة الحجر:15/9-

[231]-الزُرْقاني ، محمد عبد العظيم، مناهل العرفان في علوم القرآن، مطبعة،عيسى البابي الحلبي وشركاه، الطبعة الثالثة، ج1،ص246--247-

[232]-القرآن: سورةِ النجم:53/3-4-

[233]۔صدیقی،حامد الرحمٰن،ارشاداتِ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم،مدینہ فرید پبلشنگ کمپنی،کراچی،فروری2019ء،ص ن

[234]۔رحمۃ للعالمین،ج1،ص84۔

[235]۔ایضاً،ص144۔

[236]۔سیرت النبی،ج1،ص268۔

[237]۔رحمۃ للعالمین،ج1،ص156۔

[238]۔ایضاً،ص157۔

باب دوم

بدھ مت میں عورت کی حیثیت و حقوق

فصل اول: گوتم بدھ کی نظر میں عورت کی مختلف حیثیتیں

فصل دوم: بدھ مت میں عورت کے حقوق

فصل اول

گوتم بدھ کی نظر میں عورت کی مختلف حیثیتیں

مرد و عورت کے مابین مساوات و باہمی تعلقات کا معاملہ سماجی مفکرین کے نزدیک ہمیشہ سے زیر بحث رہا ہے۔ کچھ عورت کو عظیم و برتر بتاتے ہیں تو کچھ اسے حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ تاریخی کتب کے مطالعے سے یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہوتی ہے کہ گذشتہ ادوار میں مختلف مذاہب میں عورت کی حیثیت مختلف تھی۔ قبل از بدھ مت ہندوستان میں چونکہ ہندومت اپنے عروج پر تھا اور برہمنوں کا دور تھا لہٰذا اس وقت عورت کسمپرسی کی حالت میں تھی اور نہ صرف اپنے بنیادی حقوق سے محروم تھی بلکہ اس کے متعلق یہ رائے قائم تھی کہ وہ مرد کی گمراہی کا سبب بنتی ہے اس لیے اس سے سنیاس یعنی دوری اختیار کی جائے۔ ہندومت میں عورت کی معاشرتی حیثیت کو بیان کرتے ہوئے عبداللہ مرعی بن محفوظ حامی ان کی مقدس کتب سے اقتباس کرتے ہیں:

"جب عورت کو پیدا کیا گیا تو ان پر بستر، بیٹھک، بناؤ سنگھاؤ، خواہشات، برائی، غصہ، عزت سے بیگانگی اور برے سلوک کی محبت ان میں ڈال دی گئی اور فرض کر دی گئی اس لیے عورتیں اپنے نفس کی طرح گندی ہیں اور یہ ثابت اصول ہے کہ عورت کی یہ طبیعت ہے کہ وہ دنیاوی زندگی میں مرد کو گمراہ کرتی ہے اس لیے حکماء عورتوں سے مل بیٹھنے کو درست نہیں سمجھتے سوائے یہ کہ وہ انتہائی شریف، پاکدامن ہو، یا شدید حفاظت کے ساتھ بیٹھے اور عورت ہمیشہ نیک نہیں رہتی۔"[1]

ہندومت میں عورت کو مرد کے تصرف میں دے دیا گیا اور آزادی کی نعمت سے محروم کر دیا گیا۔ "منو" کا اخلاقیاتی ضابطہ قانون جو کہ روایتی ہندوستانی ادب کا ایک نمونہ ہے اس کے مطابق:

"عورت خواہ نوجوان لڑکی، ایک بالغ دوشیزہ یا ایک بوڑھی عورت ہو وہ خود مختاری سے گھر کے اندر بھی کوئی کام نہیں کر سکتی۔ نوجوانی میں اسے اپنے باپ کے اختیار میں اور جوانی میں اپنے خاوند کے اختیار میں رہنا چاہیئے، جب خاوند مر جائے تو اسے اپنے بیٹوں کی حفاظت میں ہونا چاہیئے، اسے خود مختاری کو پسند نہیں کرنا چاہیئے اسے اپنے باپ، شوہر یا بچوں سے علیحدگی کی خواہش نہیں کرنی چاہیئے، ان سے علیحدہ ہو کر وہ دونوں خاندانوں کے لیے بدنامی کا باعث بنتی ہے۔(منو کا ضابطہ قانون، 1:31)"[2]

عورت کو فقط شوہر کی خدمت تک محدود کر دیا گیا اور اسے اس اختیار سے بھی محروم رکھا گیا کہ وہ اپنے شوہر

کے انتقال کر جانے کے بعد دوسری شادی کرے۔ اس کا حوالہ "منو" کے ضابطہ قانون سے ملتا ہے:

"عورت کے لیے قربانی اور برت کرنا گناہ ہے صرف شوہر کی خدمت کرنی چاہیئے، عورت کو چاہیئے کہ اپنے شوہر کے مرنے کے بعد دوسرے شوہر کا نام بھی نہ لیوے، کم خوراکی کے ساتھ اپنی زندگی کے دن پورے کرے۔"[3]

ایسے حالات میں جب کہ ہندوستان میں مذہبی روایات اور معاشرتی رسومات نے اپنا ڈیرہ جمایا ہوا تھا، گوتم بدھ نے اصلاح کی آواز بلند کی۔ چونکہ بدھ مت کا آغاز ہندو مذہبی نظام کے رد عمل کے طور پر ہوا اور ہندو مت میں عورت سخت پابندیوں میں جکڑی ہوئی تھی لہذا گوتم بدھ نے عورتوں کو مذہبی آزادی دی (گو کہ یہ آزادی گوتم بدھ کے چیلے آنندہ کے پرزور اصرار کے بعد دی گئی حالانکہ گوتم بدھ بذات خود اس کے قائل نہ تھے) اور اس بات کا اعلان کیا کہ عورتیں بھی مردوں کی طرح مذہبی جماعت کا حصہ بن سکتی ہیں۔ گوتم بدھ نے عورت کے بحیثیت بیٹی، ماں، بیوی وغیرہ کچھ حقوق و فرائض بھی مقرر کیے لیکن اس کے ساتھ ساتھ گوتم بدھ نے مردوں کو یہ صلاح بھی دی کہ وہ عورتوں سے چوکنا و ہوشیار رہیں اور جہاں تک ممکن ہو سکے عورتوں سے دور رہ کر زندگی بسر کی جائے۔ گویا گوتم بدھ کے اقوال میں عورت سے متعلق دو قسم کے نظریات پائے جاتے ہیں جن کا ذیل میں جائزہ لیا جائے گا۔ لیکن اس بات سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ سرزمینِ ہندوستان پر بدھ مت ہی وہ پہلا مذہب ہے جس نے عورتوں کو اس بات کی اجازت دی کہ وہ مذہبی امور کی ادائیگی میں شرکت کر سکتی ہیں کیونکہ اس سے قبل برہمنوں نے عورتوں کو مذہبی معاملات سے بہت دور رکھا ہوا تھا۔

عورت بحیثیت بیٹی:

بدھ مت سے قبل ہندوستان میں عورت کی حیثیت بہت کمزور تھی۔ بیٹی اپنے ماں باپ کے لیے سوائے پریشانی و ندامت کے کچھ نہ تھی۔ لیکن بدھ مت کے وجود میں آنے کے بعد عورت کی حیثیت قدرے بہتر ہو گئی۔ گوتم بدھ نے بیٹی کی پیدائش پر مایوس ہونے سے منع کیا۔ اس کی دلیل اس واقعے کی صورت میں موجود ہے کہ جب کوسالہ (Kosala)* کے بادشاہ پاسنادی (Pasenadi)* نے اپنے ہاں بیٹی کی پیدائش کی خبر سنی تو اس نے مایوسی کا

---

*کوسالہ ہندوستان کی ایک قدیم سلطنت تھی جو اودھ کے خطے کے ساتھ وابستہ علاقے پر مشتمل تھی اور اب موجودہ اترپردیش کے نام سے موجود ہے۔

*پاسنادی کوسالہ سلطنت کا راجہ تھا، اس کا تعلق شاہی گھرانے سے تھا اور اس کی بیوی کا نام "ملکہ" تھا۔

اظہار کیا، کیونکہ وہ بیٹے کی خواہش رکھتا تھا۔ لیکن گوتم بدھ نے اسے مایوس ہونے سے منع کرتے ہوئے کہا:

"A girl may prove even a better offspring than a boy" [4]

ترجمہ: ایک لڑکی ایک لڑکے سے زیادہ بہتر اولاد ثابت ہونے کی صلاحیت رکھتی ہے۔

اسی طرح بدھ مت کی بنیادی کتاب "Samyutta Nikaya" میں بھی اس واقعے کو درج کیا گیا ہے کہ جب بادشاہ نے اپنے ہاں بیٹی کی پیدائش کی خبر سنی تو بادشاہ نے اس خبر کی ساعت کے بعد گوتم بدھ کے کان میں سرگوشی کرتے ہوئے کہا کہ ملکہ نے بیٹی کو جنم دیا ہے۔ بادشاہ کے اس رویے کو دیکھ کر گوتم بدھ نے انہیں تسلی دیتے ہوئے کہا کہ:

"A woman, O Lord of the people, may turn out better than a man. She may be wise and virtuous, a devoted wife, revering her mother-in-law. The son to whom she gives birth may become a hero. O Lord of the land. The son of such a blessed woman may even rule the realm(Verse:409)" [5]

ترجمہ: اے لوگوں کے مالک! ایک عورت مرد سے بہتر ہو سکتی ہے، وہ دانا اور نیک ہو سکتی ہے، ایک وفاشعار بیوی، ایک خدمت گزار بہو، اس کا جنم دیا ہوا بیٹا شہزادہ بن سکتا ہے۔ اے جہانوں کے خدا! اس خوش نصیب عورت کا بیٹا سلطنت پر حکومت بھی کر سکتا ہے۔

گوتم بدھ کے مندرجہ بالا قول سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ صرف مرد ہی عقلمند اور دانشمند نہیں ہو سکتا بلکہ عورت کو بھی یہ خصوصیت حاصل ہے کہ وہ مرد سے بہتر کارکردگی دکھا سکے، ہو سکتا ہے وہ مختلف زاویوں کے اعتبار سے مرد سے بہتر ثابت ہو۔ لہذا بیٹی کی پیدائش پر مایوس ہونے سے منع کیا گیا۔

ہندومت اور بدھ مت میں عورت کی حیثیت کا موازنہ کرتے ہوئے "I.B.Horner" اپنی کتاب "Women under Primitive Buddhism" میں لکھتی ہیں:

"The Vedic and the Buddhist epochs are marked by a striking difference in the position of women as daughters.In the earlier days, until they were married, daughters were apt to be regarded as unwelcome burdens and the birth of a girl child was looked upon as an almost unmiligated curse or catastrophe but at the time of the rise of Buddhism and during its early days, the status of unmarried women was higher than it had ever been in India[6]"

ترجمہ: ویدک اور بدھ مت ادوار میں ہم عورتوں کی بحیثیت بیٹی ہونے کے بارے میں بہت واضح فرق دیکھتے ہیں۔ابتدائی ادوار میں غیر شادی شدہ بیٹی ایک ناپسندیدہ اور ان چاہا بوجھ سمجھی جاتی تھی اور بیٹی کی پیدائش کسی بددعا کا اثر اور سانحہ سمجھی جاتی تھی لیکن بدھ مت کے اولین ایام میں اور بعد میں بھی ایک غیر شادی شدہ لڑکی کا مقام بہت اونچا تھا(اس کے مقابلے میں جو کہ بدھ مت سے قبل انڈیا میں اسے حاصل تھا)۔

مندرجہ بالا اقتباسات سے جہاں یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ بدھ مت میں عورت کو بحیثیت بیٹی عزت دی گئی اور اس کی پیدائش کو باعثِ افتخار سمجھا گیا وہیں ’’تھائی بدھ مت‘‘ میں لڑکی کی پیدائش کو برے اعمال کا نتیجہ قرار دیا گیا:

"A female birth is the result of inferior kamma, and women are urged to pray for male births in the future." [7]

ترجمہ: لڑکی ذات کی پیدائش برے اور ادنی اعمال کا نتیجہ ہے اور عورتوں پر زور دیا جاتا ہے کہ وہ مستقبل میں بحیثیت مرد پیدا ہونے کی دعا کریں۔

اس نظریے کی تفصیل بیان کرتے ہوئے "Chatsumarn Kabilsingh" اپنی کتاب "Buddhism in Thai History" میں لکھتے ہیں:

"This assertion that being a woman is in itself negative does much damage to woman's self-image and creates obstacles to her spiritual and social development. According to Buddhist teachings, everyone is born according to his or her karma.The present situation of one's life is a direct reflection of one's actions, whether good or bad.The belief that one's gender is the result of "bad karma" does not hold any meaning. Yet many monks, whose principal source of support is laywomen, believe this idea. Many women are convinced that they carry a heavy load of negative karma due to the simple fact of their gender."[8]

ترجمہ: یہ تاثر کہ عورت ہوناہی اپنے اندر ایک منفیت ہے، عورت کی ذاتی شخصیت کو نقصان پہنچاتا ہے اور اس کی روحانی اور معاشرتی تربیت میں رکاوٹ کا باعث ہے۔ بدھ متی تعلیمات کے مطابق ہر شخص اپنے کرم (اعمال کے مطابق) پر پیدا ہوتا ہے۔ کسی بھی شخص کی موجودہ حالت اس کے اعمال کا نتیجہ ہے چاہے اچھا ہو یا برا۔ یہ ماننا کہ ایک صنف برے اعمال کا نتیجہ ہے بے معنی ہے۔ بہت سارے بھکشو جن کی حمایت کا اہم ذریعہ عام عورت ہے اس نظریے پر یقین رکھتے ہیں۔ اکثر خواتین کو اس بات پر قائل کیا جاتا ہے کہ ان پر برے اعمال کا بوجھ صرف انکی صنف کی وجہ سے ہے۔

بدھ مت میں چونکہ کرم کا نظریہ سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے اس لیے یہ تصور پایا جاتا ہے کہ عورت کی پیدائش اس کے برے اعمال کا نتیجہ ہے جو اس نے ماضی میں کیے اور عورت اس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتی جب تک کہ کرما کے قانون کے مطابق اس کی پیدائش مرد کی صورت میں نہ ہو جائے۔ چنانچہ ایک طرف گوتم بدھ نے بیٹی کی پیدائش کو سراہا تو دوسری طرف اس کے پیروکاروں نے اس کی پیدائش کو برے اعمال کا نتیجہ قرار دے دیا۔

عورت بحیثیت ماں:

گوتم بدھ نے عورت کے برتر وکمتر ہونے کامعیار پانچ اوصاف پر رکھا کہ اگر عورت میں درج ذیل پانچ اوصاف پائے جائیں تووہ مرد کے لیے قابل قبول ہے جن میں سے ایک وصف اس کاماں بنناہے۔گوتم بدھ نے بھکشوؤں سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

"Bhikkus, when a woman posses five factors she is extremely agreeable to a man, what fine? She is beautiful, wealthy, and virtuous, she is clever and industrious; and she begets children. When a woman possessive these five factors she is extremely agreeable to a man.(Verse:238)" [9]

ترجمہ: اے بھکشوؤ! جب عورت پانچ خوبیوں کی حامل ہوتووہ مرد کے لیے حددرجہ قابل قبول ہوجاتی ہے کہ وہ خوبصورت ہو، مالدار ہو، نیکوکار ہو، عقلمند ہو، کاروباری ہو اور بچے پیدا کرنے کی صلاحیت رکھتی ہو۔ جب عورت ان اوصاف کی حامل ہوتووہ مرد کے لیے حددرجہ قابل قبول ہوجاتی ہے۔

جبکہ مندرجہ بالااوصاف کی غیر موجودگی میں گوتم بدھ نے عورت کومرد کے لیےناپسندیدہ قراردیاہے:

"Bhikkus, when a woman posses five factors she is extremely disagreeable to a man. What five? She is not beautiful, not wealthy, not virtuous; she is lethargic; and she does not beget children. When a woman possesses these five factors, she is extremely disagreeable to a man. (Verse:238)"[10]

ترجمہ: اے بھکشوؤ!جب عورت میں درج ذیل پانچ عوامل پائے جائیں تووہ مرد کے لیے قابلِ ردہوجاتی ہے۔وہ پانچ اوصاف یہ ہیں:خوبصورت نہ ہونا،مالدارنہ ہونا،صالح نہ ہونا،بدکار ہونااوربچے پیدانہ کرنا۔جب عورت ان اوصاف کی حامل ہوتووہ مرد کے لیے قابل ردہے۔

گوتم بدھ کے متذکرہ بالا اقوال سے اندازہ ہوتا ہے کہ بدھ مت میں عورت کو بحیثیت ماں حد درجہ فضیلت دی گئی ہے۔ گوتم بدھ والدین کی مزید فضیلت بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"Mother and father are the Eastern view, and teachers are the quarters of the south, and wife and children are the western view, and friends and kin the quarters to the North, servants and working folk the nadir are, And overhead the brahmin and recluse.These quarters should be worshipped by the man, who fitly ranks as houseman in his Clan." [11]

ترجمہ: ماں اور باپ مشرقی خیالات کے حامل ہوتے ہیں۔ اساتذہ کچھ حد تک جنوبی خیالات رکھتے ہیں اور اولاد و ازواج مغربی خیالات کے حامل ہوتے ہیں دوستوں اور رشتہ داروں کی ایک الگ قدر و منزلت ہوتی ہے یعنی شمال کی حیثیت رکھتے ہیں۔ خدمت گزار اور عوام بھی منفرد حیثیت کے مالک ہیں اور ان سے بالاتر براہمن اور خلوت نشین۔ آدمی کو ان تمام حلقوں کی عبادت کرنی چاہیئے جو اپنے قبیلے میں مکان کی حیثیت سے مناسب ہے۔

گوتم بدھ نے اولاد کو والدین کے حقوق سے بھی آگاہ کیا۔ گوتم بدھ نے والدین کی خدمت کی تلقین کرتے ہوئے ان کی مالی امداد کا بھی حکم دیا:

"In five ways a child should minister to his parents as the Eastern quarter: Once supported by them I will now be their support:I will perform duties incumbent on them:I will keep up the lineage and tradition of my family; I will make myself worthy of my heritage. (D:189)"[12]

ترجمہ: مشرقی حصے میں بچہ اپنے ماں باپ کا پانچ طرح سے خدمت گزار ہوتا ہے۔ ایک مرتبہ اس کی تائید و نصرت کی جائے تو میں بھی ان کا مددگار و معاون

رہوں گا۔ ان کے ذمہ فرائض کی ادائیگی کروں گا۔ میں اپنے خاندان کو اور اس کی رسوم ورواج کو بڑھاتا رہوں گا۔ میں خود کو اپنی میراث کے ہم پلہ وشایانِ شان رکھوں گا۔

گوتم بدھ نے والدین کے حقوق بیان کرنے کے بعد ان کے ذمہ کچھ فرائض بھی مقرر کر دیئے اور انہیں ان کی ذمہ داریوں سے بھی آگاہ کر دیا تاکہ اولاد کی بہترین پرورش ہو سکے:

"In five ways parents thus ministered to as the Eastern quarter, by their child, show their love for him: They restrain him from vices, they exhort him to virtue, they train him to a profession, the contract a suitable marriage for him and in due time they hand over his inheritance. (D:190)" [13]

ترجمہ: پانچ طرح سے ماں باپ بھی اولاد کے معاون ومددگار ہو سکتے ہیں۔ ان سے پیار ومحبت کر کے، برائی کی طرف بڑھنے سے روک کر، اچھی نصیحت کر کے، ان کی اچھی تربیت کر کے اور ایک اچھے عہدے کی تربیت کر کے۔ ان کو رشتہ ازدواج میں منسلک کر کے اور صحیح وقت پر ان کو وراثت میں حصہ دے کر۔

گوتم بدھ نے اس شخص کو قابل مذمت ٹھہرایا جو اپنے والدین کی دیکھ بھال اور مالی امداد نہ کر سکے۔ اس کے شواہد ہمیں ایک برہمن اور گوتم بدھ کے مکالمے کی صورت میں ملتے ہیں۔ برہمنی شخص کے (اولاد کی طرف سے والدین کی عدم دیکھ بھال اور عدم امداد سے متعلق) استفسار پر گوتم بدھ یوں گویا ہوئے:

"Whose being rich does not support mother and father when old and past their youth, let one know him as an outcast. Whose strikes or by words annoys mother, father, brother, sister or mother in law, let one know him as an outcast. (Sutta wipata Verse:123-124)"[14]

ترجمہ: جو دولت حاصل کر لیتے ہیں وہ اپنے بوڑھے ماں اور باپ کے خدمت

گزار نہیں رہتے اور ان کو اپنے چھوٹوں کے حوالے کر دیتے ہیں یہ لوگ نکمے اور ناکارہ کہلاتے ہیں جو اپنی ماں، باپ، بھائی، بہن یا ساس کو ہاتھ اٹھا کر یا الفاظ سے تکلیف پہنچاتے ہیں ایسا شخص مردود ہوتا ہے۔

گوتم بدھ مزید کہتے ہیں:

"Whose his mother and his father keeps on such a one the three and thirty gods do verily confer the name: good man. In normal fashion whose doth maintain his mother or his father, in this life him for that cherishing the wise commend and after death he wins the joy of heaven."[15]

ترجمہ: جو شخص اپنے ماں باپ کی دیکھ بھال کرتا ہے اسے خداؤں کے نزدیک اچھے بندے ہونے کا مقام ملتا ہے۔ جو اپنے ماں باپ کی خدمت گزاری کو اچھے طریقے سے نبھاتا ہے وہ اس زندگی میں عقلمندانہ وصف کو فروغ دیتا ہے اور موت کے بعد وہ آخرت میں بھی سرخرو ہوگا۔

گوتم بدھ کے مندرجہ بالا فرامین سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ بدھ مت میں "ماں" کا مقام بہت بلند و معزز ہے۔ چونکہ صنفِ نازک سے متعلق گوتم بدھ کی ہر چند دو آراء پائی جاتی ہیں اس لیے ایک طرف تو گوتم بدھ نے بیٹی کی پیدائش پر مایوس ہونے سے منع کیا اور عورت کو بحیثیت ماں فضیلت دیتے ہوئے اس کے حقوق بیان کیے تو دوسری طرف عورت سے ہوشیار رہنے کی بھی تلقین کی۔ گوتم بدھ کے نزدیک مرد کے مقابلے میں عورت کو آسانی سے بہکایا جاسکتا ہے۔ گوتم بدھ کے چیلے آنندہ نے جب گوتم بدھ سے یہ سوال کیا کہ ہمیں عورتوں سے کس طرح پیش آنا چاہیئے تو گوتم بدھ اور آنندہ کے درمیان کچھ یوں مکالمہ ہوا:

"How are we to conduct ourselves, Lord with regard to women Kind?

"As not seeing them, Ananda".

"But if we should see them what are we to do"?

"No talking Ananda".

"But if they should speak to us, lord, what are we to do"?

"Keep wide awake, Ananda".[16]

ترجمہ: آنندہ: اے حضور ہمیں عورتوں کے ساتھ کس طرح پیش آنا چاہیئے؟

گوتم: اے آنندہ اس طرح جیسے تم انہیں دیکھتے ہی نہیں۔

آنندہ: اور اگر ہم انہیں دیکھ لیں تو پھر کیا کرنا چاہیئے؟

گوتم: ان سے باتیں نہ کرو۔

آنندہ: لیکن حضور اگر وہ خود ہم سے باتیں کریں تو پھر ہمیں کیا کرنا چاہیئے؟

گوتم: تب آنندہ تم ہوشیار رہو۔

چنانچہ جہاں گوتم بدھ نے عورت کو فضیلت دیکر اسے مرد کے مساوی کرنے کی کوشش کی، وہیں مرد کو عورت سے ہوشیار رہنے کی بھی تلقین کی اور اسے ذہنی طور پر کمزور قرار دیا۔

عورت بحیثیت بیوی:

گوتم بدھ نے میاں بیوی کو خوش و خرم اور کامیاب زندگی گزارنے کے لیے کچھ اصول وضوابط بتائے۔ کیونکہ بدھ مت سے قبل ہندومت میں بیوی محض شوہر کی خدمت کے لیے مختص تھی، وہ ہر حالت میں شوہر کے جائز وناجائز احکام بجالانے کی پابند تھی۔ گوتم بدھ نے بیوی کو گھریلو منتظمہ کا درجہ دیکر اسکی اہمیت کو اجاگر کیا۔بقول گوتم بدھ:

"Best among wives is she that best ministers."[17]

ترجمہ: بہترین بیوی وہ ہے جو بہترین سرپرستی کرسکے۔

گوتم بدھ نے عورت کے بحیثیت بیوی کچھ فرائض مقرر کیے جن کا تعلق میاں بیوی کے باہمی تعلق اور باہمی سلوک سے ہے، تاکہ وہ شادی شدہ زندگی کو کامیاب بنا سکے:

"In these five ways does the wife, ministered to by her husband as the western quarters, love him, her duties are well performed by hospitality to the kin of both, by faithfulness, by watching over the goos he brings and by skill and industry in discharging all the business." (D:190)[18]

ترجمہ: پانچ طریقوں سے بیوی اپنے شوہر کی معاون ومددگار ثابت ہوسکتی ہے۔ اس سے محبت کرکے، اس کی ذمہ داریاں احسن طریقے سے انجام دے کر، اقرباء کی دیکھ بھال کرکے خلوص کے ساتھ اور ان سب چیزوں کا جو اس کا شوہر لے کر آتا ہے، خیال کرکے اور وہ یہ سب امور اپنی مہارت سے بخوبی انجام دے سکتی ہے۔

گوتم بدھ کے نزدیک مثالی بیوی وہی ہے جو شوہر کا خیال رکھتی ہے۔ گوتم بدھ نے بیویوں کی سات اقسام بتائیں جن کا تذکرہ بدھ مت کی بنیادی کتاب "Anguttara Nikaya" میں کیا گیا ہے۔ اس کا پس منظر یوں ہے کہ ایک دفعہ گوتم بدھ اناتھ پنڈیک نامی سیٹھ کے گھر گئے۔ انکی بہو کو اپنی خوبصورتی پر بہت ناز تھا اور اس غرور میں وہ اپنے ساس سسر اور دیگر رشتہ داروں کا ادب واحترام نہیں کرتی تھی۔ جب گوتم بدھ وہاں پہنچے تو گھر کے مکینوں کے درمیان لڑائی جھگڑا ہورہا تھا، گوتم بدھ نے شور شرابے کا سبب دریافت کیا، تو اناتھ پنڈیک نامی سیٹھ نے اپنی پریشانی کا ذکر گوتم بدھ سے درج ذیل اندازا سے کیا:

"This bhante, is our daughter-in-law Sujata.She is rich and has been brought here from a rich family. She does not obey her father-in-law and mother-in-law not her husband. She does not even honour, respect, estreem and venerate the blessed one."[19]

ترجمہ: اے بھانتے (Bhante) ہماری بہو سجاتا یہ ایک امیر لڑکی ہے اور امیر گھرانے سے لائی گئی ہے یہ اپنے ساس اور سسر کے احکامات کی پیروی نہیں کرتی اور نہ ہی اپنے شوہر کی اطاعت گزار ہے حتی کہ یہ باعزت لوگوں کو نہ ہی عزت

دیتی ہے، نہ ہی ان کا احترام بجالاتی ہے، نہ ہی انہیں معزز جانتی ہے اور نہ ہی انہیں بڑا مانتی ہے۔

گوتم بدھ نے ساری صورتحال جاننے کے بعد سجاتا کو بلایا اور اسے بتایا کہ اس دنیا میں سات قسم کی بیویاں پائی جاتی ہیں۔ گوتم بدھ کے نزدیک بیویوں کی سات اقسام درج ذیل ہیں:

"With hatefull mind, devoid of sympathy, lusting for others, despising her husband, she seeks to kill the one who bought her with a wife like this is called a wife and a killer.

When the woman's husband acquires wealth, by toiling at a craft, trade, or farming, she tries to steal it, even if (he earns) but little: a wife like this is called a wife and a thief.

The lazy glutton, unwilling to work, harsh, fierce, rough in speech, a woman who dominates her own supporters, a wife like this is called a wife and tyrant.

One always benevolent and sympathetic, who gaurds her husband as a mother her son, who protects the wealth he earns; a wife like this is called a wife and a mother.

She who holds her husband in high regard as younger sister her elder brother, conscientious, following her husband's will: a wife like this is called a wife and a sister.

She who holds her husband in high regard as if seeing a friend after a long absence; well raised, virtuous, devoted to her

husband; a wife like this is called a wife and a friend.

One who remains patient and calm when threatened with violence by the rod, who tolerates her husband with a mind free of hate, patient, submissive to her husband's will: a wife like this is called a wife and a slave".[20]

ترجمہ: نفرت انگیز خیالات کے ساتھ، ہمدردی سے محروم اور دوسروں کے لیے کدورت رکھتے ہوئے، اپنے شوہر کو حقیر سمجھتے ہوئے اس کی تذلیل کرتی ہے، وہ اس کو مار ڈالنے کی خواہش میں ہوتی ہے جس نے اس کو اس زندگی میں جھونکا یہ کہلاتی ہے ایک قاتل بیوی۔

جب کسی عورت کا شوہر دولت مند ہوتا ہے، صاحبِ دولت ہو یا کمائے محنت و مشقت سے، کاروبار کر کے یا پھر کھیتی باڑی کر کے۔ تو وہ اس کو چرانا چاہتی ہے یا اس دولت کو چوری کرنے کی کوشش کرتی ہے حتیٰ کہ وہ تھوڑا ہی کمائے تب بھی۔ ایسی عورت کہلاتی ہے بیوی اور ایک چور۔

ایک سست، بسیار خور، کام سے جی چرانے والی، سخت مزاج، بدکلام، جو عورت اپنے ہی معاونین اور مددگاروں پر غالب ہو ایسی عورت کہلاتی ہے ایک جابرہ بیوی۔

جو ہمیشہ خیر خواہ ہو اور ہمدرد ہو، جو حفاظت کرے اپنے شوہر کی بلکل ایسے جیسے کوئی ماں اپنے بچے کی حفاظت کرتی ہے اور جو حفاظت کرتی ہو اس کی کمائی کی ایسی عورت کہلاتی ہے ایک بیوی بصورتِ ماں۔

وہ جو اپنے شوہر کو معزز جانتی ہے جیسا کہ ایک چھوٹی بہن اپنے بھائی کو معزز جانتی ہے، دیانتدار ہو، اپنے شوہر کی خواہشات کو پورا کرنے والی ہو ایسی عورت کہلاتی ہے ایک بیوی بصورت بہن۔

وہ جو اپنے شوہر کی بے پناہ عزت کرے، اسے معزز جانے جیسا کہ کافی عرصے بعد کوئی دوست ملا ہو، معاون ہو، صالح ہو، اپنے شوہر کی جاں نثار ہو ایسی عورت کہلاتی ہے ایک بیوی اور ایک دوست۔

وہ جو صابر اور خاموش رہے جب اس پر تشدد کیا جائے چھڑی سے، جو برداشت کرے اپنے شوہر کو بنا کسی برے خیال سے یا اپنے دل و دماغ میں اس کے لیے کوئی برائی نہ لائے اور ہر وہ کام انجام دے جو اس کا شوہر اسے کہے یا ہر کام اس کی خواہش کے مطابق کرے ایسی عورت کہلاتی ہے ایک بیوی بصورت باندی۔

پہلی تین اقسام میں چند برائیوں کا تذکرہ کیا گیا اور آخری چار اقسام میں ان اوصاف کا تذکرہ کیا گیا جو ایک فرمانبردار بیوی میں پائے جانے چاہئیں۔ تمام اقسام کو تفصیل سے بیان کرنے کے بعد گوتم بدھ نے سجاتا سے دریافت کیا کہ اے سجاتا ان اقسام میں سے تم کونسی قسم اختیار کرنا پسند کرو گی؟ سجاتا نے کہا کہ آج سے میں نے اپنے لیے "Slave" بنا پسند کیا یعنی اس نے آخری قسم کا انتخاب کیا۔

"I.B.Horner" اپنی کتاب میں ایک مکالمے کا تذکرہ کرتی ہیں جس کے مطابق بیوی میں راز کو پنہاں رکھنے کی خوبی پائی جاتی ہے:

"What here below, is the comrade supreme? Gotama is represented as answering in the next verse, "The wife is here below, the comrade supreme". The commentary says that, that is one to home a secret maybe told that can be hold to no one else. The power to keep secrets is regarded as befitting in a wife."[21]

ترجمہ: کونسی خوبی ہے جو رفیق کو اعلیٰ بناتی ہے؟ گوتم بدھ نے اگلے حصے میں اس کا جواب دیا وہ بیوی ہے جو سب سے اعلیٰ رفیق ہے شرح کہتی ہے کہ بیوی وہ ہے جس سے رازداری کی بات کی جا سکتی ہے اور وہ اس کو اپنی ذات تک محدود رکھ سکتی ہے اور کسی کو راز افشاں نہیں کرتی اور راز دار ہونا ہی بیوی کے شایانِ شان ہے۔

اسی طرح گوتم بدھ نے ان پانچ طاقتوں کا ذکر کیا جن کی موجودگی سے بیوی اپنے گھر میں با اعتماد زندگی گزار

سکتی ہے:

"Bhikkhus, there are five powers of a woman. What are the five? The power of beauty, the power of wealth, the power of relatives, the power of sons, the power of virtue, when a woman possesses these five powers, she dwells at home having won over her husband"(VERSE:246)[22]

ترجمہ: بھکشوؤ، عورت کو پانچ اوصاف طاقتور بناتے ہیں۔ وہ پانچ کیا ہیں؟ خوبصورتی کی طاقت، دولت کی طاقت، رشتہ داروں کی طاقت، بیٹوں کی طاقت، پاکدامنی کی طاقت، جب کوئی عورت ان پانچ طاقتوں کی حامل ہوتی ہے تو ایسی عورت اپنے گھر میں بستی ہے اس طرح کہ وہ اپنے شوہر پر سبقت رکھتی ہے۔

ایک طرف جہاں گوتم بدھ نے میاں بیوی کو کامیاب زندگی گزارنے کے اصول وضوابط سکھائے، ان کے حقوق و فرائض مقرر کیے تو دوسری طرف بدھ مت سے متعلق ایک نظریہ یہ بھی پایا جاتا ہے کہ بدھ مت غیر شادی شدہ زندگی کو افضل قرار دیتا ہے اور بدھ فرقے کا اصل مقصد و منشاء عورتوں کو مردوں سے دور رکھنا ہے۔ اس سلسلے میں لیوس مور اپنی کتاب "مذاہب عالم کا انسائیکلوپیڈیا" میں لکھتے ہیں:

"بدھ مذہب میں جہاں میاں بیوی کے تعلق اور ان کے باہمی سلوک کے لیے بہت سے قواعد و قوانین کا ذکر کیا گیا ہے وہاں بیوی کے لیے خاوند کے احکامات کی تعمیل کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ شوہر کے لیے فرمان بہر حال ہے کہ وہ اپنی بیوی کے اعتبار کو ٹھیس نہ پہنچائے۔ اس کی عزت کرے اور اسے کپڑے اور زیور دے۔ بیوی کو شوہر پرستی اور کفایت شعاری کی تعلیم دی ہے۔ عورت سے کہا گیا ہے کہ وہ اپنے گھریلو کاموں میں سمجھ داری دکھائے، لیکن اس کا سب سے بڑا نظریہ تو یہ ہے کہ غیر شادی شدہ زندگی ہی زندگی کی سب سے بڑی نیکی ہے۔ ایک بار اس نے کہا کہ عقلمند انسان کو شادی شدہ زندگی سے ڈرنا چاہیئے، یہ سمجھو کہ ایک آگ سے جلتی ہوئی کوئلے کی کان ہے، یہ بھی کہا کہ جو آدمی گھر میں رہتا ہے وہ بھلا خالص زندگی کیسے گزار سکتا ہے؟ ان سب باتوں سے پتہ چلتا ہے کہ بدھ غیر شادی شدہ زندگی کو تو سب سے افضل سمجھتا ہی تھا لیکن گریستوں کے لیے بھی ایسے قانون بنائے تھے کہ وہ ایک دوسرے کو اپنا دوست سمجھیں، ایک دوسرے کی عزت کریں اور ایک دوسرے کا یقین کریں"۔[23]

مندرجہ بالا اقتباسات و دلائل سے ثابت ہوتا ہے کہ بدھ مت کے بانی کے نزدیک عورت کی حیثیت کے

متعلق دو قسم کی آراء پائی جاتی ہیں۔ یوں محسوس ہوتا ہے گویا کہ وہ خود بھی کشش وپنج میں مبتلا ہوں۔ کہیں تو انہوں نے شادی شدہ زندگی کو افضل قرار دیتے ہوئے بیوی کے حقوق و فرائض مقرر کیے اور اسے آسمان کی بلندیوں تک پہنچا دیا اور کہیں غیر شادی شدہ زندگی کو نیکی قرار دیتے ہوئے عورت سے ہوشیار اور دوری اختیار کرنے کی تلقین کی اور اسے پستی و ذلت میں دھکیل دیا۔

عورت بحیثیت بیوہ:

بدھ مت سے قبل ہندو دھرم میں عورت کو اس بات کا بھی اختیار حاصل نہ تھا کہ وہ اپنے شوہر کے انتقال کر جانے کے بعد دوسری شادی کر سکے۔ بیوہ عورت کے حالات کا تذکرہ کرتے ہوئے I.B.Horner لکھتی ہیں:

"The widow's plight was still worse. Normally, a widow was not allowed to remarry. It is said that a widow had to kill herself by jumping into the funeral pyre of her husband"[24]

ترجمہ: ایک بیوہ کی حالت زار بہت بدتر تھی۔ عمومی طور پر بیوہ کو دوسری شادی کی اجازت نہیں تھی یہ کہا جاتا ہے کہ بیوہ کو اپنے شوہر کی چتا کی آگ میں جل کر مر جانا چاہیئے۔

گوتم بدھ اس بات کے حامی تھے کہ شوہر کے مرنے کے بعد بیوی کو آزادانہ زندگی گزارنی چاہیئے لیکن بدھ مت کے بنیادی مصادر و مراجع میں ہمیں اس عنوان پر کوئی واضح احکامات نہیں ملتے کہ آیا بیوہ دوسری شادی کر سکتی ہے یا نہیں جو کہ ہندو مت میں ممنوع تھی۔ اس سلسلے میں "Women under Primitive Buddhism" میں درج ہے:

"The development of the prohibition of widow remarriage corroborates this view, for it began later among the most orthodox and the most high-cast Brahmins, those to whom in fact, with menu as their law book. Buddhism was most antagonistic, it began tentatively, not definitely forbidding remarriage, but encouraging a widow for the

sake of her future happiness to live a life of charity and celibacy until her death."[25]

ترجمہ: بیوہ کی دوبارہ شادی کی ممانعت کا انکشاف اس نظریہ کی تائید کرتا ہے کہ یہ آگے چل کر انتہائی راسخ الاعتقاد اور اونچی ذات کے برہمنوں میں پروان چڑھا اور یہ ان کے لیے ان کی قانونی کتابوں کا جز قرار پایا۔ بدھ مت سب سے زیادہ اس (دوسری شادی) کی مخالفت میں تھا۔ یہ امتحانی طور پر تھا نہ کہ واضح طور پر دوسری شادی سے منع کیا گیا۔ لیکن ایک بیوہ کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے اسے اس بات پر آمادہ کیا گیا کہ وہ اپنے مستقبل کی خوشیوں کی خاطر ایک پاکدامن اور بغیر شادی کے زندگی گزار سکتی ہے جب تک کہ وہ مر نہ جائے۔

وہ مزید لکھتی ہیں:

"The position of women is Buddhist India was more inviable and more honorable than it had been in pre-Buddhist days. Daughters and widows were no longer regarded with such undisguised despair and contumely. On the contrary, both they and wives commanded more respect and ranked as individuals. They enjoyed more independen-ce and a wider liberty to guide and follow their own lives."[26]

ترجمہ: عورت کا مقام بدھ متی ہندوستان میں زیادہ اہم ترین اور زیادہ معزز ہے بنسبت جو بدھ مت سے پہلے ہوا کرتا تھا۔ بیٹیوں اور بیواؤں کو اب بیہودگی وحقارت اور مایوسی کی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا۔ بیٹیوں، بیواؤں اور بیویوں کو ایک منفرد مقام دیا جاتا ہے۔ وہ اب زیادہ آزادی محسوس کرتی ہیں اور انہیں اپنی زندگی اپنے طریقے سے گزارنے کی آزادی ہے۔

گو کہ بیوہ کی دوسری شادی سے متعلق گوتم بدھ نے واضح احکامات نہیں دیئے لیکن بدھ متی معاشرے میں بیوہ کو دوسری شادی کرنے اور اپنی مرضی سے زندگی گزارنے کا اختیار حاصل ہے۔

بدھ مت میں عورت کی حیثیت کے حوالے سے اختلاف موجود ہے۔ اس بات میں تو کوئی شک نہیں کہ گوتم بدھ بیٹی کی پیدائش کو برا خیال نہیں کرتے تھے لیکن ان کے پیروکاروں نے اس کو برے اعمال کا نتیجہ قرار دے دیا۔ گوتم بدھ عورت کو بحیثیت ماں، بیوی اور بیوہ بھی اس کا جائز مقام دلوانے میں ناکام رہے۔ کیونکہ ایک طرف جہاں انہوں نے عورت کی ان حیثیتوں کو سراہا ہے وہیں دوسری طرف مردوں کو عورتوں سے ہوشیار رہنے کی تلقین کرتے ہوئے اپنے ہی نظریئے کی نفی بھی کی ہے۔

فصل دوم

بدھ مت میں عورت کے حقوق

بدھ مت سے قبل ہندوستان میں عورتوں کے لیے مساوات اور برابری کے حقوق کا کوئی تصور موجود نہیں تھا۔ معاشرے میں عورت کا معاشرتی، مذہبی، سماجی کردار نہ ہونے کے برابر تھا۔ ہندو مذہبی روایات ورسومات نے عورت کی زندگی کو اجیرن بنادیا تھااور عورتیں صرف گھریلو کام کاج تک محدود تھیں، ایسے عالم میں جب عورت فرسودہ روایات میں جکڑی ہوئی تھی تو اس کے لئے اس وقت گوتم بدھ نے اصلاح کی آواز بلند کی۔ گوتم بدھ کے زمانے میں عورتوں پر کافی حد تک پابندیاں ختم ہوچکی تھیں جو اس سے قبل ہندو مت میں موجود تھیں۔ عورتیں زندگی کے تمام مشاغل میں شرکت کر سکتی تھیں۔

1۔ بدھ مت میں عورت کے مذہبی حقوق

گوتم بدھ نے اپنے دھرم کی ترویج و اشاعت کے لیے ایک جماعت کی بنیاد رکھی جو ''سنگھ'' کے نام سے موسوم ہے جس میں صرف مرد بطور بھکشو داخل ہوسکتے تھے تاکہ وہ بدھ متی دھرم کے بنیادی اصولوں کی پیروی کرکے اپاسک افراد کے لیے نمونہ عمل بن سکیں۔ پہلے پہل خواتین کو اس جماعت میں داخلے کی اجازت نہیں دی گئی کیونکہ گوتم بدھ کے خیال میں عورتیں کم ہمت ہوتی ہیں اور دنیاوی معاملات میں زیادہ دلچسپی رکھتی ہیں۔ اس لیے جماعت میں ان کا داخلہ بطور بھکشنی دھرم کی ترویج واشاعت میں سودمند ثابت نہیں ہو گا۔

مذہبی جماعت قائم کرنے کی اجازت:

بدھ مت کے ابتدائی دور میں گوتم بدھ کی تعلیمات کے مطابق عورتوں کو گھر بار چھوڑ کر بھکشنی بننے کی دعوت نہیں دی گئی۔ اس کا آغاز اس وقت ہوا جب گوتم بدھ کی خالہ گوتمی مہاپجاپتی *نے گوتم بدھ سے اپنا حلقہ ارادت قائم کرنے کی اجازت لی۔ جب گوتم بدھ نروان کے حصول کے بعد کپل وستو آئے تو گوتمی مہاپجاپتی انہیں

---

*جب گوتم بدھ کی والدہ کا انتقال ہوا تو انہوں نے گوتم بدھ کے والد سے شادی کرلی یوں وہ گوتم بدھ کی سوتیلی ماں بھی تھی، انہوں نے بدھ کی پرورش کی۔

فقیرانہ لباس میں دیکھ کر بہت پریشان ہوئیں۔ لیکن جب گوتم بدھ نے موسم برسات میں وہاں قیام کیاتو گوتمی نے اپنے بال کٹوا کر اور معمولی سے کپڑے سے خود کو ڈھک کر گوتم بدھ سے التجا کی:

"The Gotamid, Pajapati the Great, approached the Lord: having approached, having grated the Lord, she is stood at a respectful distance the Gotamid, Pajapati the Great, spoke thus to the Lord:

Lord, it was the women should obtain the going forth from home into homelessness in this dhamma and disciplined proclaimed by the truth-finder''.

Be careful, Gotami, of the going forth of women from home into homelessness in this dhamma and discipline proclaimed by the truth finder."[27]

ترجمہ: گوتمی آقا کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کا احترام بجالاتی ہے اور کچھ فاصلے پر کھڑے ہو کر احترام کے ساتھ سوال کرتی ہے:

اے آقا، جو اصول و ضوابط سچائی کی راہ پر چلنے والوں کے لیے بتائے گئے ہیں کیاعورتیں بھی اسی طرح سے ہی بے گھر ہو کر ان مراتب کو حاصل کریں؟

(گوتم بدھ نے جواب دیا) گوتمی، خبردار رہو، احتیاط کرو (گھر سے بے گھر ہونے کے اعتبار سے) ان معاملات میں گھر سے بے گھر ہونے کے جو اصول بتائے گئے ہیں سچی راہ پر چلنے کے لیے اس میں محتاط رہو۔

گوتمی مہاپجاپتی کے مسلسل تکرار و اصرار کے باوجود گوتم بدھ نے انہیں حلقہ ارادت قائم کرنے کی اجازت نہ دی لیکن گوتمی مہاپجاپتی اپنی بات پر قائم رہیں اور اجازت طلب کرتی رہیں لیکن ہر دفعہ گوتم بدھ کا یہی جواب ہوتا:

"Be careful, Gotamid, of the going forth of women from home into homelessness in

this dhamma and discipline proclaimed by the truth finder."[28]

ترجمہ: احتیاط سے گوتمی! حق کی تلاش کرنے والوں نے جو ترتیب بنائی ہے کہ عورت کا گھر سے بے گھر ہو جانا اس سے آگے نہ بڑھیئے۔

اس کے بعد گوتمی مہاپجاپتی بہت افسردہ ہو گئیں کیونکہ گوتم بدھ انہیں حلقہ ارادت قائم کرنے کی اجازت نہیں دے رہے تھے:

"Then the Gotamid, Pajapati the great, thinking, the Lord does not allow women to go forth from home into homelessness in the dhamma and discipline proclaimed by the truth finder, affected, grieved, with a tearful face and crying, having greeted the Lord, departed keeping her right side towards him."[29]

ترجمہ: پھر گوتمی مہاپجاپتی نے سوچا کہ آقا (گوتم بدھ) تو اجازت نہیں دیتے کہ عورت آگے اس طرح بڑھ جائے کہ گھر سے بے گھر کہلائے اور جو حق کی تلاش کرنے والوں نے قواعد بنائے ہیں تو اس نے آہ وزاری شروع کر دی، رونا شروع کر دیا اس طرح کہ اپنا چہرہ روتے روتے آنسوؤں سے بھر لیا اور اس انداز میں گوتم بدھ کو ستانا شروع کر دیا اور اس طرح ناراضگی کا اظہار کیا کہ اپنا رخ اس سے پھیر لیا۔

ہر دفعہ گوتم بدھ کی طرف سے جواب نفی میں ملنے پر گوتمی مہاپجاتی مایوس اور افسردہ ہو کر واپس لوٹ گئیں لیکن گوتم بدھ کے شاگرد جس کا نام آنندہ تھا وہ اس سوچ و فکر کے حامی تھے کہ عورتوں کو بھی حلقہ ارادت قائم کرنے کی اجازت ملنی چاہیئے کیونکہ عورتیں مردوں کے شانہ بشانہ معاشرتی اقدار کے انقلاب کی جدوجہد کا حصہ بن کر اسے کامیاب بنا سکتی ہیں۔ لہٰذا آنندہ نے گوتم بدھ سے درخواست کی کہ عورتوں کو بھی اس جماعت (سنگھ) میں داخلے کی اجازت دی جائے۔ آنندہ نے اس حوالے سے اصولی بحث چھیڑی اور گوتم بدھ سے مکالمہ کیا:

"Now, Lord, are women having gone forth from home into homelessness in the

dhamma and discipline proclaimed by the truth finder, able to realise the fruit of stream-attainment or the fruit of non-returning or perfection?

Women, Ananda, having gone forth from home into homelessness in the dhamma and discipline proclaimed by the truth finder are able to realise perfection?

If Lord, women having gone forth from home into homelessness in the dhamma and discipline proclaimed by the truth finder are able to realise perfection and, Lord the Gotamid Pajapati the Great was of great service:She was the Lord's aunt, foster-mother, nurse, giver of milk, for when the Lord's mother passed away she suckled him-it were well, Lord, that women should obtain the going forth from home into homelessness in the dhamma and discipline proclaimed by the truth finder.

If Ananda, the Gotamid, Pajapati the great accepts eight important rules, that maybe ordination for her."[30]

ترجمہ: تو، اب خدایا، عورتیں جو آگے بڑھیں اور گھر سے بے گھر ہوئیں اس عرصے میں اور ان قواعد میں جو حق کی تلاش کرنے والوں نے بتائے ہیں کیا انہیں ان ثمرات کے حصول اور عدم واپسی کے ثمرات حاصل ہوئے یا ان کی اہل ہوئیں؟

آنندہ: کیا عورتیں جو آگے بڑھ گئیں ہیں وہ اہلیت کو محسوس کرنے کے لائق ہیں؟

(آنندہ نے درخواست کی) اے خدایا! اگر عورتیں جو آگے بڑھیں ہیں اس قابل ہیں کہ اہلیت کو سمجھیں اور خدایا! عظیم گوتمی پچاپتی جنہوں نے عظیم خدمات سر انجام دی ہیں وہ آقا (گوتم بدھ) کی خالہ ہیں، ماں کی طرح، خدمت گزار، دودھ پلانے والی جب آقا (گوتم بدھ) کی ماں کا انتقال ہو گیا تو اس نے بڑے اچھے انداز سے اسے رکھا۔ ایسی عورت اس بات کی حقدار ہے کہ وہ آگے بڑھے اور جائے گھر سے باہر اس زمانے میں اور ان قواعد "Dhamma" پر عمل کرے جو حق کی تلاش میں سرکردہ لوگوں نے بتائے ہیں۔

(گوتم بدھ گویا ہوئے) آنندہ اگر عظیم گوتمی مہاپچاپتی ان اہم آٹھ اصولوں کو مان لے تو اس کی بطور راہبہ تقرری ہو سکتی ہے۔ وہ آٹھ اصول حسبِ ذیل ہیں:

آٹھ رہنما اصول The Eight Garudhammas:

آنندہ کی سفارش پر گوتم بدھ نے عورتوں کو سنگھ قائم کرنے کی اجازت دے دی لیکن اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے عورتوں کے لیے کچھ قواعد و ضوابط مقرر کیے جو کہ مردوں کے مقابلے میں بہت سخت تھے۔ جو قوانین مقرر کیے گئے وہ درج ذیل ہیں:

"1. A nun, even if of a hundred years standing shall make salutation to, shall rise up in the presence of, shall bow down before and shall perform all proper duties towards a monk, if only just initiated. This is a rule to be served and reverenced, honoured and observed, and her lifelong never to be transgressed.

2. A nun is not to spend the rainy season in a district in which there is no monk. This is a rule…..never to be transgressed.

3. Every half month a nun is to await from the Bhikkhu sangha two things, the

asking as to (the date of) the uposatha ceremony, and the time (when the monk) will come to give the exhortation. This is a rule…..never to be transgressed.

4. After keeping the rainy season the nun is to hold pavarana (to enquire whether any fault can be laid to her charge) before both Sanghas-as well that of the monks as that of nuns with respect to there matters, namely, what has been seen and what has been heard and what has been suspected.This is a rule…..never to be transgressed.

5. A nun who has been guilty of a serious offense is to undergo suitable discipline towards both the Sanghas (monks and nuns). This is a rule…..never to be transgressed.

6. When a nun, as novice, has been trained for Two years in the six rules, she is to ask leave for the upasampada ordination from both the sanghas (as well that of monks as that of nuns). This is a rule…..never to be transgressed.

7. A nun is on no pretext to revile or abuse a monk. This is a rule…..never to be transgressed.

8. From henceforth official admonition by nuns of monks is forbidden, whereas the official admonition of nuns by monks is not

forbidden. This is a rule.....never to be transgressed."[31]

ترجمہ: ا۔ایک راہبہ، چاہے سینکڑوں سال عبادت میں گزار چکی ہو، جب بھی کسی راہب کے سامنے آئے گی سر تعظیم میں جھکائے گی اور اس کے لیے اپنی تمام تر خدمات پیش کرے گی۔یہ وہ اصول ہے جس پر عمل کیا جائے گا، اس کا احترام کیا جائے گا، اس کو ممتاز رکھا جائے گا اس کو بیان کیا جائے گا اور تا زندگی اس کی حکم عدولی نہیں کی جائے گی۔

۲۔ کوئی بھی راہبہ کسی ایسے علاقے میں موسم برسات نہیں گزارے گی جہاں کوئی راہب موجود نہ ہو یہ قانون ہے جو کبھی توڑا نہیں جائے گا۔

۳۔ آدھا مہینہ گزرنے کے بعد راہبہ دو چیزوں کا انتظار کرے گی۔پوچھنے پر بتایا گیا، ایک اپوساتھا "Aposatha" رسم کا اور دوسرے اس وقت کا جب کوئی بھکشو آکر اس کو نصیحت کرے۔یہ قانون ہے جو کبھی توڑا نہیں جائے گا۔

۴۔ موسم برسات گزر جانے کے بعد یہ راہبہ کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس بات کا جائزہ لے کہ آیا کوئی غلطی تو سرزد نہیں ہوئی دونوں (راہب اور راہبہ) کی بنسبت۔اوران کو تینوں معاملوں میں دیکھا جائے گا۔کیا دیکھا گیا۔کیا سنا گیا۔کس چیز پر شبہ ہوا اور یہ قانون ہے جو کبھی توڑا نہیں جائے گا۔

۵۔ اگر کوئی راہبہ کسی سنگین گناہ کی مرتکب ہوئی تو اسے مروّجہ قوانین کے تحت دونوں (راہب اور راہبہ) کی طرف بھیج دیا جائے گا اور یہ قانون ہے جو کبھی توڑا نہیں جائے گا۔

۶۔ جب کوئی نو آموز راہبہ اپنے دو سال کی تربیت چھ اصولوں پر مکمل کر لے تو وہ دیگر راہبہ کی طرح ترقی پا کر اعلیٰ سطح پر اپنی تقرری کی درخواست کر سکتی ہے۔یہ قانون ہے جو کبھی توڑا نہیں جائے گا۔

۷۔ کوئی بھی راہبہ کسی راہب سے نہ تو کسی بہانے سے بد کلامی کرے گی اور نہ ہی برا بھلا کہے گی۔یہ قانون ہے جو کبھی توڑا نہیں جائے گا۔

۸۔ اس سے بھی آگے کسی بھی راہبہ کا کسی راہب کو تنبیہ کرنا حرام ہے لیکن کسی راہب کا کسی راہبہ کو تنبیہ کرنا حرام نہیں ہے۔ یہ قانون ہے جو کبھی توڑا نہیں جائے گا۔

چنانچہ مندرجہ بالا آٹھ قوانین کی بناء پر عورتوں کو جماعت میں داخلے کی اجازت دی گئی۔ گوتم بدھ بذات خود عورتوں کی جماعت کے قائل نہ تھے لیکن یہ فیصلہ انہوں نے صرف آنندہ کی سفارش پر کیا۔ جن قوانین کی بناء پر فیصلہ کیا گیا وہ مردوں کے مقابلے میں بہت سخت قوانین تھے اور صرف عورتوں کے لیے مخصوص تھے۔ اس پورے واقعے کی منظر کشی کرتے ہوئے کرشن کمار لکھتے ہیں:

''اس دور میں بدھ بیٹھے سوچ رہے تھے کہ کیا عورت کو بھی مذہبی امور میں شامل کرنا چاہیے یا نہیں ان کا تذبذب اور ہچکچاہٹ ان کے دور کے سماجی رویوں اور روایات کی روشنی میں قابل فہم ہے سماجی دھارے کے رخ نے عورتوں کی سنگھ (جماعت) میں شمولیت کے سوال پر بدھ کو متذبذب تو ضرور کر دیا گیا لیکن روایات شکن دھرم کی تشکیل کرنے والے (مصلح) کو اس تاریخ ساز فیصلے سے باز نہ رکھ سکا کہ دنیا دھرم مردوں کی طرح عورتوں کے لئے بھی ایک کھلے دروازے کی مانند ہے۔ اس فیصلے سے خطے کی عورت پر سماجی اور مذہبی کردار کا تعین ہوا، عورتوں کی غیر گھریلو سرگرمیاں پر لگا رسم ورواج کا پہرہ ٹوٹ گیا اور انھیں پہلی بار احساس ہوا کہ خود معاملات میں وہ مردوں سے بہتر نہیں تو کمتر بھی نہیں ہیں۔ بدھ مذہب نے عورتوں کے لئے جماعت (مسنگھی) کا ایک شعبہ قائم کر کے گویا اس کو سرپرست کے رتبے سے نوازا گیا اس فیصلے کے بعد عورتوں کی کثیر تعداد بدھ دھرم کی پناہ میں آ گئی تو گوتم بدھ نے کھلم کھلا عورت اور مرد کے مساوی حقوق کا اعلان کیا۔''[32]

آنندہ کی سفارش پر بہت سوچ و بچار کے بعد گوتم بدھ نے عورتوں کو بھی مردوں کی طرح مذہبی جماعت قائم کرنے کی اجازت تو دے دی لیکن اس کے لئے مقرر کئے گئے قوانین انتہائی سخت اور تکلیف دہ تھے۔

تنقیدی جائزہ:

مندرجہ بالا آٹھ اصولوں کے متعلق تبصرہ کرتے ہوئے "Archana paudel" لکھتے ہیں:

"These eight restrictions clearly kept bhikkhus at a much higher level than the bhikkhunis. I think these eight restrictions made Buddhism a kind of sexist religion. Women are not considered as a complete

entity in Buddhism. Their body is not considered fit to attain enlightenment and become Buddha. There is a concept that women are not complete until they attain enlightenment to become reborn as a man. It is clearly stated in the Bahudhatuka-sutta that there could never be a female Buddha.[33]"

ترجمہ: یہ آٹھ پابندیاں واضح طور پر بھکشو (مرد) کو اونچے درجات پر رکھیں گی بنسبت بھکشنی (خواتین) کے۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ آٹھ اصول بدھ مت کو منفرد مذہب بنادیں گے کہ بدھ مت میں خواتین کو مکمل ذات نہیں سمجھا جاتا۔ ان کا جسم اس قابل نہیں کہ تعلیمات کا حصول کرکے بدھا بن سکے۔ یہاں خیال کیا جاتا ہے کہ عورت ذات نامکمل ہے کہ جب وہ ایسی تعلیمات حاصل کرے کہ دوبارہ پیدا ہو مرد کی طرح (مرد کے روپ میں اس کا دوبارہ جنم ہو)۔ بہودھاتکاستّا "Bahudhatauk-sutta" میں واضح بیان کیا گیا ہے کہ کوئی عورت بدھا نہیں بن سکتی۔

"Archana Paudel" پہلے اصول پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"A very surprising rule as i would say is that a nun should behave respectfully towards a junior bhikshu and vow down in his respect to greet him, no matter how old she is. This clearly shows the sexist aspect of Buddhism. It clearly shows how females have been placed at a lower position as compared to males."[34]

ترجمہ: ایک انتہائی حیرت انگیز اصول جس کا میں ذکر کروں گا وہ یہ ہے کہ ایک راہبہ (بھکشنی) کو اپنے سے چھوٹے بھکشو کی تعظیم کرنی چاہیئے اور اس کو سلام کرنے یا اس کے استقبال کے لیے تعظیماً سر جھکانا چاہیئے قطع نظر اس سے کہ وہ کتنی

عمر رسیدہ ہے۔ یہ اقدام بدھ مت میں جنسی تعصب کو صاف ظاہر کرتا ہے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ مردوں کے مقابلے میں عورتوں کو کتنے نچلے درجے پر دیکھا جاتا ہے۔

پروفیسر "Heng ching shih" اس حوالے سے رقمطراز ہیں:

" Women are said to have five obstacles, namely being incapable of becoming a Brahma King, `Sakra`, King `Mara`, Cakravartin or Buddha." [35]

ترجمہ: بدھ مت میں مانا جاتا ہے کہ عورتوں کے لیے پانچ رکاوٹیں حائل ہیں۔ ان میں یہ اہلیت نہیں کہ یہ "برہمن بادشاہ" بن سکیں، "سکرا" بن سکیں، "شاہ مارہ" بن سکیں، "ککرورتن" بن سکیں اور "بدھا" بن سکیں۔

ان اصولوں کے مطابق ایک عمر رسیدہ بھکشنی کو بھی نوجوان بھکشو کے احترام میں جھکنا پڑتا ہے جو اخلاقیات کے منافی ہے۔ اسی طرح "Archana Paudel" ایک اور پہلو کی نشاندہی کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"One of the chief difficulties lies in the female ordination, female women in order to become a Buddhist should have observed a two year training period as a probationer-a Sikkhamana.After having observed this period of training, higher ordination should be requested by her from both communities, that is, from the communities of bhikkhus and Bhikkhunis.Initially, this created a big problem as the females were very much ashamed to answer questions regarding their genitalia and menstruation from the bhikkhus, this kept them in a very awkward situationn".[36]

ترجمہ: انتہائی سخت قوانین میں سے ایک قانون جو خواتین کے لیے ہے وہ یہ کہ جو عورت بھی بدھ متی (بھکشنی) بننا چاہے گی اس کو دو سالہ تربیت کا عرصہ گزارنا پڑے گا۔ جسے سکھامانا"Sikkhamana" کہتے ہیں جہاں اس کی اہلیت دیکھی جائے گی اور آزمائش کی جائے گی۔اس تربیتی دورانیے کے بعد دونوں گروہ مرد و زن بھکشوؤں کی جانب سے اس کی ترقی کے لیے استدعا کی جاسکتی ہے۔یہاں عورت کو ایک بڑی مشکل کا سامنا رہتا ہے کہ وہ راہبوں(بھکشوؤں) سے شرمندگی محسوس کرتی ہے ان سوالات کے جوابات دینے میں جو ان سے کیے جاتے ہیں اس کے تولد و تناسل اور حیض سے متعلق۔

وہ معاملات جن کو عورت مردوں سے پسِ پردہ رکھتی ہے بدھ متی بھکشنی بننے کے لیے اسے مردوں کو ان کے متعلق بھی آگاہ کرنا پڑتا ہے جو انتہائی قابل مذمت اقدام ہے۔ اگرچہ گوتم بدھ اس خیال کے حامی تھے کہ عورتوں کو مذہبی جماعت سے دور رکھنا بہتر ہے لیکن اپنے شاگرد آنندہ کے پرزور اصرار پر انہوں نے عورتوں کو مذہبی جماعت قائم کرنے کی اجازت دی۔ لیکن ساتھ ہی اس خدشے کا اظہار کیا:

"اے آنند! اگر عورتوں کو سنگھ میں داخل کرنے کی اجازت نہ دی گئی ہوتی تو پوتّر دھرم بہت وقت تک قائم رہتا، ہزار ہا سال سے بھی زیادہ۔ لیکن اب چونکہ عورتوں کو سنگھ میں آنے کی اجازت دے دی گئی ہے اب یہ دھرم پانچ سو سال ہی قائم رہ سکے گا۔"[37]

لہٰذا گوتم بدھ نے خبر دار کیا کہ عورتوں کو مذہبی جماعت سے دور رکھنا ہی بہتر ہے لیکن اس بات سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ سرزمین ہندوستان پر بدھ مت ہی وہ پہلا مذہب ہے جس نے عورتوں کو مذہبی حقوق دیکر انہیں مذہبی جماعت قائم کرنے کی اجازت دی۔

پہلی بھکشنی کا اعزاز:

بدھ مت کی روایات کے مطابق گوتمی مہاپجاپتی ہی وہ پہلی خاتون ہیں جنہوں نے گوتم بدھ سے عورتوں کی مذہبی جماعت قائم کرنے کی اجازت مانگی:

"Mahapajapati Gotamid, who was to become the founder of the first order of Buddhist nuns, was born into the Koliya clan in the town of Devadaha in North

Eastern India near of the foothills of the Himalayas." [38]

ترجمہ: گوتمی مہاپجاپتی وہ پہلی خاتون ہیں جنہوں نے گوتم بدھ سے عورتوں کی مذہبی جماعت قائم کرنے کی اجازت مانگی کیونکہ وہ بدھ مت میں بھکشنیوں کی جماعت کی بانی بنناچاہتی تھیں۔وہ کولیاکلن"Koliya clan"میں پیداہوئیں جوکہ بھارت کے جنوب مشرقی قصبے دوادھا"Devadaha"ہمالیہ کے قریب واقع ہے۔

گوتمی مہاپجاپتی کی پیدائش پر کی گئی پیشگوئی کاتذکرہ کرتے ہوئے"Susan Murcott" اپنی کتاب "First Buddhist Women"میں لکھتی ہیں:

"At her birth, an astrologer foretold that she would be the leader of a large following, and she was named Pajapati, meaning. "Leader of a great assembly","Maha" a prefix which means "great" came to be used with her name."[39]

ترجمہ: ان کی پیدائش کے وقت ایک نجومی نے پیشن گوئی کی تھی کہ یہ ایک عظیم راہ نما بنیں گی جس کے ماننے والے بڑی تعداد میں ہونگے۔اس لیے اس کانام پجاپتی رکھا گیاجس کا معنی ہے"ایک عظیم گروہ کی راہنما"،"مہا"کالقب اس کے نام کے ساتھ استعمال کیاگیاجس کا معنی ہے"عظیم"۔

گوتمی مہاپجاپتی گوتم بدھ کی خالہ تھیں اور گوتم بدھ کی والدہ کے انتقال کے بعدانہوں نے گوتم بدھ کے والد سے شادی کرلی،یوں وہ گوتم بدھ کی سوتیلی ماں بھی تھیں:

"Seven days after her delivery, Maya died. Neither history nor legend tells us why. Pajapati took Siddhartha and reased him as her own first child, and later bore two more children, a daughter named sundari-wanda and a son named Nanda."[40]

ترجمہ: پجاپتی کے پیدائش کے سات دن بعد (اس کی والدہ) مایا کی موت واقع ہو گئی۔ نہ ہی تاریخ اور نہ واقعات اس کی کوئی وجہ بتاتے ہیں۔ پجاپتی نے سدھارتا کو لیا اور اسے پہلی اولاد سمجھتے ہوئے اس کی پرورش کی۔ اس کے بعد مزید دو بچوں کی پرورش کی۔ ایک بیٹی جس کا نام سندری نندا "sundari-wanda" تھا اور بیٹے کی جس کا نام نندا "Nanda" تھا۔

جب گوتم بدھ نے عرفان حاصل کر کے بدھ مذہب کی تبلیغ شروع کی تو اس وقت صرف مردوں کو بھکشو بننے کی اجازت تھی، عورتیں اس جماعت کا حصہ نہیں بن سکتی تھیں لیکن جب:

"Many men head either died in battles between warring clan or had decided to become mendicants, many women were left on their own, feeling displaced and lacking moral guidance, Mahapajapati, Siddhartha's foster mother, thus became a source of strength and support for many women in the district."[41]

ترجمہ: کافی تعداد میں مرد مر گئے یا تو قبائل کے مابین جنگوں میں یا پھر درویش بن گئے۔ زیادہ تر خواتین ہی بچیں جو بے سہارا تھیں، جو یہ محسوس کرتی تھیں جیسے اب ان کی کوئی حیثیت نہیں اور ان کے پاس ایک اچھی سمت کی رہنمائی کی بھی کمی تھی۔ پجاپتی جو سدھارتا کی پرورش کرنے والی (ماں) تھیں وہ ان قصبوں میں ان خواتین کے لیے قوت اور ان کا ساتھ دینے کا ذریعہ بنیں۔

چنانچہ گوتمی مہاپجاپتی نے گوتم بدھ سے درخواست کی کہ انہیں اپنی جماعت قائم کرنے کی اجازت دی جائے لیکن گوتم بدھ عورتوں کی مذہبی جماعت کے قائل نہ تھے لہذا کئی بار اصرار کرنے پر بھی گوتمی مہاپجاپتی کو مایوس لوٹنا پڑا ہر دفعہ گوتم بدھ کا یہی جواب ہوتا:

"Enough, Gotami, don’t set your heart on women being allowed to do this"[42]

ترجمہ: بس بہت ہو گیا، گوتمی! اس طرح کی امید رکھنا چھوڑ دو کہ عورتیں یہ کرنے (یعنی بھکشنی بننے کی) کی مجاز ہیں۔

گوتمی مہاپجاپتی کو انکار کر کے گوتم بدھ وسالی "Vesali"* روانہ ہو گئے لیکن گوتمی مہاپجاپتی نے ہمت نہیں ہاری اور وہ بھی کئی خواتین کے ہمراہ وسالی "Vesali" پہنچ گئیں:

"Pajapati cut off her hairs, put on saffron-colored robes, and headed for vesali with a number of Sakyan women."[43]

ترجمہ: پجاپتی نے اپنے سر کے بال مونڈے اور زعفرانی رنگ کا لباس پہنا اور وسالی "Vesali" روانہ ہو گئیں۔

آخر کار گوتم بدھ کے چیلے آنندہ نے گوتم بدھ سے سفارش کی کہ گوتمی مہاپجاپتی کو عورتوں کی مذہبی جماعت قائم کرنے کی اجازت دی جائے۔ گوتم بدھ نے اس شرط پر اجازت دی کہ اگر گوتمی مہاپجاپتی آٹھ اصولوں کی پیروی کرے تو وہ بھی "بھکشنی" بن سکتی ہے۔ گوتمی مہاپجاپتی نے ان آٹھ اصولوں کی پیروی کی یقین دہانی کرائی۔ یوں سب سے پہلے "بھکشنی" بننے کا اعزاز گوتمی مہاپجاپتی کو حاصل ہے۔ گوتم بدھ عورتوں کو بھی "بھکشنیاں" بناتے تھے۔ اس سلسلے میں لیوس مورر قمطراز ہیں:

"تاریخ بتلاتی ہے کہ بدھ کی زندگی میں ۷۳ عورتوں نے ۱۰۷ مردوں نے نروان حاصل کر کے انسانی زندگی کی بہترین حد تک پہنچنے کی کوشش کی تھی"۔[44]

وہ مزید لکھتے ہیں کہ:

"بدھ کی موت کے دو تین سو سال بعد اشوک اعظم نے بدھ مذہب کی تبلیغ کے لیے بہت بڑے کام کیے اس نے اپنے بیٹے اور بیٹی کو لنکا بھیج کر ایک جماعت قائم کی اور بھکشنیوں کا بھی ایک چھوٹا سا گروہ بنایا تھا۔ اشوک نے پاٹلی پتر میں بودھوں کی ایک مجلس کی اس وقت اس جماعت کے قانون اور ضابطوں کی تصحیح کی اس مجلس میں بھکشنیاں

---

*۔ وسالی بہار کی ریاست میں واقع ایک شہر ہے، یہ شہر گنڈک دریا کے الٹے کنارے پر واقع ہے، اس شہر کو پالی زبان میں "وسالی" کہا جاتا ہے۔

گرہت یا دونوں شامل تھیں"۔[45]

گوتمی مہاپجاپتی کو اجازت ملنے کے بعد کئی عورتیں ان کی جماعت میں داخل ہو گئیں۔ گوتمی مہاپجاپتی نے بھکشنیوں کی جماعت قائم کی جو گوتم بدھ کی پیشگوئی کے برعکس تادیر چلی۔ عورتیں بہت دلچسپی کے ساتھ اس جماعت میں شامل ہوئیں اور ہندوستان کے علاوہ بھی کئی ممالک میں بدھ دھرم کو احسن طریقے سے پہنچایا۔

2۔ عورت کے معاشرتی وعائلی حقوق

شادی کی حیثیت:

"Ven.Dr k Sri Dhammanande" اپنی کتاب "A Happy Married Life" میں لکھتے ہیں کہ کچھ لوگ بدھ مت پر اعتراض کرتے ہیں کہ بدھ مت شادی کے خلاف ہے اور غیر شادی شدہ زندگی کو افضل قرار دیتا ہے ایسا نہیں ہے، بلکہ:

> "The Buddha never spoke against married life .However, he pointed out all the problems, difficulties and worries that people would have to face when they take on the responsibility of marriage. Just because he warned one against problems in marriage does not mean that the Buddha condemned marriage."[46]

> ترجمہ: بدھانے کبھی شادی کی مخالفت میں گفتگو نہیں کی حالانکہ اس نے تمام مشکلات، پریشانیوں اور مسائل کا تذکرہ کیا جو لوگوں کو پیش آتے ہیں جب وہ شادی کی ذمہ داریاں سنبھالتے ہیں۔ صرف اسی وجہ سے کہ اس نے ایک شخص کو شادی میں پیش آنے والی مشکلات کی بنا پر متنبہ کیا تھا، یہ کہا جائے کہ وہ شادی کے مخالف تھے تو ایسا نہیں ہے۔

مندرجہ بالا اقتباس کے مطابق گوتم بدھ نے شادی کی مذمت نہیں کی لیکن شادی کے بعد پیش آنے والی مشکلات کے بارے میں ضرور آگاہ کیا(گویا شادی کی مخالفت ہی کی)لیکن بدھ مت میں شادی کی تقریب کے حوالے سے خاص ہدایات نہیں ملتیں:

"The marriage ceremony is entirely secular. In itself it contains no Buddhist elements. On the morning of the wedding day, however monks are invited to the home of the bride, where they are offered a special feast. Usually but not always, they are asked to recite paritta (text which bring protection and blessings) to protect the prospective bride and groom from danger .The monks return to their monasteries before the marriage ceremony begins :they don't even witness the ceremony, let alone take part in it."[47]

ترجمہ: شادی کی تقریب مکمل طور پر آزادانہ ہوتی ہے اس لحاظ سے کہ اس میں بدھ مت کا عنصر شامل نہیں ہوتا۔ شادی کی صبح راہبوں کو دلہن کے گھر مدعو کیا جاتا ہے جہاں انہیں خاص پکوان پیش کیے جاتے ہیں لیکن ہمیشہ ایسا نہیں ہوتا۔ انہیں کہا جاتا ہے کہ وہ پریتا "paritta" پڑھیں (جو کہ ایسا متن ہے جس کے پڑھنے سے برکات حاصل ہوتی ہیں اور حفاظت ہوتی ہے)۔ جو حفاظت کرے مستقبل میں دلہا دلہن کی خطرات سے۔ راہب شادی کی تقریب شروع ہونے سے پہلے اپنی خانقاہ میں واپس چلے جاتے ہیں حتیٰ کہ وہ اس تقریب کے گواہ بھی نہیں ہوتے۔

چنانچہ مختلف ممالک میں وہاں کے رسم ورواج کے مطابق شادی کی تقریب منعقد کی جاتی ہے:

"Nowadays, in many countries besides the blessing service, religious organisations also have been given the authority to solemnises and register marriages together with the issuance of legal marriage certificates."[48]

ترجمہ: آج کی تاریخ میں بہت سے ممالک میں برکتوں اور رحمتوں کے حصول

کے علاوہ بھی مذہبی تنظیمیں یاان کے نمائندے یہ اختیار رکھتے ہیں کہ وہ ان تقاریب کو منائیں اور شادی کی تقریب کو قانونی طور پر قانونی دستاویز کے ساتھ مستند کروائیں۔

بیوی کے حقوق:

گوتم بدھ سے جب سوال کیا گیا کہ شوہر کو بیوی کے ساتھ کیسا معاملہ اور برتاؤ کرنا چاہیئے تو گوتم بدھ نے بیوی کے حقوق بیان کرتے ہوئے کہا:

> "In five ways should a wife is western quarter be ministered to by her husband, by respect, by courtesy, by faithfulness, by handing over authority to her, by providing her with adornments."[49]

> ترجمہ: مرد کو پانچ طریقوں سے اپنی بیوی کے ساتھ پیش آنا چاہیے اس کی عزت کرے، اس کے ساتھ خوش اخلاقی سے پیش آئے، اس سے پر خلوص رہے، اس کو تمام تر اختیارات سپرد کردے اور اس کی زیبائش کا سامان مہیا کرے۔

گوتم بدھ نے میاں بیوی کے باہمی تعلق کو مضبوط کرنے کے لیے چند قواعد و قوانین کا ذکر کیا اور دونوں کو ان کے حقوق و فرائض سے آگاہ کیا۔

تعدد ازواج Monogamy or polygamy:

بعض معاملات میں گوتم بدھ نے خاموشی اختیار کی اور واضح احکامات نہیں دیے۔ مثال کے طور پر کہ کیا مرد ایک سے زائد شادی کر سکتا ہے یا نہیں؟ اس سلسلے میں بدھ مت میں کوئی واضح احکامات نہیں ملتے اس سلسلے میں مصنف لکھتے ہیں:

> "As to the question of whether Buddhists can keep more than one wife, a direct answer is not available in the Buddha's teachings, because as mentioned earlier, The Buddha did not lay down any religious laws

with regard to married life although he gave valuable advice on how to lead a respectable married life."[50]

ترجمہ: اس امر کے متعلق کہ بدھ مت کے پیروکار ایک سے زائد شادیاں کر سکتے ہیں، بدھا کی تعلیمات میں کوئی جواب موجود نہیں۔ کیونکہ جس طرح پہلے ہی یہ بات بتائی جاچکی ہے کہ بدھانے شادی کے حوالے سے کوئی مذہبی قوانین وضع نہیں کیے جب کہ اس نے ایک باعزت شادی شدہ زندگی گزارنے کے حوالے سے گراں قدر مشورے دیئے ہیں۔

گوتم بدھ نے تعدد ازواج سے متعلق کوئی حکم نامہ جاری نہیں کیا:

"Although the Buddha did not mention anything regarding the number of wives a man could have, he explicitly mentioned in his discourses that should a married man go to another woman out of wedlock, that could become the cause of his own downfall and he would have to face numerous other problems and disturbances."[51]

ترجمہ: اگرچہ بدھانے اپنی تعلیمات میں ازواج کی تعداد کا تذکرہ نہیں کیا لیکن اس نے واضح طور پر اپنی تعلیمات میں اس بات کا تذکرہ کیا ہے کہ اگر کوئی شخص شادی شدہ ہوتے ہوئے بغیر عقد کے کسی دوسری عورت کے قریب جائے تو یہ اس کے لیے انتہائی پستی و شرمندگی ہے اور اس کو دوسری کئی قسم کی مشکلات اور پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔

بدھ مت کے دور میں ایک شادی کا رواج تھا لیکن اس کے ساتھ ساتھ ایک سے زائد شادیوں پر بھی کوئی پابندی نہیں تھی، لہذا بادشاہوں اور سرمایہ داروں نے ایک سے زائد شادیاں کیں۔ اس کی دلیل بیان کرتے ہوئے "I.B.Horner" لکھتی ہیں کہ:

"Pasenadi had at least five wives: Malika, who was his chief queen, Vasabha, Ubbiri,

Soma and Sakuta."[52]

ترجمہ: پاسادی کی پانچ بیویاں تھیں: ایک ملکہ جو سب سے بڑی شہزادی تھیں،

دوسری وسابھا، تیسری ابیری، چوتھی سوما اور پانچویں سکوتا۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ گوتم بدھ نے اپنے زمانے میں ایک سے زائد شادی کرنے پر بھی کسی طرح کی کوئی پابندی عائد نہیں کی۔

مرد و عورت کے مابین مساوات:

گوتم بدھ کی تعلیمات کو چونکہ ان کی وفات کے کئی سال بعد قلمبند کیا گیا لہذا ایک عرصے تک یہ بحث چھڑی رہی کہ آیا عورت مرد کے برابر ہے یا نہیں؟ گوتم بدھ نے اپنی مذہبی تعلیمات مرد و عورت دونوں کے لیے پیش کیں لیکن بعض معاشرتی معاملات میں گوتم بدھ نے خاموشی اختیار کی مذہبی حقوق میں مرد و عورت کی مساوات کے بارے میں "What is Buddhism" کے مصنف لکھتے ہیں:

"The Buddha gave his teaching to all who had ears to hears and made no distinctions of sex.After due deliberation he even admitted women into the order which he had founded, calling them Bhikkhunis as distinct from the male bhikkhus, and he should quite clearly that he considered them as capable of entering the path as men."[53]

ترجمہ: بدھا نے اپنی تعلیمات ان سب کے لیے دی ہیں جو سننے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور جنس میں کوئی تفریق نہیں رکھتے اور بہت سوچ بچار کے بعد اس نے اس بات کو تسلیم کیا اور عورت کو بھی مرد بھکشو کے مقابلے میں عورت بھکشنی کا مرتبہ دیا تاکہ تفریق ہو سکے۔ کافی حد تک اس کو واضح ہو گیا تھا کہ وہ عورتوں کو اس قابل سمجھتا ہے کہ وہ بھی اس راستے پر چل سکتی ہیں جن پر مرد عمل پیرا ہیں۔

درج بالا اقتباس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ گوتم بدھ کی مذہبی تعلیمات کا محور و مرکز مرد و عورت دونوں تھے۔ لیکن ناقدین مرد و عورت کے مابین مساوات کے حوالے سے بدھ مت میں پائے جانے والے اس نظریے کا بھی

تذکرہ کرتے ہیں جس کے مطابق عورت کی پیدائش اس کے برے اعمال کا نتیجہ ہے اور وہ اس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتی جب تک کہ اسکی پیدائش مرد کی صورت میں نہ ہو جائے۔ تھائی بدھ مت میں عورت کی حیثیت سے متعلق "Kularb Saipradit" اور "Jit Bhumisak" اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ:

"It has been accepted for many years that Thai women do not have critical or intellectual capacities and that women are the "weaker sex" "flowers of the world", to serve and please men." [54]

ترجمہ: ایک عرصے تک یہ مانا جاتا رہا کہ تھائی خواتین دقیق یا علمی صلاحیتوں کی حامل نہیں اور وہ ایک صنف نازک ہیں، اس دنیا میں پھول کی مانند ہیں جو کہ آدمی کو خوش رکھنے اور اس کی خدمت گزاری کے لیے پیدا کی گئی ہیں۔

گوتم بدھ کے مطابق عورت کے ذہن کو آسانی سے بہکایا جا سکتا ہے۔ اس بات کا اظہار انہوں نے ایک موقع پر کیا جب ایک خاتون جس کا نام امراپالی (Amrapali) تھا جو وسالی "Vesali" کی رہائشی تھی، نے گوتم بدھ سے درخواست کی کہ وہ انہیں کچھ نصیحت کریں تو گوتم بدھ نے انہیں نصیحت کرتے ہوئے اس بات کا اظہار کیا:

"Amrapali, the mind of a women is easily disturbed and is easily misled.She yields to her desires and gives up to jealousy more easily then a man does, therefore it is harder for a woman to follow the noble path.This is especially true for a young and beautiful woman but Amrapali, you must remember that youth and beauty do not last but are followed by sickness, old age and suffering, you should decide to follow the noble path while you are yet young, but to do that you must overcome all desire for wealth, affection and pleasure."[55]

ترجمہ: امراپالی! عورت کے ذہن کو آسانی سے بہکایا جا سکتا ہے۔ اس میں

خواہشات بہت جلد پیدا ہو جاتی ہیں اور اپنی غیرت کو ہار جاتی ہیں مردوں کے مقابلے میں۔ اس لیے عورتوں کے لیے بہت مشکل ہے کہ وہ اس عظیم راہ پر چل سکیں اور یہ خاص طور پر ممکن ہے جوان اور خوبرو عورتوں کے لیے لیکن امراپالی تمہیں یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ خوبصورتی اور جوانی ہمیشہ کے لیے نہیں لیکن بیماری، بڑھاپا اور مشکلات سے دوچار گی ضرور سامنے آئیں گی تم اس وقت جب کہ کافی جوان ہو تو اس عظیم راہ پر چلنے کا عزم تو کر سکتی ہو لیکن اس کے لیے تمہیں دولت، خوشی اور محبت جیسی تمام خواہشات پر قابو پانا ہو گا۔

چنانچہ جہاں گوتم بدھ نے عورت کو مذہبی حقوق دیئے وہیں اپنی تعلیمات کا محور و مرکز قرار دیکر مرد کے مساوی کرنے کی کوشش بھی کی۔ اگرچہ اسے ذہنی طور پر کمزور بھی قرار دیا اور اس سے چوکنا رہنے کی بھی تلقین کی۔

علیحدگی کا حق:

بعض معاملات کو گوتم بدھ نے اپنے پیروکاروں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا کہ وہ صورتحال کے مطابق فیصلہ کریں۔ انہی معاملات میں سے ایک مسئلہ طلاق بھی ہے اس سلسلے میں "Ven.Dr k Sri Dhammanande" لکھتے ہیں:

> "If a husband and wife really cannot live together, instead of leading a miserable life and harbouring more jealousy, anger and hatred, they should have the liberty to separate and live peacefully."[56]

ترجمہ: اگر میاں بیوی واقعی ایک دوسرے کے ساتھ زندگی بسر نہیں کر سکتے تو بجائے اس کے کہ آنے والی زندگی ناچاقیوں میں گزار دیں اور اپنے اندر ایک دوسرے کے لیے نفرت اور غصہ پیدا کریں اور غلط خیالات لائیں انہیں آزادی ہے کہ وہ علیحدگی اختیار کر کے پر امن زندگی بسر کریں۔

وہ مزید لکھتے ہیں:

> "In Buddhism, there is no law stating that a husband and wife should not be separated

if they cannot live together harmoniously."[57]

ترجمہ: بدھ مت میں کوئی قانون ایسا نہیں جو یہ کہتا ہو کہ اگر میاں بیوی خوشی سے ایک دوسرے کے ساتھ زندگی بسر نہیں کرسکتے تو پھر بھی وہ (میاں بیوی) علیحدگی اختیار نہیں کرسکتے۔

لہذا اگر میاں بیوی ایک دوسرے سے علیحدگی اختیار کرنا چاہیں تو وہ باہمی رضامندی سے علیحدہ ہوسکتے ہیں۔ وہ اسباب جنکی بناء پر عورت علیحدگی کا مطالبہ کرسکتی ہے ان کا تذکرہ "Dr.Mrs L.S Dewaraja" نے اپنی کتاب "The Position of Women" میں کیا ہے:

"If being destitute of love and affection for his wife, he withholds from her the wearing apparel and ornaments, suitable to her ranks; if he does not provide her with food of such a quality as she has a right to; if he neglects to acquire money by agriculture, commerce and honourable means;If associating with other women, he squanders his property upon them; if he makes a practice of committing other improper and degrading acts such as stealing, lying or drinking intoxicating liquors, if he treats, his wife is a slave and at the same times behaves respectfully to other women, on proof of his deliquency before the above mentioned court, the wife may obtain the divorce."[58]

ترجمہ: اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو محروم رکھے پیار و محبت سے، اگر روکے پہننے اوڑھنے سے زیورات و لباس سے جو اس کے لیے بہتر ہو اس کے رتبے کے مطابق، اگر وہ غذا فراہم نہ کرے اس معیار کی جس کا اسے حق حاصل ہے، اگر نظر انداز کرے کسی بھی معاشی تجارت، زراعت یا کسی اور باعزت طریقے سے

پیسہ کمانے سے، اگر مرد کسی غیر عورت کے ساتھ منسلک ہو اور اس پر اپنی جائیداد لٹائے، اگر مرد کسی غیر اخلاقی اور غلط کاموں میں ملوث ہو جیسا کہ چوری، جھوٹ بولنا یا نشہ آور مشروبات کے استعمال میں۔ اگر وہ اپنی بیوی کے ساتھ ایک لونڈی کی طرح پیش آتا ہو اور اسی وقت میں دوسری عورتوں سے معزز طریقے سے پیش آتا ہو تو عورت ان جرائم کو ثبوت کے طور پر پیش کر کے عدالت میں اس سے طلاق لے سکتی ہے۔

طلاق کے بعد دوبارہ شادی کے معاملے میں گوتم بدھ نے عورت پر کوئی پابندی عائد نہیں کی۔

جہیز Dowry:

بدھ مت کی بنیادی کتب میں جہیز کے بارے میں کوئی تعلیمات موجود نہیں ہیں لیکن بدھ مت کے ابتدائی دور میں کچھ ایسی مثالیں ملتی ہیں جن میں والدین کی طرف سے بیٹی کو جہیز دیا گیا ایسی ہی ایک مثال کا تذکرہ "Bimala Churn Law" نے اپنی کتاب "Women in Buddhist Literature" میں کیا ہے:

"The Savathian treasurer, Migara, on the occasion of the marriage of his daughter, Visakha, well known in the Buddhist literature, gave her as dowry, five hundred carts filled with money, five hundred carts filled with vessels of silver, five hundred filled with copper vessels, five hundred filled with garments made of various kind of silk, five hundred filled with ghee, five hundred filled with rice-husked and winnowed and five hundred filled with plows, plowshares and other farm implements. Sixty thousand powerful bulls and sixty thousand milchcows, and some powerful bull-calves were also given to her."[59]

ترجمہ: بدھ مت کی تہذیب میں یاد رکھا جائے گا کہ سوا تھوینئن خزانچی ''مگارا'' نے اپنی بیٹی ''وساکھا'' کو اس کی شادی کے موقع پر جہیز کے طور پر پانچ سو بگھیاں پیسے سے بھری ہوئی دیں، پانچ سو بگھیاں چاندی کے برتن سے بھری ہوئی دیں، پانچ سو بگھیاں تانبے کے برتن سے بھری ہوئی دیں، پانچ سو بگھیاں مختلف قسم کے ریشم سے بنے ہوئے کپڑوں کی دیں، پانچ سو گھی سے بھری ہوئی دیں، پانچ سو چاول سے بھری ہوئی دیں، پانچ ہل، ہل کے سامان اور زمینداری کے سامان سے بھری ہوئی دیں، ساٹھ ہزار طاقتور بھینسے، ساٹھ ہزار دودھ دینے والی گائے اور کچھ بھینس کے بچے بھی اس کو دیئے۔

مندرجہ بالا اقتباس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ابتدائی دور میں جہیز کا رواج تھا لیکن اس کے متعلق مخصوص احکامات جاری نہیں کیے گئے۔

عورت کے تعلیمی حقوق:

انسان کی ترقی کا دار و مدار علم کے حصول پر ہے جو شخص علم کے حصول میں کامیاب نہ ہو سکے وہ زندگی کی تگ و دو میں پیچھے رہ جاتا ہے چنانچہ معاشرہ ترقی کی منازل تبھی طے کر سکتا ہے جب اس کے تمام افراد تعلیم یافتہ ہوں اور اس میں مرد و عورت میں کسی قسم کی کوئی تفریق نہ ہو۔

بدھ مت کے ابتدائی دور میں گوتم بدھ کی طرف سے عورتوں کو بھکشنی بننے اور اپنی مذہبی جماعت قائم کرنے کی اجازت نہ ملنے کی وجہ سے عورتیں اس حق سے محروم تھیں۔ اس سلسلے میں " Dr.V.K.Maheshwari" لکھتے ہیں کہ:

"Women education during Buddhist period was at its lowest ebb, as the women folk were despised in the sense that Lord Buddha had regarded them as the source of all evils. So he had advised during his life time not to admit women inmonasteries.but after some time due to the insistence of his dear pupil Anand, Buddha had permitted about 500 women along with his step

mother for admission in the Vihars with many restriction and reservations."[60]

ترجمہ: بدھ مت کے دور میں خواتین کی تعلیم انتہائی نچلے درجے پر تھی کیونکہ عورت ذات کو مالک بدھا نے شیاطین کا ذریعہ قرار دیا ہے اس لیے اس نے اپنی زندگی کے دوران یہ کہہ دیا تھا کہ عورتیں خانقاہوں میں داخل نہیں ہو سکتیں لیکن کچھ وقت بعد اس کے چہیتے شاگرد آنندہ کے اسرار پر بدھا نے تقریباً پانچ سو عورتوں کو ان کی اپنی سوتیلی ماں سمیت بہت ساری پابندیوں اوراحتیاطوں کے ساتھ وہارس میں داخلے کی مشروط اجازت دی۔

عورتوں کواپنی خانقاہیں قائم کرنے کی اجازت تودے دی گئی لیکن اس سلسلے میں انتہائی سخت قوانین بھی مقرر کیے گئے ہیں جو کہ خواتین کی تعلیم کے حصول میں رکاوٹ بنے:

"Common women, however, received no education, primarily because the center of education was the temple.The Buddhist monks taught only male students, because the Vinaya forbade them to come into direct contact with women.In the strife of the Ayudhya period, women were not educated except for being trained to become good wives and mothers."[61]

ترجمہ: عام خواتین جنہوں نے ابتداء میں کوئی تعلیم حاصل نہیں کی کیونکہ اس وقت علم کی درسگاہ صرف مندر تھااور بدھ مت کے بھکشو صرف لڑکوں کو پڑھایا کرتے تھے کیونکہ "ونایا" میں ان پر حرام کیا گیا تھا کہ وہ براہ راست کسی عورت سے رابطہ کریں اس لیے آیدھیا(Ayudhya) کے دور میں عورت کو تعلیم نہیں دی گئی سوائے اس تربیت کے کہ وہ ایک اچھی بیوی اور ماں ثابت ہو۔

اس کے ساتھ ساتھ نوعمری میں شادی بھی تعلیم کے حصول میں رکاوٹ بنی:

"When Buddhist monasteries had developed into colleges of international

reputation, women did not receive any education because of their early marriages."[62]

ترجمہ: جب بدھ مت کی خانقاہیں عالمی شہرت یافتہ درسگاہوں میں بدل گئیں تب بھی عورتیں اپنی نوعمری میں شادی ہو جانے کی وجہ سے تعلیم حاصل نہ کر سکیں۔

خواتین کے تعلیمی نظام کے بارے میں بدھ مت کی اساسی کتب میں واضح احکامات نہیں ملتے:

"Buddhist literature does not speak much of the system of the education of Bhikkhunis, yet there are some references of new comer Bhikshunis and taking charge of their education. It makes clear that there must have been some arrangement for their education."[63]

ترجمہ: بھکشنیوں کے تعلیمی نظام کے حوالے سے بدھ مت کی تاریخ و تمدن زیادہ کچھ نہیں بتاتا، تاہم کچھ ذرائع ہیں نئی آنے والی بھکشنیوں کے لیے جو ان کو تعلیم کی طرف راغب کرتے ہیں یا ان کی تعلیمی ذمہ داریاں انہیں بتاتے ہیں اور یہ بات ثابت کرتی ہے کہ یقیناً ان کے لیے کوئی نہ کوئی تعلیم حاصل کرنے کا نظام رہا ہو گا۔

" Bimala Churn Law" اس حوالے سے لکھتے ہیں کہ:

"Buddhist literature does not contain any reference to unmarried girls being sent to school or being schooled at home. But there are references to many educated women."[64]

ترجمہ: بدھ مت کی کتابوں میں کچھ شواہد نہیں ملتے جن سے یہ سمجھا جائے کہ کنواری لڑکیوں کو اسکول بھیجا گیا ہو یا پھر ان کو گھر میں ہی تعلیم دی گئی ہو لیکن پڑھی لکھی خواتین کا تذکرہ ضرور ملتا ہے۔

وہ خواتین جنہوں نے تدریس کے فرائض سرانجام دیے چند کا تذکرہ درج ذیل ہے:

Sukka:

"A bhikkuni, delivered a religious sermon to a big audience at Rajagaha.A yakkha being pleased with her declared in the streets of Rajagaha that Sukka was distributing honey and those who were wise should go and drink it."[65]

ترجمہ: سکّا:۔ایک بھکشنی تھی جو ایک بڑے مجمع کو راجا گاہ کے مقام پر مذہبی خطبات دیتی تھی۔ ایک یکہ بھی اس کے ساتھ دی گئی تھی اور اعلان کیا گیا تھا کہ وہ راجہ گاہ میں شہد تقسیم کرے گی اور جو بھی عقل مند ہو وہ جائے اور اسے پی لے۔

Khema:

تاریخی کتب میں "Khema" کا بھی تذکرہ ملتا ہے جو کہ بہت ذہین اور تعلیم یافتہ تھیں۔ بادشاہ " Pasenadi" اور " Khema " کے درمیان ایک علمی مکالمہ ہوا:

"King Pasenadi went to her, saluted her and questioned her whether a being after death is reborn on not, Khema replied, "It is not answered by the blessed one." The king asked her the cause of the Buddha not answering this question, the Bhikkhuni asked the king whether he had anybody who could count the sand of the Ganges and drops of water in the sea; the king answered in the negative.The bikkhuni said, "If any being is free from attachment of five khandhas, it becomes immeasurable and fathomless like a big sea; Hence rebirth after

death of a such a being is beyond conception."[66]

ترجمہ: خیمہ! بادشاہ پاسنادی اس کے پاس گیا اور اسے سلام کیا اور پوچھا کہ کیا کوئی مرنے کے بعد پیدا ہوتا ہے؟ خیمہ نے جواب دیا" کہ اس کا جواب معتبر ہستی نے نہیں دیا" بادشاہ نے اس سے اس کی وجہ دریافت کی کہ بدھا نے اس کا جواب کیوں نہیں دیا تو بھکشنی نے بادشاہ سے پوچھا کہ تمہارے پاس کوئی ایسا شخص ہے جو ریت کے ذرات اور پانی کے قطروں کو گن سکتا ہو؟ بادشاہ نے نفی میں جواب دیا پھر بھکشنی نے کہا" اگر کوئی ذات پانچ خانداس سے الگ کر دی جائے تو وہ اتنی وسعت پالے کہ نہ تو اس کی پیمائش ممکن ہو سکے اور نہ اس کی گہرائی کا اندازہ ہو سکے کسی بڑے سمندر کی طرح، اور اس طرح کی ذات کا موت کے بعد دوبارہ پیدا ہونا سمجھ سے بالاتر ہے۔

Lata:

"Lata daughter of an upasaka of Savatthi was learned, wise and intelligent." [67]

ترجمہ: لاتا: لاتا، سواتی کے اپاسک کی بیٹی، اس نے پڑھا، وہ ہوشیار اور عقلمند تھی۔

مندرجہ بالا خواتین کے علاوہ بھی بدھ مت کی تاریخی کتب میں کئی ایسی خواتین کے نام آئے ہیں جنہوں نے مذہبی تعلیم حاصل کی اور اسے دوسروں تک پہنچایا۔

عورت کے وراثتی حقوق:

عورت کے حق وراثت سے متعلق بدھ مت کی اساسی کتب میں احکامات نہیں ملتے لیکن ثانوی کتب میں اس بات کی شہادت ملتی ہے کہ بیوی اپنے شوہر کے انتقال کے بعد اس کے مال میں تصرف کر سکتی ہے اور اس کی مالکہ بن سکتی ہے۔ اس کے متعلق "I.B.Horner" لکھتی ہیں:

"If she remained at home, there is evidence to show that a widow could certainly manage the property after her

husband was dead and gone and also that she could almost certainly inherit her husband's riches."[68]

ترجمہ: اگر وہ گھر پر رہتی ہے تو شواہد یہ بتاتے ہیں کہ ایک بیوہ اپنی جائیداد کی دیکھ بھال کر سکتی ہے۔ اپنے شوہر کے مر جانے یا چلے جانے کے بعد اور یہ بھی کہ وہ اپنے شوہر کی میراث سے حصہ پاتی ہے۔

"Several passages in the Therigatha and the commentary and other books show that the wealth was not necessarily left to the male relatives, but could pass into female hands to be hold by them.For with the inheriting of property naturally goes to the holding of property and responsibility for its management.It could be the window's duty if she were the inheritor."[69]

ترجمہ: کافی اقتباسات تھیری گا تھا، کمنٹری اور دیگر کتب میں ملتے ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ ضروری نہیں تھا کہ صرف مردوں کے حوالے ہی دولت کی جائے بلکہ عورتوں کے حوالے بھی کر دی جاتی تھی جو کچھ ان کا حصہ ہوا کرتا تھا۔ جن کے ذریعے وراثت میں ملی ہوئی جائیداد قدرتی طور پر ان کی ساری ذمہ داریوں کے معاملات کے ساتھ ان کے حوالے کر دی جاتی تھی اور اگر کوئی بیوہ وارث ہوتی تھی تو یہ ذمہ داری اس کی ہوتی تھی۔

لیکن گوتم بدھ کی طرف سے باقاعدہ حصے مقرر نہیں کیے گئے اور نہ ہی پیروکاروں کو اس بات کی تلقین کی گئی کہ وہ ہر حال میں عورت کو وراثت کا حقدار ٹھہراتے ہوئے احسن طریقے سے اس کا حق اس کے سپرد کر دیں۔

خلاصہ کلام:

بدھ مت کا آغاز چھٹی صدی قبل مسیح میں ہندو مذہب کی اصلاح شدہ صورت میں ہوا۔لہذا گوتم بدھ نے اپنے مذہب میں ان تمام کمزوریوں کو دور کرنے کی کوشش کی جو ہندو مت میں پائی جاتی تھیں مثلاً ذات پات کی

تقسیم، کثرت پرستی، عملی اخلاقیات کا فقدان وغیرہ، گوتم بدھ نے سارازور ان نقائص کو دور کرنے پر لگادیا، لیکن ہندی مذہب ہونے کی وجہ سے اس میں ہندو دھرم کے چند عناصر کا غلبہ پایا جاتا ہے، جس طرح ہندو مت میں مذہب وفلسفے کا ایک امتزاج پایا جاتا ہے اسی طرح بدھ مت میں بھی مذہبی احکامات میں زیادہ تر فلسفے پر زور دیا گیا ہے اور معاشرتی معاملات خصوصاً عورتوں سے متعلق احکامات تفصیلاً جاری نہیں کیے گئے۔ وہ معاملات جن کا تعلق خصوصاً عورتوں سے ہے مثلاً خلع، وراثت، مرد وعورت کے مابین مساوات وغیرہ سے متعلق بدھ مت کی اساسی کتب میں گوتم بدھ کے نظریات نہیں ملتے، اس کے ساتھ ساتھ عورتوں سے متعلق دو آراء ہمارے سامنے آتی ہیں۔ جہاں عورتوں کی فضیلت سے متعلق گفتگو کی گئی وہیں عورتوں کی مذمت میں بھی چند نظریات سامنے آئے، جہاں ماں باپ کی خدمت، بیوی کے ساتھ حسن سلوک، بیٹی کی پیدائش پر مایوس ہونے سے منع کیا گیا، وہیں مردوں کو عورتوں سے دور رہنے اور ان سے ہوشیار رہنے کی بھی تلقین کی گئی اور لڑکی کی پیدائش کو برے اعمال کا نتیجہ قرار دیا گیا۔ اس کے ساتھ ساتھ گوتم بدھ بذاتِ خود عورتوں کی مذہبی جماعت کے قائل نہ تھے۔ لیکن آنندہ کے پرزور اصرار پر وہ اس بات پر قائل تو ہوگئے لیکن عورتوں کے لئے سخت قوانین مقرر کیے گئے، ان قوانین میں مردوں کو زیادہ فوقیت دی گئی، جس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ ایک عمر رسیدہ بھکشنی کو بھی نوجوان بھکشو کے احترام میں جھکنا پڑتا ہے۔ لیکن اس بات سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ بدھ مت کی تبلیغ و اشاعت میں بھکشنیوں کا بہت بااثر کردار رہا ہے۔ زیادہ تر معاشرتی معاملات کے متعلق گوتم بدھ نے خاموشی اختیار کرتے ہوئے انہیں اپنے پیروکاروں کے رحم وکرم پر چھوڑ دیا کہ وہ جیسے مناسب سمجھیں وقت اور حالات کے مطابق صورتحال کا جائزہ لیتے ہوئے فیصلہ کریں۔

حوالہ جات

1۔حامی،عبداللہ مرعی بن محفوظ،اسلام اور دیگر مذاہب ومعاشروں میں عورت کے حقوق ومسائل،دارالاشاعت، کراچی،اپریل2008ء،ص34۔

[2]۔لیوس مور،مذاہب عالم کاانسائیکلوپیڈیا،مترجم یاسر جواد،سعدیہ جواد،نگارشات پبلشرز،لاہور،سن ندارد، ص176۔

[3]۔عمری،جلال الدین،سید،عورت اسلامی معاشرے میں،اسلامک پبلیکیشنز پرائیوٹ لمیٹڈ،لاہور،1996ء، ص29۔

[4]۔I.B.Horner,Women under Primitive Buddhism,Motilal Banarsidad, Delhi, 1930AD, P:20.

[5]۔Translated by Bhikkhu Bodhi,Samyutta Nikaya(The connected discourses of the Buddha),Wisdom Publications,Boston(USA),2000AD, P:179.

[6]۔Women under Primitive Buddhism,P:19.

[7]۔Chand R.Sirimanne,Buddhism and Women- The Dhamma Has No Gender. (Journal of International Women's Studies), Colombo, Nov 2016AD, V:18, Article:17, P:279.

[8]۔Chatsumarn KabilSingh,Thai Women in Buddhism,Parallex Press Barkeley, California, P:17.

[9]۔Samyutta Nikaya (The connected discourses of the Buddha), P:1286.

[10]۔See Above.

[11]۔T.W and C.A.F Rhys Davis, Dialogues Of The Buddha, Humphrey Milford Oxford University Press, London,1921AD,P:183.

[12]۔See Above, P:180.

[13]۔See Above, P:181.

[14]۔Women under Primitive Buddhism, P:9.

[15]۔See Above.

[16]۔E.H.Brewster,The Life of Gotama the Buddha,Kegan Paul Trench Trubner & Co.Ltd,New York, 1926AD, P:213.

[17]۔Women under Primitive Buddhism, P:39.

[18]۔Dialogues of the Buddha, P:182.

[19]۔Translated by bhikkhu bodhi,The Numerical Discourses of the Buddha (translation of the anguttara nikaya),Wisdom Publication,Boston,P:1064.

[20]۔See Above,P:1065.

[21]۔Women under Primitive Buddhism,P:51.

[22]۔Samyutta Nikaya(The connected discourses of the Buddha),P:290.

[23]۔مذاہب عالم کا انسائیکلوپیڈیا، ص239۔

[24]۔Buddhism and Women(Position of women at the time of the BUDDHA) www.buddhanet.net/e-learning/history/position.htm (Retrieved on 20-02-2019,10:00 a.m.)

[25]۔Women under Primitive Buddhism,P:79.

[26]۔See Above,P:82.

[27]۔Translated by I B Horner,The Book of the Discipline (Vinaya-Pitaka),The Pali text Society, 2001AD,V:5,P:352.

[28]۔See Above.

[29]۔See Above.

[30]۔See Above,P:354.

[31]۔The Life of Gotama the Buddha, P:117.

[32]۔کمار کرشن، گوتم بدھ، ترتیب وترمیم:خالد ارمان، نگارشات پبلشرز، لاہور، 2001ء، ص159، 158۔

[33]۔Archana paudel,The Discrimination of Women in Buddhism:An Ethical Analysis, Open Access Library Journal, April 26 2017, V:4, http://www.scirp.org/journal/paperinformation.aspx?PaperID=75673, (Retrieved on 02-02-2019,11:10 a.m.)

[34]۔See Above, (Retrieved on 02-02-2019,17:45 p.m.)

[35]۔Heng Ching Shih,Chinese Bhikksunis in the Chan tradition. http://www.fjdh.cn/wumin/2009/04/06073472041.html. (Retrieved on 02-02-2019,12:45 p.m.)

[36]۔The Discrimination of Women in Buddhism, http://www.scirp.org/journal/paperinformation.aspx?PaperID=75673, (Retrieved on 02-02-2019,11:25 a.m.).

[37]۔بال مکند مشر، بدھ اور عورت، آج کل (گوتم بدھ نمبر)، نومبر 1956ء، شمارہ نمبر:004، ص64۔

[38]۔Susan Murcott,First Buddhist Women,Parallex Press, Berkeley (California) 1991AD,P:25.

[39]۔See Above.

[40]۔See Above,P:26.

[41]۔The culturium,Mahapajapati Gotami:Mother of All,Nov13,2016, https://www.theculturium.com/mahapajapati-gotami-mother-of-all/ (Retrieved on 05-02-2019, 21:10 p.m.)

[42]۔First Buddhist Women,P:27.

[43]۔See Above,P:28.

[44]۔مذاہب عالم کا انسائیکلوپیڈیا، ص239۔

[45]۔ایضاً۔

[46]۔Ven Dr K Sri Dhammananda,A Happy Married Life,Awaken Publishing & Design,Singapore,August 2007AD,P:24.

[47]۔W.Owen Cole & Peggy Morgan,Six Religions in the twenty-first Century, Stanlley thrones,England,2000AD,P:272.

[48]۔A Happy Married Life,P:29.

[49]۔Dialogues Of The Buddha,Part:3,P:181.

[50]۔A Happy Married Life,P:56.

[51]۔See Above.

[52]۔Women under Primitive Buddhism,P:35.

[53]۔What is Buddhism,The Buddhist Lodge,London,1929AD,P:192.

[54]۔Kularb Saipradit and Jit Bhumisak,History of Thai Women,Somchai Press, Bangkok, 1976AD,P:4.

[55]۔B.D.K,The Teaching of Buddha,Bukkyo Dendo Kyokai, Tokyo, 1966AD, P:199.

[56]۔A Happy Married Life,P:54.

[57]۔See Above.

[58]۔Dr.Mrs L.S.Dewaraja,The Position of Women in Buddhism (the wheel publication no.280),Buddhist publication society,Kanday, 1981AD,P:12.

[59]۔Bimala Churn Law, Women in Buddhist Literature, W.E.Bastian & Co, Ceylon, 1927AD,P:12.

[60]۔Dr.V.K.Maheshwari,Education in Buddhist Period in India,

www.vkmaheshwari.com/WP/?p=522 (Retrieved on:05-02-2019,4:30 p.m.)

[61]- Thai Women in Buddhism,P:9.

[62]- Education in Buddhist Period in India, www.vkmaheshwari.com/WP/?p=522. (Retrieved on:05-02-2019,4:35 p.m.)

[63]-See Above, (Retrieved on:05-02-2019,4:45 p.m.)

[64]- Women in Buddhist Literature,P:61.

[65]-See Above,P:62.

[66]- See Above.

[67]- See Above,P:63.

[68]-Women under Primitive Buddhism,P:75.

[69]- See Above.

باب سوم

زرتشت مذہب میں عورت کی حیثیت و حقوق

فصل اول: زرتشت مذہب میں شادی کا تصور اور اس کے رسم ورواج

فصل دوم: زرتشت مذہب میں عورت کے حقوق

فصل اول

زر تشت مذہب میں شادی کا تصور اور اسکے رسم ورواج

زر تشت کی آمد اس دنیا میں اس وقت ہوئی جب کہ ایران میں ہر جگہ بت پرستی اور کثرت پرستی کا دور دورہ تھا اور یہ چیزیں ان کی رگ رگ میں سرایت کر چکی تھیں۔ لہٰذا زر تشت نے اصلاح کی کوشش کرتے ہوئے لوگوں کو بت پرستی سے روکنے کے لیے سر دھڑ کی بازی لگادی، اس کے ساتھ ساتھ اخلاقیات کی طرف خصوصی توجہ دی۔ زر تشتی مذہب میں اخلاقیات کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ زر تشت نے اقوال واعمال میں پاکیزگی، سچائی اور صداقت، دیانت اور مالی امداد پر زور دیا ہے۔ زر تشت مذہب کی تعلیمات کا محور و مرکز مرد و عورت دونوں ہیں۔ زر تشت کے نزدیک خوشگوار زندگی اس بات پر مشروط ہے کہ انسان اپنی جسمانی و ذہنی صلاحیتوں کو بہتر بنانے اور ان میں اضافہ کرنے کی کوشش کرتا رہے اسی لئے زر تشت مذہب میں شادی کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ شادی کی فضیلت بیان کرتے ہوئے زر تشت کہتے ہیں:

"And here in this manner having a wife certainly he abundantly prefers that, O Spitama Zarathushtra as a righteous person (he) is able to live a life that is (better) than having no family; he who has children (is better) than that (being) poor."[1]

ترجمہ: یہاں اس شخص کو زیادہ عزت دی جاتی ہے جو شادی شدہ ہوتا ہے اے زر تشترا پاکیزہ زندگی گزارنے کے لیے ضروری ہے کہ انسان شادی کرے جو کہ ایک بغیر خاندان کے فرد کے مقابلے میں بہتر ہے۔ اہل وعیال کا حامل شخص لاوارث سے بہتر ہوتا ہے۔

مندرجہ بالا اقتباس سے زر تشت مذہب میں شادی کی اہمیت کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ ایک اور مقام پر زر تشت نے اس گھر کو خوشحال گھرانہ قرار دیا جہاں بیوی اور بچے موجود ہوں:

"Zarathushtra asks: "O Creator of the physical world! Which is the second place

on the earth that feels happy?" Ahura Mazda replies: That (Place is happy) over which a holy man builds a house with fire, cattle, wife, children and good followers" (Vend,III:1)[2]

ترجمہ: زرتشترا نے سوال کیا: "اے اس مادی دنیا کو بنانے والے زمین پر دوسری اور کونسی جگہ ہے جہاں خوشحالی موجود ہو؟" اہورامزدا نے جواب دیا! وہ جگہ جہاں کوئی پاکیزہ آدمی گھر بنائے، جہاں آگ روشن کی جاتی ہو، مویشی ہوں، اس کے اہل وعیال ہوں اور وہاں سے اچھائی پھیلائی جاتی ہو۔

اسی طرح "William Tegg" اپنی کتاب "The Knot Tied(Marriage Ceremonies of all Nations)" میں لکھتے ہیں:

"Marriage may with propriety be called the Chief concern of human life. When we reflect that from it arises the nearest and most endearing relationships which go to form the comfort and happiness of existence in this world husband and wife, parents and children, brothers and sisters and many other the importance of the institution, in all its bearings on the welfare of society, will at once be recognized. In a word, marriage maybe designated the hinge of all kindred, or the strongest link in the chain that binds mankind together."[3]

ترجمہ: شادی کو انسانی زندگی میں خوش اسلوبی کے ساتھ ترجیح دی جاتی ہے اور اس کے اثرات ہمیں پیار و محبت کے رشتوں کی صورت میں نظر آتے ہیں جن کی وجہ سے اس دنیا میں خوشی اور سکون میسر ہے۔ جیسے میاں بیوی، ماں باپ اور اولاد، بہن بھائی اور ان کے علاوہ بھی کئی رشتے اسی کے درجے سے خوبصورت بنے

ہیں اور یہی معاشرے کی فلاح کے لیے کام ہو رہا ہو تا ہے جسے بعد میں کبھی نہ کبھی تسلیم کیا جائے گا۔ دنیا میں شادی کو رشتہ داروں کے مابین ایک مستحکم تعلق یا ایک مضبوط ربط سمجھا جاتا ہے جو انسانوں کو آپس میں جوڑے رکھتا ہے۔

زرتشت مذہب میں شادی کی رسومات کی تفصیل پیشِ خدمت ہے:

شادی کی ابتدائی تیاریاں Preliminaries:

شادی سے قبل زرتشتی مرد اپنے اہل وعیال کی رہائش کا بندوبست کرتا ہے اور اس بات کا خاص خیال رکھتا ہے کہ اس کے والدین بھی اس کے ساتھ رہائش اختیار کریں۔ اس سلسلے میں "K.E.Eduljee" اپنے مقالے "Zoroastrian Heritage" میں لکھتے ہیں:

"Before thinking about marriage, young yazdi men first gain a livelihood and either acquire a house suitable for a family or ensure that living with his parents is possible."[4]

ترجمہ: شادی کرنے سے قبل زرتشتی مرد کو ایک گھر خریدنا چاہیئے یا پھر ایک ایسی رہائش گاہ کا انتظام کرنا چاہیئے کہ جہاں وہ اپنے اہل وعیال کو رکھ سکے یا پھر اس بات کا یقین ہونا چاہیئے کہ شادی کے بعد اس کے اہل وعیال کا اس کے والدین کے ساتھ رہنا ممکن ہو گا۔

شادی کے معاملے میں والدین کی رضامندی کی اہمیت بتاتے ہوئے (K.E.Eduljee) مزید لکھتے ہیں:

"Having met on their own or through their family, when a man and a woman decide to wed, they inform and seek the approval of their parents. The role of the parents is not to be obstructive and then facilitative. A woman who marries with the consent of her parents does so as padshaha jania. If she marries without their approval, is she does so as khood rehijni."[5]

ترجمہ: اگر مرد اور عورت ذاتی طور پر خود ایک دوسرے کو پسند کر لیں اور آپس میں شادی کرنے کا ارادہ کریں تو پھر انہیں چاہیئے کہ وہ اپنے والدین کو آگاہ کریں اوران سے اجازت طلب کریں۔ اس معاملے میں والدین کا کردار ایسا نہیں ہونا چاہیئے کہ پہلے ان کے فیصلے کی مخالفت کریں اور بعد میں رضامندی ظاہر کریں۔ اگر کوئی عورت اپنے والدین کی رضامندی سے شادی کرتی ہے گویا ایسا ہی کرتی ہے جیسا پداشہاجانیا(padshaha jania)نے کیا۔ لیکن اگر ان کی رضامندی کے خلاف شادی کرتی ہے تو گویا ایسا کرتی ہے جیسا خود رہنجی نے(khood rehijni)کیا۔

جب والدین اپنے بیٹے کے فیصلے پر رضامندی اختیار کرتے ہیں یا بیٹا اپنے والدین کی منتخب کردہ لڑکی کو اپنی ترجیح قرار دیتا ہے تو لڑکے کے ماں باپ لڑکی کے گھر جاتے ہیں اور لڑکی کے والدین کو اپنی آمد کا مقصد بتاتے ہیں۔ اگر لڑکی کے والدین اپنی بیٹی سے اس کی رائے جاننے کے بعد مثبت جواب دیتے ہیں تو "Nam-e-Jadsood" کی رسم ادا کی جاتی ہے۔

منگنی کی تقریب Engagement Ceremony/ Nam-e-Jadsood:

اس حوالے سے "K.E.Eduljee" رقمطراز ہیں:

"If the woman accepts through parents, the two families set a date for an engagement ceremony (Spring is the preferred season, autumn and winter are avoided) and the man's family return home to make preparations. In the coming days, they will have a ring and a set of clothes made for the woman."[6]

ترجمہ: جب لڑکی والدین کے ذریعے پسند کی جاتی ہے تو پھر دونوں خاندان شادی کی تاریخ باہمی مشورے سے طے کرتے ہیں(جس کے لیے بہار کا موسم زیادہ موزوں ہوتا ہے، سردی اور خزاں کے موسم کو نظر انداز کیا جاتا ہے) پھر

لڑکے کے گھر والے واپس آکر آنے والے دنوں کی تیاریوں میں مصروف ہو جاتے ہیں جس میں انگوٹھی اور کپڑے دلہن کے لیے بنائے جاتے ہیں۔

منگنی کی رسم کے لئے دن مقرر کیا جاتا ہے اور مقررہ وقت پر یہ رسم لڑکی کے والدین کے گھر پر ادا کی جاتی ہے۔ جس میں لڑکے اور لڑکے کے والدین کی طرف سے لڑکی کو کپڑے اور مختلف تحفے تحائف دیئے جاتے ہیں۔
زرتشتیوں کے ہاں منگنی کی رسم کے لئے "Nam Padrun", "Nam-e-Jadsood" اور "Namzed Kardan" وغیرہ کے الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں۔

شادی کیلئے مناسب عمر The Marriageable Age:

زرتشتیوں کی مذہبی کتاب "اوستا" کے مطابق شادی کی مناسب عمر 15 سال ہے۔ اس میں بغیر کسی صنفی تفریق کے مرد و عورت دونوں کے لیے یہی عمر مناسب سمجھی جاتی ہے۔ اس سلسلے میں "Jivanji Jamshedji Modi" اپنی کتاب "The Religious Ceremonies and Customs of the Parsees" میں مختلف حوالہ جات کو یکجا کرتے ہوئے یہ بات ثابت کرتے ہیں:

> "According to the avesta, a person came to manhood in ancient Iran at the age of fifteen (Yt.VIII,Tir,13-14;Yt.XIV, Beharam, 17; Yasna, IX,5). The Pahlavi Bundehesh also gives the same age (Chap III, 19, S.B.E, Vol.V;16) so, fifteen was the marriageable for males. For the females also, it was 15(Vendidal XIV.15) The very fact, that in the Avesta we find brides praying for suitable husbands, shows, that there were no early marriages (Yt.v, Âbân 87; Yt.XV,Râm 40; Yacna IX, 23)."[7]

ترجمہ: اوستا کے مطابق قدیم ایران میں مرد 15 سال کی عمر میں شادی کے قابل ہو جاتا ہے۔ پہلوی بندیش نے بھی یہی عمر بتائی ہے۔ لہٰذا 15 سال عمر شادی کے لیے موزوں ہے مرد کے لیے اور لڑکی کے لیے بھی یہی عمر ہے جبکہ یہ

حقیقت ہے کہ اوستا میں ملتا ہے کہ لڑکیاں دعا گو ہوا کرتی تھیں کہ ان کو جو خاوند ملے وہ اچھا انسان ہو۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ کم عمری کی شادیاں تصور نہیں کی جاتی تھیں۔

مندرجہ بالا حوالہ جات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ زرتشت مذہب میں لڑکے اور لڑکی کے لئے شادی کی مناسب عمر 15 سال ہے۔

شادی کے لیے دن کا انتخاب The Fixing of An Auspicious Day :

زرتشت مذہب میں شادی کے لیے کچھ ایام مخصوص ہیں جنہیں شادی کے لیے بابرکت تصور کیا جاتا ہے۔ بعض پارسیوں کے ہاں دن کا انتخاب نجومی فریقین میں ستاروں کے ملاپ سے کرتے ہیں:

"In some families, even now, it is the astrologer who determines which day is auspicious for the marriage. The new moon day and the full moon day are auspicious. Tuesdays are inauspicious. The marriage festivities generally last for four days. The first of these is called mandav-saro, When a twig of a tree, generally a mango-tree, is planted near the door, symbolic of a wish for fertility. The second and the third days are known as Varadh-Patra days when religious ceremonies in honour of the dead are performed."[8]

ترجمہ: کچھ خاندانوں میں بلکہ آج بھی کئی خاندانوں میں نجومی ہی یہ فیصلہ کر کے بتاتے ہیں کہ شادی کے لیے کونسا دن مبارک رہے گا۔ چاند کی پہلی تاریخ اور چاند کی چودہ تاریخ جب چاند مکمل ہوتا ہے، یہ تاریخیں مبارک سمجھی جاتی ہیں۔ منگل کے دن کو منحوس سمجھا جاتا ہے۔ شادی کی رسومات زیادہ تر چار دن تک جاری رہتی ہیں۔ پہلا دن مندوسرو (mandav-saro) کہلاتا ہے جب درخت کی ڈالی کو دروازے کے ساتھ اگایا جاتا ہے (عمومی طور پر آم کا پودا لگایا جاتا ہے) جو زرخیزی

کی علامت ہے دوسرے اور تیسرے دن کو وردھ پترا(Varadh-Patra) کہا جاتا ہے جس میں مذہبی رسومات ادا کی جاتی ہیں گزرے ہوئے لوگوں کی یاد میں۔

نسبت طے ہونے کی رسم The Betrothal :

زرتشت مذہب میں شادی سے قبل مختلف رسوم کی ادائیگی کی جاتی ہے جن میں سے ایک رسم "Betrothal Ceremony" کہلاتی ہے۔اس تقریب کے لیے بھی ایک دن مختص کیا جاتا ہے،اس دن کے انتخاب کے حوالے سے "Jivanji Jamshedji Modi" لکھتے ہیں:

"When the match is arranged, an auspicious day is fixed for the betrothal, The new moon day, or the first day (Hormazd) of the parsee month, or the twentieth day, over which Behram, the angel of victory, is believed to preside, are generally considered to be auspicious days. Now-a-days, the parties generally fix such auspicious days or the days most convenient to them."[9]

ترجمہ: جب شادی کا دن مقرر کر دیا جاتا ہے تو اس سے پہلے منگنی کی رسم کے لیے کوئی مبارک دن مقرر کیا جاتا ہے۔ چاند کی پہلی کا دن یا تو پارسی مہینے (ہورمزد/Hormazd) کا پہلا دن یا بیسواں دن جس دن مانا جاتا ہے کہ بہرام کو کامیابی کے فرشتے کا عہدہ ملا۔یہی ایام زیادہ تر منتخب کیے جاتے ہیں۔ آج کل کے دور میں فریقین عام طور پر انہی مبارک دنوں کو مقرر کرتے ہیں یا پھر ان کے لیے جو سب سے زیادہ موزوں ترین ہو اس دن یہ تقریب منعقد کی جاتی ہے۔

اس تقریب کو مختلف ناموں سے موسوم کیا گیا ہے۔مثال کے طور پر "Adrâvvûn" اور "Nam padvûn" کے الفاظ بھی اسی تقریب کے لیے مختص ہیں:

"Presents of silver coins are prepared by the ladies of both the bride and bridegroom's families in the homes of the marrying parties, each group going to the other's

home. It is upon this betrothal that the bride takes the name of her husband, even if the marriage does not later occur. This betrothal is often performed quickly after a marriage is arranged."[10]

ترجمہ: دولہااوردلہن دونوں خاندانوں کی خواتین کی جانب سے چاندی کے تحائف / سکے تیار کروائے جاتے ہیں شادی کے گھرانوں میں۔ دونوں خاندان ایک دوسرے کے گھروں میں جاتے ہیں یہ منگنی کی رسم پر منحصر ہے کہ لڑکی اپنے شوہر کانام اپناتی ہے چاہے فوراًبعد ہی شادی کیوں نہ ہونی ہو۔ یہ منگنی کی رسم شادی طے ہونے کے فوراًبعد ہی کردی جاتی ہے۔

اس تقریب کے بعد لڑکی کے ساتھ اس کے ہونے والے شوہر کانام جوڑ دیاجاتاہے اور مذہبی تقریبات میں اسے اسی نام سے پکاراجاتاہے۔

دیاجلائی The Divo Or The Kindling of A Lamp:

"Betrothal" کی تقریب کے بعد اگلامرحلہ "Divo" کاآتاہے جس میں دونوں گھرانوں میں دیاجلایاجاتاہے:

"Early in the morning of a day fixed for the occasion, an oil lamp is lit in the house of each party, The ladies of each of the two families go in turn to the house of the other and place a silver coin in the lamp there, This occasion is considered more important than that of the betrothal because on it, formal presents of clothes and rings are made."[11]

ترجمہ: مقررہ دن صبح سویرے ہی دونوں گھرانوں میں دیاجلایاجاتاہے، دونوں خاندانوں کی خواتین ایک دوسرے کے گھروں میں باری باری جاتی ہیں اور چاندی

کا سکّا اس دیے میں ڈالتی ہیں۔ یہ تقریب منگنی سے زیادہ اہم سمجھی جاتی ہے کیونکہ اس میں کپڑوں اور انگوٹھیوں کے تحائف تیار کیے جاتے ہیں۔

شادی سے قبل فریقین کی جانب سے دوسرے تحفے تحائف کے ساتھ ساتھ پہلی انگوٹھی بھی اسی تقریب میں دی جاتی ہے اس وجہ سے یہ تقریب زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔

تحائف کا تبادلہ The Âdarni:

زرتشتی رسم ورواج کے مطابق شادی سے قبل ادا ہونے والی رسوم میں "Âdarni" کو خاص اہمیت حاصل ہے:

> "It is the occasion, on which, the dowry given by the bride's father, is presented to the bride groom's family. On several other occasion's of holidays between the betrothal day and the marriage day, several presents are sent to each other's family, mostly from the family of the bride to that of the bridegroom."[12]

ترجمہ: یہ وہ موقع ہے کہ جب دلہن کے باپ کی جانب سے دولہا کے گھر والوں کو کچھ سامان تحفۃً پیش کیا جاتا ہے اور کچھ دیگر مواقع پر شادی اور منگنی کے درمیانی دنوں میں دونوں گھرانے ایک دوسرے کو تحائف پیش کرتے رہتے ہیں۔ زیادہ تر دلہن کے گھر والوں کی جانب سے دولہا کے لیے۔

اس تقریب کی تفصیل بتاتے ہوئے "K.E.Eduljee" لکھتے ہیں:

> "The Adarni takes place three days before the wedding and is the occasion when the groom's family visits the bride's home (the bride may alternatively go over to the groom's family home) to present her with additional gifts such as clothes and jewellery (as in the adravanu). After the giving of gifts

the party shares festive food dishes such as sev(vermicelli)and dahi(yoghurt), boiled eggs and bananas."[13]

ترجمہ: آدرنی کی رسم شادی سے تین دن پہلے ہوتی ہے۔یہ وہ موقع ہے کہ جب دولہاکے گھر والے دلہن کے گھر جاتے ہیں دلہن کو مزید کپڑے اورزیورات بطور تحائف پیش کرنے کے لیے(دلہن بھی دولہاکے گھر جاسکتی ہے بدلے میں) تحائف پیش کرنے کے بعد دونوں گھرانے روایتی(خوشیوں کے) کھانوں سے لطف اندوز ہوتے ہیں جیسے کہ سویاں، دہی، ابلے ہوئے انڈوں اور کیلوں سے۔

اس تقریب میں لڑکے اور لڑکی کی مائیں اپنے والدین سے تحفے تحائف، جن میں کپڑے شامل ہیں، کی متقاضی ہوتی ہیں۔ اگر والدین وفات پاگئے ہوں تو یہ ذمہ داری ان کے بھائیوں کے سر عائد ہوتی ہے کہ وہ اپنی بہنوں کو تحفے تحائف دیں۔اس موقع پر شادی بیاہ کے گیت بھی گائے جاتے ہیں۔

شادی کی تقریبMarriage Ceremony:

شادی کی تقریب کے آغاز سے قبل ایک رسم کی ادائیگی سے متعلق "Tehmurasp Rustamji Sethna" لکھتے ہیں:

"Before the marriage ceremony is performed the bride and the bride-groom take purification bath in their respective homes before coming to the place where the marriage ceremony is performed."[14]

ترجمہ: شادی کی تقریب سے قبل دولہااوردلہن کو تقریب کی جگہ جانے سے پہلے اپنے اپنے گھروں پر پاکیزگی حاصل کرنے کے لیے غسل لیناہو تاہے۔

زرتشتی گھرانوں میں شادی کی تقریب کے لیے ہوٹل اوردیگر تقریبی مقامات کاانتخاب کیاجاتاہے لیکن زیادہ ترشادی کے لیے گھر کوہی موزوں مقام تصور کیاجاتاہے:

"Zoroastrian weddings are held at home, although hotels and other meeting places may be used. The groom often enters in a

procession of musicians and guests, lad by a priest. At least two priests lead the ceremony. The couple sit next to each other, with witness, usually members of each family, behind them. Like all Zoroastrian ceremonies, the wedding takes place in the presence of fire."[15]

ترجمہ: اکثر زرتشتی شادیاں گھروں پر ہوا کرتی ہیں حالانکہ ہوٹل اور دیگر تقریبی مقامات میں بھی ہو جاتی ہیں۔ دولہا اکثر باراتیوں اور موسیقاروں کے ہجوم کے ساتھ آتا ہے جس کی صدارت مذہبی پیشوا کر رہے ہوتے ہیں کم از کم دو پیشواء موجود ہوتے ہیں۔ جوڑا (دولہا دلہن) ایک دوسرے کے برابر ہی بیٹھ جاتے ہیں گواہوں کے ہمراہ۔ عام طور پر ان کے گھر والے ہی ان کے ہمراہ موجود ہوتے ہیں۔ دیگر زرتشتی تقریبات کی طرح شادیاں بھی آگ کی موجودگی میں وقوع پذیر ہوتی ہیں۔

زرتشتیوں کے ہاں شادی کی تقریب بہت اہمیت کی حامل ہے جسے خاموشی سے نہیں بلکہ دھوم دھام سے منایا جاتا ہے۔ یہ تقریب عمومی طور پر ایک انجمن کی موجودگی میں منعقد کی جاتی ہے۔

دولہا اور دلہن کے لباس وزینت کی ہم آہنگی The symbolism of Bride's and Bridegroom's dress and adornments:

لباس انسان کی تہذیب اور وقار کی علامت ہوتا ہے اور انسان کی شخصیت کو ظاہر کرتا ہے۔ لہذا شادی کے موقع پر پر وقار لباس کا انتخاب ایک کٹھن مرحلہ ہوتا ہے۔ اس لیے زرتشتی رسم ورواج کے مطابق:

"The bridegroom puts on the usual ceremonial dress-Jâmâ pichhori of the parsees, which is a loose flowing dress, full of folds and curls. This flowing dress is always white in colour. The bridegroom holds a shawl in his hand, a shawl being considered in India a symbol of respect and

greatness. He has the mark of a kunkun (red pigment) on his forehead.[16]

ترجمہ: دولہا عموماً پارسیوں کا لباس جامہ، پچھوری زیب تن کرتے ہیں جو کہ ڈھیلا ڈھالا لمبا لباس ہوتا ہے جس میں کئی گھیرے اور کلیاں ہوتی ہیں۔ یہ لباس ہمیشہ سفید رنگ کا ہوتا ہے۔ دولہا کے ہاتھ میں ایک شال لٹکی ہوتی ہے جو کہ بھارت میں عزت و توقیر اور بلند مرتبہ کی علامت سمجھی جاتی ہے۔ اس کے ماتھے پر لال رنگ کا ٹیکہ بھی لگا ہوا ہوتا ہے۔

جبکہ دلہن ساڑھی زیب تن کرتی ہے:

"The upper garment (sari) of the bride also is a loose dress full of folds and curls."[17]

ترجمہ: دلہن کی ساڑھی بھی ڈھیلی اور گھیروں اور کلیوں سے بھری ہوئی ہوتی ہے۔

اس کے علاوہ دولہا اور دلہن کی پیشانی پر سرخ رنگ کی نشان زنی کی جاتی ہے۔ اس کی وضاحت کرتے ہوئے "Adil F Rangoon Walla" اپنی کتاب "An Overview of Zarathushtrianism" میں لکھتے ہیں:

"The tika on the boy's forehead is straight and pointed like a ray of the Sun and the one on the girl is round like the moon. This symbolizes that male is an active agent in marriage and the female is the receptive agent."[18]

ترجمہ: لڑکے کے ماتھے پر ٹیکا سیدھا اور نوکدار ہوتا ہے سورج کی کرن کی مانند اور لڑکی کے ماتھے کا ٹیکا گول ہوتا ہے چاند کی مانند، اس طریقہ کار سے اس بات کی نشاندہی ہوتی ہے کہ مرد متحرک اور معتبر شخصیت ہے شادی کے بندھن میں اور عورت کو ایک انفرادی حیثیت حاصل ہے۔

دولہا دلہن کے گلے میں پھولوں کے ہار پہنائے جاتے ہیں جو کہ محبت اور زندہ دلی کی علامت ہوتے ہیں۔

جائے وقوعہ پر شادی کے انتظامی امور The arrangements at the place of marriage:

شادی کی مقررہ تاریخ پر تقریب کا آغاز کیا جاتا ہے۔شادی کی تقریب کلی طور پر مذہبی عقائد کے مطابق منعقد کی جاتی ہے۔تقریب کے آغاز میں دولہا دلہن کو ایک دوسرے کے بالمقابل بٹھایا جاتا ہے:

"At the start of the ceremony, the couple sits facing each other. There is a curtain raised between them to symbolize that they are yet not united. The officiating priest and the assissting priest perform the ceremony. The former gives the right hand of boy into the right hand of the girl. A sheet of cloth is passed round the chairs of both the celebrants so as to enclose them in a circle. The ends of the cloth are tied together to signify tying of the marriage knot. The “Yatha Ahu Vairyo” is recited when this is done. "[19]

ترجمہ: تقریب کے شروع میں دولہا دلہن ایک دوسرے کے سامنے بیٹھ جاتے ہیں۔ ان کے درمیان ایک پردہ ڈال دیا جاتا ہے جو اس بات کی نشانی ہے کہ یہ ابھی رشتہ ازدواج میں نہیں بندھے۔ پیشوا اوران کے مددگار پیشوا اس تقریب کو سرانجام دیتے ہیں پھر دولہا کا سیدھا ہاتھ لڑکی کے سیدھے ہاتھ میں دیا جاتا ہے۔ پھر کپڑے کا تھان دونوں کی نشستوں کے اطراف گول لپیٹا جاتا ہے ان کو قریب کرنے کے لیے اوراس کپڑے کے دونوں سروں کو ایک مضبوط گرہ لگا کر باندھ دیا جاتا ہے جو اس بات کی علامت ہے کہ وہ رشتہ ازدواج میں بندھ گئے ہیں۔اس کے بعد ”یاتھا آہو وائریو“ پڑھا جاتا ہے۔

ہاتھ بندھائی Hathevaro(Hand-Fastening) :

اس کے بعد ایک اور رسم کی ادائیگی کی جاتی ہے جسے "Hand-Fastening" یا "Hathevaro" کہا جاتا

ہے۔ اس میں ایک دھاگے کے ذریعے دولہا دلہن کے ہاتھوں کو مضبوطی سے باندھا جاتا ہے جس کے پیش نظر ایک مقصد ہوتا ہے۔اس کی وضاحت کرتے ہوئے مصنف لکھتے ہیں:

"When tied several times, this thread connot be broken easily. It signifies that the tie of union into which the couple is now bound, will not easily be broken."[20]

ترجمہ: کافی مرتبہ مضبوط گرہ لگنے کے بعد آسانی سے نہیں کھلتی جو اس بات کی علامت ہے کہ جس رشتے میں دولہا دلہن بندھے ہیں وہ مضبوط رشتہ آسانی سے نہیں ٹوٹے گا۔

جو پارسی پیشوا اس کام کو سرانجام دیتے ہیں وہ اس کا معاوضہ طلب کرتے ہیں۔اس پورے عمل کے دوران "Yatha Ahu Vairyo" پڑھا جاتا ہے جو کہ مذہبی کتاب "اوستا" کا حصہ ہے۔اسے "Ahoonvar" بھی کہا جاتا ہے۔

چاول پھینکنے کی رسم Throwing The Rice:

"Hathevaro" کی رسم کے دوران جب دولہا دلہن کے دائیں ہاتھ کو باندھا جاتا ہے تو ساتھ ہی بائیں ہاتھ میں چاولوں کے کچھ دانے پکڑائے جاتے ہیں جنہیں مذہبی رسومات کی ادائیگی سے قبل ایک دوسرے پر پھینکا جاتا ہے:

"This process is watched at times with some interest by the friends of the bride and the bridegroom, The one that throws rice first over the other, is said to win; This is, as it were, a race of love. "Who won, the bridegroom or the bride?" is a question often heard in the assembly round the couple. This is to signify that the one who throws rice first, thereby indicates that he or she will be foremost in loving and respecting the other".[21]

ترجمہ: یہ رسم انتہائی دلچسپی کے ساتھ دولہااوردلہن کے دوست دیکھتے ہیں جو سب سے پہلے دوسرے کے اوپر چاول پھینکتا ہے وہی جیتتا ہے جیسا کہ یہ پیار کی دوڑ ہو۔ دیکھتے ہیں کون جیتے گا؟ یہ سوال دولہااوردلہن کے اردگرد موجود افراد کی زبان سے اکثر سننے کو ملتا ہے۔ یہ اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ جو چاول سب سے پہلے دوسرے کے اوپر پھینکے گا وہ دوسرے کے لیے عزت وپیار میں نمایاں رہے گا۔

تمام لوگوں کی تالیوں کی گونج میں یہ رسم پایہ تکمیل تک پہنچتی ہے۔

ابتدائی برکات Preliminary Blessings :

تمام رسومات کی ادائیگی کے بعد باقاعدہ طور پر شادی کی تقریب کا آغاز دو پارسی پیشواؤں کی جانب سے کیا جاتا ہے۔اس حصے کو مکمل مذہبی تعلیمات کے مطابق ادا کیا جاتا ہے۔ دونوں پیشواؤں میں سے جو عمر و مرتبے میں بڑا ہوتا ہے وہ دولہے کی جانب کھڑا ہوتا ہے جبکہ چھوٹا پیشوا دلہن کی جانب کھڑا ہوتا ہے۔ تقریب کا آغاز پیشوا کی جانب سے مندرجہ ذیل دعائے خیر کے الفاظ سے کیا جاتا ہے:

> "May the Creator, the Omniscient Lord, grant you a progency of sons and grandsons, plenty of means to provide yourselves, abinding love, bodily strength, long life for a hundred and fifty years".[22]

ترجمہ: خالق،سب کچھ جاننے والا رب، تمہاری نسل میں بیٹے اور پوتے عطا کرے، مختلف ذریعوں سے تم پر عنایتیں فرمائے، ہمیشہ تمہارے درمیان پیار ومحبت قائم رہے، تمہیں ہمت وطاقت عطا فرمائے، سینکڑوں سالہ عمر طولانی عطا فرمائے۔

درج بالا نیک خواہشات کے بعد گواہوں کی موجودگی میں فریقین سے سوالات وجوابات کا سلسلہ ہوتا ہے۔

فریقین سے سوالات Questions to the Parties:

زرتشتی مذہب کی روسے شادی میں گواہوں کی موجودگی کولازمی قرار دیا گیا ہے۔ فریقین کے قریبی رشتہ

داروں میں سے ایک ایک فرد کو ثبوت کے طور پر بطور گواہ پیش کیا جاتا ہے تاکہ شادی کی تصدیق کی جاسکے۔ پارسی پیشوا کی جانب سے سب سے پہلے دولہا کے گواہ سے سوالات کا سلسلہ شروع کیا جاتا ہے:

"In the presence of this assembly that has met together in the city of…..on…..day….. of month….. of the year …of the era of Emperor Yazdagard of the Sassanian dynasty of auspicious Iran, ray, whether you have agreed to take this maiden….. by name, in marriage for this bridegroom, in accordance with the rites and rules of the Mazdayasnans, promising to pay her 2,000 dirams of pure whit silver and two dinars of real gold of the wishapur coinage".[23]

ترجمہ: تمام لوگوں کی موجودگی میں جو آملے ہیں فلاں شہر میں فلاں دن فلاں مہینے میں فلاں سال کے یازدگرد ساسانی سلطنت میں ایران کے۔کیا تم فلاں عورت (نام) کو اپنے عقد میں قبول کرتے ہو اور مزدایسنا میں بتائے گئے قوانین کے مطابق اس کو تم ادا کروگے ۲۰۰۰ (دوہزار) درہم چاندی کے اور نیشاپوری دور کے ۲ دینار سونے کے؟

اس کے بعد گواہ کی طرف سے جواب دیا جاتا ہے:

"I have agreed"[24]

ترجمہ: میں آمادہ ہوں۔

پھر مندرجہ بالا سوالنامہ دلہن کے گواہ کے سامنے پیش کیا جاتا ہے:

"Have you and your family with righteous mind and truthful thoughts, words, and actions, and for the increase of righteousness, agreed to give for ever this bride in marriage to _____?"[25]

ترجمہ: کیا تم اور تمہارے گھر والے نیک ارادے، سچے خیالات، الفاظ واعمال کے ساتھ اور تقوی کے فروغ کے لیے اس دلہن کو فلاں (نام) کے ساتھ شادی کے بندھن میں باندھنے پر آمادہ ہیں؟

گواہ کی طرف سے جواب دیا جاتا ہے:

"We have agreed".[26]

ترجمہ: ہم آمادہ ہیں۔

گواہوں سے سوالات وجوابات کا سلسلہ ختم ہونے کے بعد پیشوا دولہا دلہن کی جانب متوجہ ہوتے ہیں اور ان سے انکی رائے معلوم کی جاتی ہے:

"Have you agreed to enter into this contract of marriage (and abide by it) till the last day of your life, with a righteous mind"? Both reply: "We have agreed".[27]

ترجمہ: کیا تم دونوں آمادہ ہو اس شادی کے بندھن میں بندھنے کے لیے اور اپنی زندگی کے آخری ایّام تک اسی بندھن میں بندھے رہو گے نیک نیتی کے ساتھ؟ دونوں جواب دیتے ہیں کہ ہم راضی ہیں۔

آخر میں دونوں پیشواؤں کی جانب سے دولہا دلہن کو کچھ پند ونصائح اور دعائیں دی جاتی ہیں جن کا تذکرہ "T.R.Sethna" نے اپنی کتاب "The teachings of Zarathushtra" میں کیا ہے:

"May you both have happiness and prosperity, for ever remain with good Aura, be full of good blessing and prosperity, be victorious, learn to practise purity and be worthy of good actions".

"Always think good thoughts, speak good words and do good actions and drive away bad thoughts, words and deeds".

"Always work with good thoughts, amass

honest wealth, speak truth and be obedient in presence of elders, in presence of friends be meek, good-mannered and look with good intentions". "Do not slander, do not be angry, or commit sins for shame, do not be greedy, do not harm, do not be jealous, do not be vain and arrogant, do not be licentious, do not grab someone else's property".

"Do not quarrel with a revengeful persons, Do not be partner with a greedy person, do not be friendly with a scandal monger, do not have connections with those of bad repute, Do not have dealings with foolish persons, be just with enemies, behave with love towards friends and do not discuss with quarrelsome people".

"In meetings speak just words, before king speak with restrain. Be more illustrious than your father, do not harass your mother in any way, and be righteous for the liberation of your soul".

" Always have good conscience and good behavior recognize God as your Lord, respect Zarathushtra as leader of religion and despise Ahreman (i.e.evil mind) as evil. Be good and may you achieve the best. Make yourself worthy of divine blessings and you will be worthy of getting them. With the greatness of good thoughts, good words, good deeds may you achieve the best."[28]

ترجمہ: تم دونوں ہمیشہ خوش رہواور ہمیشہ کامیاب رہو، تمام اچھائیاں تمہارے ساتھ رہیں، رحمتیں اور کامیابیاں تمہارے ساتھ رہیں اور عبادات کو ایسے ہی انجام دیتے رہو جیسے عبادات کرنے کا حق ہے اپنی سوچ ہمیشہ مثبت رکھو، اچھا بولو اور اچھے اعمال سرانجام دو اور برے اعمال، الفاظ اور منفی سوچ سے دوری اختیار کرو۔

ہمیشہ مثبت سوچ کے ساتھ کام سرانجام دو، ایمانداری کی دولت کو جمع کرو، سچ بولو اور بزرگوں کی موجودگی میں فرمانبرداری کا مظاہرہ کرو، دوستوں کی محفل میں نرمی اور اچھے اخلاق سے پیش آؤ اور اچھے قصد سے ان کی طرف نگاہ کرو، بدگمانی نہ رکھو، غصہ مت کرو اور گناہ نہ کرو کہ شرمندہ ہونا پڑے، لالچی مت ہو جاؤ، نقصان مت پہنچاؤ، حسد مت رکھو، مغرور مت ہو جاؤ کہ یہ لاحاصل ہے، بدکار مت ہو جاؤ، کسی کی جائیداد کو قبضہ میں مت رکھو۔

انتقام کش لوگوں کے ساتھ لڑائی جھگڑا مت کرو، لالچی انسان کے ساتھی مت بنو، تہمت فراش کے ساتھ دوستی نہ بڑھاؤ، بدنام زمانہ لوگوں سے روابط نہ رکھو، احمقوں کے ساتھ لین دین مت رکھو، دشمن کے ساتھ منصفانہ طرز سے پیش آؤ، دوستوں کے ساتھ پیار والفت سے پیش آؤ اور جھگڑالو لوگوں سے بات مت کرو۔

ملاقاتوں میں اچھے الفاظ کا استعمال کرو، بادشاہ کے فرمان سے پہلے رکے رہو، اپنے باپ سے زیادہ نام روشن کرو، کسی بھی طرح اپنی ماں کو اذیت نہ پہنچاؤ اور اپنی روح کو آزاد رکھنے کے لیے پاک باز بنے رہو۔

ہمیشہ اچھا گمان رکھو اور اچھا رویہ رکھو، اپنے رب کی معرفت رکھو کہ وہی تمہارا خدا ہے، زرتشترا کی عزت کرو کہ وہ مذہبی رہنما ہے اور اہرمن کو حقیر جانو کہ وہ برا (شیطان) ہے۔ ہمیشہ اچھے رہو اور ہمیشہ کامیابی سمیٹو، اپنے آپ کو رحمتوں کے قابل بناؤ اور تم ہو جاؤ گے ان رحمتوں کو حاصل کرنے کے اہل۔ اچھے خیالات، اچھے الفاظ اور اچھے اعمال کے ساتھ تمہیں کامیابیاں حاصل ہوں۔

زرتشت مذہب کی روسے اگر مندرجہ بالا تعلیمات پر مکمل طور پر عمل کیا جائے تو ایک کامیاب اور خوشگوار ازدواجی زندگی گزاری جاسکتی ہے۔

زرتشت کی میاں بیوی کو نصیحت:

زرتشت نے اپنی بیٹی کی شادی کے موقع پر دونوں میاں بیوی کو نصیحت کرتے ہوئے کہا:

"I address words of advice to the brides, and to you. O Bridegrooms! So, listen carefully to these teachings.

Being well versed in religious doctrines, learn to value the life of the Good Mind; May each of you strive with the other to attain Truth.

Indeed, this will be to him or her a blessed existence"(Ys,53.5). "In this way, O men and women, You will unite with Truth (53.6)"[29]

ترجمہ: میں نصیحت آمیز الفاظ کے ساتھ مخاطب ہوں دلہن سے اور تم سے اے دولہا! لہذا میری تعلیمات کو توجہ سے سنو۔ مذہبی تعلیمات میں ماہر ہونے کے لیے زندگی میں اچھے خیالات کی قدر کرنا سیکھو۔ تم میں سے ہر ایک سچائی (حق) کے حصول کے لیے دوسرے کی مدد کرے اور محنت کرے۔

بے شک یہ تمہارے (دولہا) کے لیے یا اس (دلہن) کے لیے مبارک وجود ہوگا، اسطرح سے اے مردوزن تم سچائی کے ساتھ ایک دوسرے سے منسلک رہوگے۔

زرتشتی شادی میں ابتدا تا انتہا مذہبی پیشواؤں کا بہت گہرا عمل دخل ہے جو کہ خوش آئند ہے۔ یہ پیشوا ہر موقع پر دولہا اور دلہن کو نصیحت کرتے ہیں تاکہ ایک نئے رشتے کی ابتدا اچھے خیالات اور نیک جذبات سے ہو۔ اس موقع پر کچھ رسومات بھی ادا کی جاتی ہیں جن کو مذہبی اہمیت حاصل ہے۔ اور یہ رسوم زوجین کے درمیان باہم الفت ومحبت کا باعث ہوتی ہیں، جن کے ذریعے اس بات کا اظہار مقصود ہوتا ہے کہ یہ نیا قائم ہونے والا رشتہ مضبوط ہے اور اسے آسانی سے توڑا نہیں جاسکتا۔

فصل دوم

زرتشت مذہب میں خواتین کے معاشرتی حقوق

مختلف مذاہب میں عورت سے متعلق مختلف نظریات پائے جاتے ہیں۔ کچھ عورت کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہوئے اسے کمتر بتاتے ہیں تو کچھ اسے بلند مقام و مرتبہ کا حقدار ٹھہراتے ہوئے اسے قابل تعظیم قرار دیتے ہیں مرد و عورت کے آپس میں تعلقات کا معاملہ ہمیشہ سے پیچیدہ رہا ہے ان کے مابین مساوات، برتری یا کمتری کے حوالے سے مختلف تہذیبوں نے مختلف شکلیں اختیار کی ہیں۔ اگر قدیم فارس کی تہذیب کو دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ عورت کا مقام و مرتبہ کسی ایک حالت پر برقرار نہیں رہا۔ اس وقت کی منظر کشی کرتے ہوئے عبداللہ مرعی بن محفوظ حامی اپنی کتاب اسلام اور دیگر مذاہب و معاشروں میں عورت کے حقوق و مسائل میں لکھتے ہیں کہ قدیم فارس میں:

"کبھی عورت کو دھتکاری ہوئی حقارت آمیز شکل میں رکھا گیا، یہ "زرتشت" کے دور کے پہلے کی بات ہے، پھر عورت کو بعض امتیازات اور حقوق حاصل ہوگئے تھے، یہ زرتشت کے قوانین میں تھے، زرتشت نے عورتوں کی حمایت کی اور اسکو اہمیت دی، پھر عورت کو چند حقوق حاصل ہوگئے، جیسے شوہر کو اختیار کرنا یا اگر وہ طلاق چاہتی ہو اور یہ بھی ممکن ہوگیا کہ زمین وغیرہ کی مالک بن سکے، اپنے اموال کو مرضی سے استعمال کر سکے، لیکن یہ وقت زیادہ دیر نہ رہا بلکہ تھوڑے عرصے کے بعد ہی دوبارہ عورت اسی حال پر آگئی جو اسکی انحطاط اور جبر کا حال تھا اور فارس کے لوگ عورت سے زیادہ مرد کو اہم سمجھتے تھے، اس تہذیب اور زمانہ جاہلیت کی عرب تہذیب میں مشابہت نظر آنے لگی کہ باپ کو بیٹیوں کا پیدا ہونا پسند نہ تھا"۔[30]

لیکن اس بات سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ زرتشت نے عورت کو عزت دیتے ہوئے اسے اس کے حقوق دیئے جن کا تذکرہ زرتشت مذہب کی بنیادی کتاب "اوستا" میں ملتا ہے۔ اس وقت جبکہ مختلف تہذیبوں میں عورتیں اپنے بنیادی حقوق سے محروم تھیں، زرتشتی خواتین کو معاشرتی حقوق حاصل تھے اور وہ مذہبی آزادی کے ساتھ زندگی بسر کر رہی تھیں۔

بحیثیت بیٹی عورت کے معاشرتی حقوق:

زرتشت مذہب میں بیٹی کی پیدائش کو معیوب نہیں سمجھا جاتا۔ زرتشتی مذہب کی بنیادی کتاب "اوستا" میں بیٹی کی پیدائش پر ناگواری یا ناخوشی کے آثار کے بارے میں کوئی روایات نہیں ملتیں۔ اس بات کی وضاحت کرتے

ہوئے "Darab Dastur Peshotan Sanjana" لکھتے ہیں:

"Among the Iranians in the age of the Avesta daughters were not disliked. Although they were less useful than sons in the extension of the father's race, still they, too, were objects of love and tenderness, tending to help the Zoroastrian race, towards the religious object mentioned above. There is no reference in the Avesta which exhibits any trace of the displeasure of parents on the birth of a daughter. On the other hand, the name Kanya radically points to an idea of great parental fondness for her"[31]

ترجمہ: اوستا کے دور میں ایرانیوں میں بیٹیوں کو ناپسند نہیں کیا جاتا تھا۔ حالانکہ انہیں کمتر سمجھا جاتا تھا بیٹوں کے مقابلے میں ان کے اجداد میں بھی اور اب بھی زرتشت مذہب میں بیٹوں کو پیار والفت کے لائق سمجھا جاتا ہے۔ اوستا میں کوئی ایسی بات نہیں ملتی جس میں یہ تذکرہ ہو کہ کبھی لڑکیوں کے پیدائش پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا گیا ہو والدین کی جانب سے۔ دوسری جانب نام "کنیا" اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ وہ اپنے والدین کے لیے انتہائی پر مسرت ہے۔

لیکن "اوستا" میں کچھ ایسے اقتباسات ضرور ملتے ہیں جن میں اس عورت کو سراہا گیا جس کے ہاں بیٹوں کی تعداد زیادہ ہو، مثال کے طور پر:

"I announce and complete (my Yasna) to Aiwissu-thrima (and) Aibigaya, the holy lord (s) of the ritual order, and to Zarathustrotema and to him who possesses and who gives that prosperity in life which furthers all. And I celebrate and complete (my Yasna) to the Fravashis of the saints, and to those of the women who have many

sons and to a prosperous home-life"(Yasna L19)"[32]

ترجمہ: میں اعلان کرتاہوں اور مکمل کرتاہوں(یسنا)اویشو-تھریمہ اور ابیگیا پر، یہ جو معزز آقا ہیں عبادات کے اعتبار سے اورزرتشتیوں پراوراس پر جو کہ خود بھی معزز ہے اوردوسروں کو بھی معزز رکھتاہے اور میں مکمل کرتا ہوں (یسنا)پادریوں کے فراوشش پراور عورتوں میں سے اس عورت پر جس کے بیٹے زیادہ ہیں اور جو بہترین گھریلوزندگی گزارتی ہے۔

"And to Aiwissuthrima, the life-furtherer and to Fradat-vispām-hugyaiti and Zarathustrotema, the holy lords of the ritual order, and to the Faravashis of the saints and to the women who bring forth many sons, and to the prosperous home-life which endures without reverse throughout the year."(yasna IV)(11)[33]

ترجمہ: آوی ستھریمہ، فرادت۔وسپام-ہدگیائیتی اورزراتشتروتیمہ پر،جوعبادت کی روسے آقا ہیں اورپادریوں کے فراوشش اور عورتیں جن کے زیادہ بیٹے ہیں اور خوبصورت گھریلوزندگی ہے جو کہ سال بھر اچھی طرح گزرتی ہے۔

اسی طرح اوستامیں کئی مقامات پر "Of many sons", "the mother of many children" "a troop of male children" اور "of many bold sons" کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ جن سے اس بات کی نشاندہی ہوتی ہے کہ زرتشت مذہب میں بیٹی کی پیدائش کو باعث عار تو نہیں سمجھا گیالیکن بیٹے کی پیدائش کو افضلیت ضروردی گئی۔ زرتشت مذہب میں عورت کے بحیثیتِ بیٹی چند معاشرتی حقوق درج ذیل ہیں:

دودھ پینے کا حق:

زرتشت مذہب کی روسے بیٹی کو یہ بنیادی حق حاصل ہے کہ اسے دوسال تک دودھ پلایا جائے:

"The Zoroastrian daughter was reared on the mother's breast to preserve the purity of

her blood. She was fed on milk diet for the first two years[34]".

ترجمہ: زرتشتی بیٹی اپنی ماں سے وراثت میں اپنے نسب کی پاکیزگی حاصل کرتی ہے اور دو سال تک وہ اپنی ماں کا دودھ پیتی ہے۔

تربیت کا حق:

زرتشت مذہب میں اولاد کی تربیت بھی والدین کے بنیادی فرائض میں شامل ہے۔ سات سال کی عمر میں جب بچے (لڑکا یا لڑکی) اس قابل ہو جاتے کہ وہ اچھائی اور برائی میں تمیز کر سکیں تو زرتشتی خواتین لڑکی کو گھر کے کام کاج سکھاتیں اور اسکی ذہنی تربیت کرتیں:

"The avesta as well as the pahlvi contain indirect or distant allusions to the condition of a maiden in her father's home. General training in moral and religious precepts, the elementary rules of sanitation (vend.VII., 60-72) the art of tending domestic animals (Yas.XXIII.3), of spinning and weaving the sacred girdle as well as garments (vend.V.67;charaiti Yt.v.87), of superintending the labourers in the field (Yas.LXVIII.12) and the milking of the cow(Av.dughdhar), formed, as it seems, the principal acquirements useful to the maiden."[35]

ترجمہ: زرتشتی اوستا اور پہلوی تعلیمات میں لڑکی کی تربیت اس کے باپ کے گھر ہی ہوا کرتی ہے۔ عمومی طور پر اخلاقی اور مذہبی تعلیمات جو بنیادی ہیں پالتو جانوروں کی دیکھ بھال، کمر بندھ باندھنے کی تیاری اور کپڑے سلائی کرنا، میدان میں مزدوروں کی نگرانی، گائے بھینسوں کا دودھ نکالنا، کپڑے اور چیزوں کے کر تب جو ثقافت کا حصہ ہیں یہ سب اس تربیت کا حصہ ہے جو کہ کنواری لڑکی کی تربیت کے لیے ضروری ہے اور مددگار بھی۔

حصول تعلیم کا حق:

زرتشت مذہب میں تعلیم کے حصول کی تلقین کی گئی ہے اوراس سلسلے میں جنس کی کوئی تمیز نہیں رکھی گئی:

"The Avesta also makes clear that women, like men, were recipients of religious education. This fact is evidenced in Y. 671, wherein are worshipped the "choices" (frauuaṣ̌is) of teachers, of students—male [and] female" [36]

ترجمہ: زرتشت مذہب میں یہ واضح ہے کہ عورتیں اور مرد برابر ہیں تعلیمی معاملات میں۔ اس بات کی وضاحت Y.671 میں ہے کہ طالب علم کو اختیار ہے کہ جس سے تعلیم لیناچاہے لے لے چاہے مرد سے یاعورت سے۔

زرتشت مذہب کی بنیادی کتاب "YĀSHT-BĀ-MĀĀNI," میں اس عورت کو سراہا گیاجو اپنے کردارو گفتار میں نیک ہو اور تہذیب یافتہ ہو:

"In the exalted place of paradise of the food brought for him (i.e., for the soul of that righteous man, is the celestial food) of zaremaya raoghna. This is (ambrosia). The food (stated above fixed). After death of the youth of good thought, of good word of good deed and of good conscience (i.e., for his soul). (Similarly), this is (ambrosia), the food (stated above fixed) after death for the (soul of) the woman richer-in-good thought, richer-in-good word, richer-in-good deed, fully and well trained, obedient to her husband (and) truth-speaking."(XXII nd yasht)[37]

ترجمہ: جنت میں جو کھانالایاجائے گا(نیک ارواح کے لیے) یہ غذا ہے اہل جنت

کی جن کے خیالات پاکیزہ، جن کے الفاظ اچھے، اعمال صالح اور باایمان تھے یہ ان خواتین کے لیے غذا ہو گی جو اچھے الفاظ، اعمال اور خیالات کی حامل تھیں اور اپنے شوہر کی مطیع و فرمانبردار تھیں اور سچ بیان کرنے والی تھیں۔

اٹھارہویں صدی میں بمبئی میں پارسی خواتین کی تعلیم کے بارے میں "Henry George Briggs" اپنی کتاب "The Parsis or, Modern Zerdusthians" میں لکھتے ہیں:

"With respect to the education of their females, it ought to be more generally known that most of them can both read and write the Gujarati. The students'literary society, to its credit, has of late seen to the establishment of schools and competent teachers for the better instructions of the sex."[38]

ترجمہ: خواتین میں تعلیم سے متعلق کہا جاتا ہے کہ زیادہ تر گجراتی لکھنا اور پڑھنا بھی جانتی ہیں اور ادبی معاشرہ سازی کے لیے بعد ازاں درس گاہیں بھی بنائی گئیں اور ان میں معلم بھی رکھے گئے تاکہ صحیح طور پر تعلیم دی جاسکے۔

شوہر کے انتخاب کا حق:

اوستا کے مطابق لڑکے یا لڑکی کی شادی کی عمر 15 سال ہے۔ بقول زرتشت لڑکی کو اس بات کا حق حاصل ہے کہ وہ روزمرہ عبادات میں اپنے لیے اچھے جیون ساتھی کے حصول کے لئے دعا مانگے۔ زرتشت مذہب کی بنیادی کتاب "YĀSHT-BĀ-MĀĀNI" میں اس کا تذکرہ کچھ یوں کیا گیا ہے:

"They then asked of him (i.e. vayu yazata). Oh powerful Vayu yazata! do thou grant me this (below-mentioned) boon that we may obtain young and most handsome husbands. (Also) as long as we both live together in life, (so long), that (husband) may treat us well. (Besides) that husband

may give us children (i.e., through that husband we may beget children) (Rām yasht (40)"[39]

ترجمہ: انہوں نے پھر ان سے سوال کیا، اے طاقتور وایویزتا (Vayu yazata)! کیامیری یہ التجاقبول ہوگی کہ ہمیں عطاکیاجائےنوجوان اور خوبرو شوہر تاکہ ہم جب تک زندہ رہیں ساتھ رہیں اوروہ ہم سے اچھے انداز میں پیش آئے اوراسی کے ذریعے سے ہمیں اولاد بھی نصیب ہو۔

مندرجہ بالااقتباس میں ان تمام خصوصیات کاذکر کیاگیاجوایک اچھے شوہر میں پائی جانی چاہیئں۔زرتشت نے اپنے پیروکاروں(خواتین)کواس بات کی ہدایت کی کہ وہ نہایت دانشمندی کے ساتھ شوہر کاانتخاب کریں:

"May God grant you him who is steadfast in good mind and united with righteousness and with the wise one. Therefore, consult with your wisdom and decide in full tranquility."(Yasna 53/3)[40]

ترجمہ: خداتمہیں عطاکرےایساشوہر جو ثابت قدم ہواچھے خیالات میں اور پاکبازومتقی ہواور ہوشیار(عقلمند) بھی۔اس لیے تمہیں اختیارہے کہ تم آزادی سے اور تسلی سے اپنے شوہر کافیصلہ کرو۔

آزادی اور اختیار کے باوجود حتمی فیصلہ ماں باپ کی رضامندی پر منحصر ہوتاتھا:

"The marrying maiden was, no doubt very careful in selecting her husband, but she had sometimes to rely upon the judgment of her parents. Her choice was subject to confirmation by the latter. In very rare cases where the maiden had no proper guardian, she made a choice for herself."[41]

ترجمہ: شوہر کے انتخاب کے معاملے میں لڑکی بہت محتاط ہوتی تھی لیکن بعض اوقات حتمی فیصلہ ماں باپ کی رضامندی پر منحصر ہوتاتھا۔اس کی پسندیدگی بعد

میں مانی جاتی ہے۔ بہت ہی کم معاملات میں جہاں لڑکی کا کوئی سرپرست نہیں ہوتا وہاں وہ اپنے لیے کسی کو پسند کر سکتی ہے۔

لہذا زرتشت مذہب میں لڑکی کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنی مرضی سے شوہر کا انتخاب کر سکتی ہے۔ اس سلسلے میں زرتشت نے واضح تعلیمات دی ہیں۔ قدیم زمانہ زرتشت میں بھی والدین لڑکی کی رضامندی سے ہی حتمی فیصلہ کرتے تھے۔

بحیثیت بیوی عورت کے معاشرتی حقوق:

زرتشت مذہب میں شادی کو بنیادی اہمیت حاصل ہے زرتشت مذہب کی روسے وہ گھرانہ خوشحال گھرانہ ہے جہاں بیوی بچے موجود ہوں۔ زرتشت مذہب کی بنیادی کتب میں کئی مقامات پر خاندانی نظام میں بیوی کی اہمیت کو واضح کرتے ہوئے اس کی خوبیوں اور محاسن کا ذکر بایں الفاظ کیا گیا ہے:

"We honour the pious lady who is straight forward in her mind, speech and action, who is worthy of respect for her accomplished education (hūsh-hâm-sāstām) who is obedient to her husband, who is chaste and as devoted to her guardian (i.e. parents) as Armaiti and other female angels are devoted (to the Deity)"[42]

ترجمہ: ہم ایسی عورت کی تعظیم کرتے ہیں جو اپنے افکار، الفاظ اور افعال میں سچی ہو۔ جو اس لائق ہو کہ اپنی تعلیمات کو کامل طریقے سے بجالائے، جو اپنے شوہر کی فرمانبردار ہو جو پاکدامن اور مخلص ہو اپنے والدین کے ساتھ جیسے ارمتی (Armati) اور دیگر عورتیں تھیں۔

اوستا میں درج ہے:

"And now we worship this earth which bears us, together with Thy wives, O Ahura Mazda! Yea, those Thy wives do we worship which are so desired from their sanctity. We sacrifice to their zealous

wishes, and their capabilities, their inquiries (as to duty) and their wise acts a pious reverence and with their blessedness their full vigour and good portions, there good fame and ample wealth." (Yasna XXXVIII)[43]

ترجمہ: ہم پوجا کرتے ہیں اس زمین کی جو ہمارے بوجھ کو اٹھائے ہوئے ہے اپنی بیویوں کے ساتھ، اے اہورامزدا! ہاں وہ بیویاں، ہم ان کی عبادت کرتے ہیں کیونکہ یہ پاک ہیں اور ہم ان کی خاطر تمام خواہشوں، صلاحیتوں اور اچھے افعال سے قربانی دیتے ہیں اور ان کی مہربانیوں، طاقت و قوت اور دولت کو سراہتے ہیں۔

اسی طرح اوستا میں ایک اور مقام پر اس عورت کا تذکرہ کیا گیا جو شوہر کی فرمانبردار ہو:

"[Let him eat] of the food brought to him, of the oil of zaremaya: this is the food for the youth of good thoughts, of good words, of good deeds, of good religion, after he has departed this life; this is the food for the Holy woman, rich in good thoughts, good words, and good deeds, well principled, and obedient to her husband, after she has departed this life."(Vistasp Yasht 64.)[44]

ترجمہ: جو کھانا اس کے لیے لایا گیا ہے اس میں سے اسے تناول کرنے دو جو کہ زرمیا (Zaremaya) کے تیل میں بنا ہے یہ کھانا وہ ہے جو ایسے نوجوانان کے لیے ہے جو اچھے افکار، اچھے الفاظ، اچھے اعمال، اچھے دین والے ہیں جب وہ انتقال کر جائیں۔ یہ غذا ہے پاک باز عورتوں کے لیے ہے جو اچھے افکار، الفاظ، اعمال، اصول پرست اور شوہر کی اطاعت گزار ہیں جب وہ انتقال کر جائیں۔

زرتشت نے اپنی بیٹی کی شادی کے موقع پر اسے کچھ نصیحتیں کیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ پرسکون

اورخوشحال گھرانے کادارومدار بیوی پر ہے۔ اگر وہ شوہر کی فرمانبردار ہو تو گھر امن کا گھوارہ بن سکتا ہے۔ زرتشت اوران کی بیٹی کے درمیان ایک مکالمہ ہوا، زرتشت گویا ہوئے:

"And him will they give Thee, O Pourukista, Haekab-aspid and Spitami! Young (as thou art) of the daughter of Zarathustra, him will they give thee as a help in the Good Mind's true service, of Asha's and Mazda's as a chief and a guardian. Counsel well then(together), with the mind of Armaiti, most bounteous and pious; and act with just action." (yasna LIII(3))[45]

ترجمہ: جب تمہیں اس کے سپرد کیا جائے اے پروکستا(Pourukista)، ہیک آسپڈ(Haekab-aspid)اور سپیٹامی(Spitami)! جو کہ زرتشت کی جوان بیٹی تھی اسے نصیحت کی کہ ہم اسے تجھے سونپ رہے ہیں تا کہ اس کی مدد کر اچھے خیالات میں، اچھے طریقے سے فرمانبرداری کروآشااورمزداکی بطور سرپرست۔ اچھے افکار کے ساتھ، سب سے زیادہ پاکبازاور خداپرست رہ کراور اپنے عمل کے اظہار سے۔

زرتشت کی بیٹی نے جواب دیا:

"I will love and vie with him, since from (my) father he gained (me). For the master and toilers, and for the lord-Kinsman (be) the Good Mind's bright blessing, the pure for the pure ones, and to me (be) the insight (which I gain from his counsel). Mazda grand it, Ahura for good conscience forever."(yasna LIII(4))[46]

ترجمہ: میں ہمیشہ اس سے پیارومحبت رکھوں گی اوراس کی ہمسر رہوں گی جب

سے اپنے والد کی طرف سے اس (شوہر) کی سرپرستی میں رہوں۔ اپنے آقا کے لیے اور اپنے رب کے واسطے سے اور رشتہ داروں کے لیے باعث رحمت رہوں گی اچھے لوگوں کے لیے اچھے لوگ ہیں اور مجھے عطا فرما بصیرت اور پختہ ایمان زندگی بھر کے لیے۔

پھر زرتشت نے تمام شادی شدہ افراد کو تنبیہ کرتے ہوئے کہا:

"Monitions for the marrying I speak to (you) maidens, to you, I who know them; and heed ye my (sayings): by these laws of the faith which I utter obtain ye the life of the Good Mind (on earth and in heaven) (and to you, bride and bridegroom) let each one the other righteousness cherish, thus alone unto each shall the home-life be happy."(yasna LIII(5))[47]

ترجمہ: شادی کرنے والوں کو متنبہ کر رہا ہوں، میں جو کہ جانتا ہوں، میری باتوں کو سنو: ان اصولوں پر جن پر میں ایمانِ کامل رکھتا ہوں اچھے لوگوں کی زندگی اسی طرح گزرتی ہے جب ایک دوسرے کو اپنا مخلص اور عزیز جانیں اور اپنے حدود میں رہتے ہوئے خوشحال زندگی بسر کریں۔

زرتشت مذہب میں عورت کو بحیثیت بیوی جو حقوق حاصل ہیں ان کا تذکرہ زرتشت مذہب کی قدیم کتاب "Denkard" میں کیا گیا ہے۔ اس کتاب کے پہلے مصنف "Adurfarnbag T Farrox zādān" ہیں۔ یہ کتاب زرتشت مذہب کا قدیم ترین انسائیکلوپیڈیا ہے۔ اسے پہلوی زبان میں لکھا گیا اور اس کا انگریزی اور گجراتی زبان میں ترجمہ "Dastur Peshotanji Behramji Sanjana" کی زیر نگرانی ان کے بیٹے "Darab Dastur Peshotanji Sanjana" نے مکمل کر کے اسے شائع کیا۔ اس کتاب کی روشنی میں زرتشت مذہب میں عورت کو بحیثیت بیوی درج ذیل حقوق حاصل ہیں:

عزت و احترام کا حق:

زرتشت مذہب اپنے اخلاقی ضوابط میں اس بات کو شامل کرتا ہے کہ اس کے پیروکار بحیثیت شوہر اپنی

شریک حیات سے عزت واحترام سے پیش آئیں اور ان کے ساتھ محبت اور نرمی والا معاملہ رکھیں مزید یہ کہ ان پر کشادہ دلی کے ساتھ خرچ کریں۔ چنانچہ ان کی تعلیمات میں ہمیں یہ ملتا ہے:

"The wife of one's choice (i.e, to whom one is tied by the marriage ceremony) should always be treated with much affection and without the tinge of niggardliness (i.e, with liberality in the conferring of favors). One should strive for the increase of progeny by going into her. One should be made a sharer in the recompense for righteous deeds."[48]

ترجمہ: اپنی بیوی کے ساتھ محبت سے پیش آیا جائے اور کسی طرح سے کسی بھی چیز میں کنجوسی نہ دکھائی جائے شوہر کو چاہیئے کہ افزائش نسل کی خاطر اپنی زوجہ سے صحبت اختیار کرے تو اس کو اپنے اچھے اعمال کے بدلے میں اجر ضرور ملے گا۔

شوہر و بیوی کے درمیان برابری:

زرتشت اپنے پیروکاروں کو مساوات کا درس دیتے ہوئے یہ تعلیم دیتے ہیں کہ شوہر کسی بھی معاملے میں اپنی زوجہ کو کمتر اور حقیر نہ سمجھے گویا کہ میاں بیوی کی زندگی کی گاڑی کے دو پہیئے ہیں جس کا توازن صرف مساوات کی صورت میں ہی قائم رہ سکتا ہے۔ لہٰذا ہم دیکھتے ہیں کہ:

"The ancient Iranian marriage tie was not the result of capture or purchase, but of selection on the past of the lovers themselves. Marriage was regarded as honourable by all, and after marriage, while the husband was regarded as the master of the house, the wife was recognized as it's mistress. The wife also attended the common religious services with her husband, and was associated with him as a forteree of the holy law, and united with him

in special prayer to God, and other acts of worship"[49].

ترجمہ: قدیم ایران میں شادیاں ذاتی پسندیدگی کی بنیاد پر ہوا کرتی تھیں، زر خرید یا غلاموں کی طرح لے کر شادیاں نہیں کی جاتی تھیں، شادی قابل تعریف اور معزز رشتہ سمجھا جاتا تھا، شوہر کو گھر کا مالک اور بیوی کو مالکن کے طور پر جانا جاتا تھا، بیوی انتہائی فخر سے اپنے شوہر کے ساتھ مذہبی اور سماجی تقریبات میں شرکت کرتی تھی نیز ہر دعا میں اور عبادات میں عورت کو مرد کے ساتھ شامل رکھا جاتا تھا۔

جہیز کا حق:

تقریباً ہر مذہب و تہذیب میں لڑکی کو شادی کے موقع پر تحفے تحائف دینے کا رواج ہے جسے عمومی طور پر جہیز (Dowry) کہا جاتا ہے۔ زرتشتی تعلیمات میں بھی ہمیں اس کا ثبوت ملتا ہے جیسا کہ:

"One's Shah-Zan (i.e, a maiden wife) should be given a good dowry. A Chakar-Zan (i.e, a wife who was previously a widow) should not be given the same amount as the Shah-Zan."[50]

ترجمہ: شاہ زن (Shah-Zan) جو ایک کنواری عورت تھی اس کو اچھا (زیادہ) جہیز ملا لیکن چکر زن (Chakar-Zan) جو پہلے ایک بیوہ تھی اس کو اتنا نہیں ملا جتنا شاہ زن کو ملا تھا۔

تعدد ازواج کی ممانعت:

زرتشتی مذہب میں دوسری شادی کو ناپسندیدہ قرار دیتے ہوئے مرد و عورت دونوں کو ہی دوسری شادی کرنے سے منع کیا گیا ہے اور اس کی حوصلہ شکنی کرتے ہوئے یہ تعلیمات دی گئیں ہیں کہ:

"A woman should not wed a second husband, nor a man a second wife, because such act, (according to the religion), is not a meritorious one."[51]

ترجمہ: عورت دوسری شادی نہیں کر سکتی اور نہ ہی کوئی مرد دوسری شادی کر سکتا ہے کیونکہ یہ عمل قابل تحسین نہیں۔

"So far as the Avesta period is concerned, these has been no mention of two wives belonging to one man nor any allusion even far-fetched to that practice."[52]

ترجمہ: جہاں تک اوستا کے دور کا تعلق ہے، دور دور تک ایسی کوئی تعلیمات نہیں ملتیں اور نہ ہی کوئی ایسا نقطہ جہاں سے اس بات کا اظہار ہو کہ کسی شخص کی بیک وقت دو بیویاں تھیں (یا کسی شخص نے دو شادیاں کی تھیں) بلکہ ایسے اعمال سے کافی دور تھے۔

بحیثیت ماں عورت کے معاشرتی حقوق:

زرتشت مذہب میں "ماں" کو بہت بلند مقام حاصل ہے۔ زرتشت مذہب کی بنیادی کتب میں کئی جگہ "ماں" کا مختلف حوالوں سے تذکرہ کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر "The mother of many children", "the mother of bold talented sons", "the mother of many sons" کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ جن سے زرتشت مذہب میں "ماں" کی حیثیت کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اوستا میں درج ہے:

"H($\bar{a}$)oma grants to two racers who would run a course with span both speed and bottom(in their horser). H($\bar{a}$)oma grants to women come to bed with child a brilliant offspring and a righteous line.(Yasna IX)" [53]

ترجمہ: ہوماں (H($\bar{a}$)oma) لقب دیا جاتا ہے اس کو جو کہ کئی عرصے تک نسل چلائے۔ سب سے باعزت لقب ماں کا ہے کہ ماں وہ عورت ہے جو پرورش کرتی ہے اپنے بچوں کی اور اپنی نسلوں کی۔

اسی طرح ایک اور مقام پر درج ہے:

"This I ask Thee, O Ahura! tell me aright these things which I shall speak forth, if they

are truly thus. Doth, they piety (which we cherish) in reality increase the sacred orderliness within our actions? To these Thy true saints hath she given the Realm through the Good Mind. For whom hast Thou made the Mother-kine, the producer of joy? (Yasna XLIV)"[54]

ترجمہ: یہ میں تم سے پوچھتاہوں، اے اہورامزدا! یہ باتیں مجھے صحیح صحیح بتاؤ جو میں کرسکوں روبرو کہ کیاواقعی ایساہے؟ کیاخدا پرستی باضابطہ ہمارے اعمال کو مقدس بنادیتی ہے؟ یہ بزرگوں کی طرف سے دی جانے والی سلطنت کیا اچھے لوگوں کے لیے ہے کس کے لیے تم نے یہ مادہ(شفیق ماں)بنائی خوشیاں دینے کے لیے؟۔

زرتشت مذہب میں ماں کو بھی وہی حقوق حاصل ہیں جن کاتذکرہ"بیٹی" اور "بیوی" کے ضمن میں کیاجاچکاہے۔ماں کے حوالے سے مخصوص احکامات کاتذکرہ زرتشتی کتب میں ناپید ہے۔

زرتشت مذہب میں خواتین کے مشترکہ حقوق:

زرتشت مذہب کی روسے اب تک جن حقوق کاتذکرہ کیاگیاوہ غالب درجہ میں قوانین کی کسی ایک حیثیت یعنی بیٹی،بیوی اورماں سے متعلق تھے۔اب ذیل میں ان حقوق کاتذکرہ کیاجارہاہے،جوان سب(بیٹی،بیوی،ماں)کے مشترکہ حقوق ہیں:

مساوات کاحق:

زرتشت مذہب کی خصوصیت ہے کہ وہ اپنے سامعین و قارئین میں مرد وعورت دونوں سے خطاب کرتا ہے اور انہیں مظاہرِکائنات کے مطالعہ کی تلقین کرتا ہے۔

بقول زرتشت:

1۔اس بہترین دین کی آبرو یہ ہے کہ ہر مرد اور عورت کو چاہیئے کہ وہ اپنی بھلائی کی طرف تیزی سے سبقت کرے۔

2۔ہم ان سب پرہیز گاراورنیک مرداور عورتوں کی توصیف کرتے ہیں جو خواہ کسی ملک میں پیدا ہوئے

ہوں، جو ماضی میں تھے اب موجود ہیں اور مستقبل میں پیدا ہونگے جو ایک دین حق کے پیرو ہیں۔[55]

زرتشت مذہب میں مرد و عورت دونوں کو بلا تفریق جنس برابر قرار دیا گیا ہے۔ سزا اور جزا کے احکامات بھی دونوں پر لاگو ہوتے ہیں، غرض یہ کہ اوستا میں جہاں مرد کا تذکرہ ملتا ہے وہیں عورت کا تذکرہ بھی موجود ہے۔ ایسے ہی چند اقتباسات کا تذکرہ درج ذیل میں کیا جاتا ہے:

"In all prayers there is always a combined reference to men and women and never man is singularly referred to women have always been considered from ancient times equal to man"[56].

ترجمہ: تمام تر دعاؤں میں عورتوں کو مردوں کے برابر یاد رکھا گیا ہے کہیں بھی ایسا نہیں کہ دعائیہ کلمات مرد کے لیے کیے گئے اور عورت کا تذکرہ نہ کیا گیا ہو۔

"Whoever, man or woman, does what thou, O Ahura Mazda,

Knowest to be the best in life.

Whoever does right for the sake of Right;

Whoever in authority governs with the aid of the Good Mind,

I shall bring all these to join in songs of thy praise,

Forth, shall I with them cross the Bridge of judgment."[57]

ترجمہ: کوئی بھی چاہے مرد ہو یا عورت کوئی عمل انجام دے، زندگی میں بہترین طریقے سے جانا جائے گا۔ جو کوئی سچائی کی خاطر حق بات کرے گا جو کوئی معاملات کو اچھے طریقے سے چلائے گا، میں ان کے لیے وہ تمام چیزیں فراہم کروں گا جو وہ ستائش (دعا) میں طلب کرتے ہیں۔ میں یہ تمام کام سرانجام دوں گا تاکہ ان کے

ساتھ دعاؤں میں شامل ہو سکوں، کیامیں ان کے ساتھ پل صراط سے گزر جاؤں گا۔

"And we worship all waters and all plants and all good men and women and we worship all these yazadas, heavenly and earthly, who are beneficent and holy (Yasna XVI)".[58]

ترجمہ: ہم ان سب کی ستائش کرتے ہیں جوپاک ہیں اور قابل تعریف ہیں۔ تمام پانی(دریا/سمندر)، پودے، مردوخواتین اوران یزداؤں کی بھی جوزمین میں ہیں یاآسمانوں(جنت میں)،جو مقدس ہیں۔

"And we worship the souls of those beasts which are tame and broken in, and of wild herds, and the souls of the saints wherever they were born, both of men and of women, whose good consciences are conquering in the strife against the Daevas, or will conquer, or have conquered (Yasna XL)".[59]

ترجمہ: اورہم ہراس حیوان کی روح کی پرستش کرتے ہیں جو پالتو ہو، جو غول (جھنڈیاجنگلی ریوڑ) میں ہواوران تمام پاک بزرگوں کی ارواح کی جو کسی بھی جگہ ہوں مردوزن دونوں کی جو خالص(پختہ)ایمان کے ساتھ دیواز(Daevas)یعنی شیاطین سے نبردآزماہوتی ہیں یا ہوچکی ہیں یا پھر نبردآزمارہتے ہوئے فتح یاب ہو نگی۔

"Praises and songs and adoration do we offer to Ahura Mazda and to Righteousness the Best; yea we offer and we ascribe them, and proclaim them, and to thy good kingdom, O Ahura Mazda, may we attain

for ever, and a good King be Thou over us; and let each man of us, and so each woman, thus abide, O Thou most beneficent of beings an for both the worlds!. (Yasna XLI,XLII)"[60]

ترجمہ: دعائیں، ستائشیں ہیں اہورامزدا کے لیے ہماری طرف سے، ہماری عبادتیں اسی سے منسوب ہیں۔ جو سچا ہے اور ہم اسی کا پرچار کرتے ہیں، یہ مملکت تمہاری ہی ہے اور ہمارے اچھے آقا تم ہی ہو اور ہر مرد و عورت تمہاری ہی عبادت(ستائش) کرتا ہے اے دونوں جہانوں کے درمیان قابل تعریف اہورامزدا۔

مرد و عورت کے مابین مساوات کے حوالے سے "Mr.Robert" لکھتے ہیں:

"Evidence is not wanting that the Zoroastrian people, who lived in the eastern territories of india more than three thousand years ago, thought nobly of their women. In primitive Iranian society the wife held a position not inferior to her husband, while the mother and the daughter were revered and cherished. There is no reference in the Avesta, the sacred book of the disciples of Zoroaster, to any disappointment at the birth of a daughter. On the contrary, she seems to have been regarded with special tenderness, and in harmony with the lofty Monotheism of the Parsees, she was thought the value and necessity of pure thought, pure words and pure deeds".[61]

ترجمہ: کوئی ایسے ثبوت درکار نہیں جن سے اس بات کا اظہار ہوتا ہو کہ تین ہزار سال قبل ہندوستان کے مشرقی علاقوں میں جو زرتشتی آباد تھے وہ خواتین کو

برتر جانتے تھے۔ ابتدائی ایرانی معاشرے میں عورت کو (بطور بیوی) شوہر سے افضل نہیں ماناجاتا تھامگرایک ماں کی حیثیت سے اور بیٹی کی حیثیت سے اس کی تعظیم وتکریم کی جاتی تھی ۔ زرتشت مذہب کی کتاب(صحیفہ)اوستامیں بیٹی کی پیدائش پرمایوسی کے حوالے سے کوئی بات درج نہیں اس کے برعکس اسے زیادہ ناز والفت سے رکھاجاتا تھااورپارسی مذہب کے مطابق یگانگت کابلند درجہ دیاجاتا تھااوراسے خداپرستی،اعمال وافکارواخلاق کی تعلیم دی جاتی تھی۔

مندرجہ بالامختلف حوالہ جات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ زرتشت مذہب میں عورت کومرد کے مساوی حقوق حاصل ہیں اوروہ کسی بھی لحاظ سے مرد سے کم ترحیثیت نہیں رکھتی۔

عورت کی سربراہی:

"اوستا"میں لیڈرشپ کے حوالے سے جوہدایات دی گئی ہیں ان میں بھی بلاتفریق جنس مرد وعورت دونوں سے خطاب کیاگیااوریہ بتایاگیاکہ حکومت کی باگ ڈور سنبھالنے کاحق عورت کو بھی حاصل ہے:

> "May a good ruler, man or woman, reign in both the material and spiritual existences".[62]

ترجمہ:جو بھی اچھاحکمران(رہبر)ہوگا،چاہے مرد ہویاعورت،وہی ماڈی وروحانی دنیامیں حکمرانی کے لائق ہے۔

حق وراثت:

زرتشت مذہب میں عورت کے حق وراثت کوتسلیم کیاگیاہے۔زرتشت مذہب کی قدیم کتاب "Dadestan-i-Denig"میں قانون وراثت کوبیان کیاگیاہےاس کتاب کاانگریزی ترجمہ "E.W.West" نے کیاہے جس کے مطابق عورت کے کچھ حصے مقرر کردیے گئے ہیں۔ قانونِ وراثت کے کچھ نکات درج ذیل ہیں:

> "When there is nothing otherwise in the will and private, property goes to a wife or daughter who is privileged; if one gives her anything by will then she does not obtain the share (dash) pertaining to her.

Whenever a share for a son is not provided by it, every one has so much and the wife who may be a privileged one has twice as much; and the share of that one of the sons, or even the wife of a son, who is blind in both eyes, or crippled in both feet, or maimed in both his hands, is twice as much as that of one who is sound.

And it is needful that he who was in the father's guardianship shall remain in guardianship, as when a father or mother is decrepit and causing awe(chagarin), or of a nurture different from that of the guardian -- or a child of his brother or sister, or a father, or one without nurture apart from him, is without a guardian -- the ready guardianship of a capable man, and the shelter and nourishment that have become inadequate are as indispensably forthcoming from the possessors of wealth, of those who have taken the property, as that taking was indispensable.

If there be no son of that man, but there be a daughter or wife of his, and if some of the affairs of the man are such as render a woman not suitable for the guardianship, it is necessary to appoint a family guardian; if there be, moreover, no wife or daughter of his it is necessary to appoint an adopted son.

This that is, when it is necessary to appoint a family guardian and who is the fittest, and when it is necessary to appoint an

adopted son and which is the fittest -- is written in the chapters on the question [ch 56-59].[63]".

ترجمہ: جب وصیت میں کچھ موجود نہ ہو تب تمام جائیداد بیوی یا پھر بیٹی کو جاتی ہے جو مراعات یافتہ ہے لیکن اگر کوئی پہلے ہی اس کے حوالے سے کوئی وصیت کر دے اور بیوی یا بیٹی کو حصہ دے دے تو پھر باقی ماندہ میں اس کا کوئی حصہ نہیں رہتا۔

اگر وراثت میں بیٹے کا حصہ بیان نہیں ہوا ہو تا تو سب کو وراثت میں سے حصہ ملتا ہے اور بیوی صرف زیادہ سے زیادہ اس کا دوگنا حصہ رکھ سکتی ہے اور اس لڑکے کا بھی حصہ ہوتا ہے حتیٰ کہ اس کی بیوی تک کا حصہ ہوتا ہے جو نابینا ہو دونوں آنکھوں سے، پیروں سے اپاہج ہو اور جس کے ہاتھ بھی نہ ہوں اور ان کا حصہ باقیوں سے دوگنا دیا جاتا ہے۔

یہ ضروری ہے کہ جو بچہ باپ کی سرپرستی میں ہو وہ اسی کی سرپرستی میں زندگی بسر کرے کہ جب ماں اور باپ میں چپقلش ہو یا علیحدگی ہو اور کسی قسم کا کوئی اختلاف نہ ہو اس بچے کی پرورش میں اس کے دیگر بہن بھائیوں سے اور جب وہ کسی اور کی کفالت میں ہو تو اس کے کفیل کے لیے ضروری ہے کہ اس کی پرورش اور کفالت بہترین انداز سے کرے اور اگر وہ بچہ کسی جائیداد کا وارث ہے تو اس کے کفیل ہی کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس کی جائیداد کی حفاظت کرے اور جب بچہ اس کو سنبھالنے کے قابل ہو جائے تو وہ اس کو جائیداد منتقل کر دے۔

اگر کسی شخص کا کوئی بیٹا نہ ہو لیکن اس کی بیٹی اور بیوی موجود ہو اور کوئی ایسا سلسلہ نہ ہو کہ کوئی خاتون اس کی سرپرستی کر سکے تو پھر بہتر ہے کہ کسی شخص کو خاندان کا سربراہ مقرر کر دیا جائے اور اگر کوئی بیٹی یا بیوی بھی موجود نہ ہو تو پھر جائیداد کا وارث اس کا لے پالک بیٹا ہی ہو گا۔

یہ سب لکھا ہے کہ کسی فرد کو جو موزوں ترین ہو تو اس کو مقرر کیا جائے لیکن اگر وراثت کے لیے گود لیا ہوا بیٹا موزوں ترین ہو تو اسے مقرر کیا جائے۔

متذکرہ بالا حوالے کی رو سے وراثت میں گھر کے دیگر افراد کے ساتھ ساتھ عورت بھی برابر کی شریک ہے، اس حوالے سے زرتشت مذہب میں کسی بھی طرح کی کوئی تفریق نہیں رکھی گئی۔

مذہبی امور کی ادائیگی میں شرکت:

زرتشت مذہب عورت کو اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ وہ مذہبی رسومات میں شرکت کرے۔ زرتشتی تعلیمات میں عورت کے لیے مذہبی امور کی ادائیگی میں کسی قسم کی کوئی ممانعت نہیں ہے:

"According to Zoroastrian texts, female members of the Persian society were allowed to participate in religious ceremonies and sometimes even head the event as the priest".[64]

ترجمہ: زرتشتی صحائف کے مطابق خواتین جو پارسی مذہب سے تعلق رکھتی تھیں، کو آزادی حاصل تھی کہ وہ مذہبی رسومات (تقریبات) میں شرکت کریں حتیٰ کہ کبھی تو وہ بطور پیشوا تقریب کی صدارت بھی کرتی تھیں۔

مندرجہ بالا حوالہٗ جات کی روشنی میں یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ زرتشت کی آمد سے ایران میں عورت کو قدرے آزادی حاصل ہوئی اور مرد و عورت کے مابین مساوات کا نظام قائم ہوا۔ لیکن جہاں زرتشت مذہب میں عورت کو مرد کے مساوی حقوق دینے کا دعوی کیا گیا وہیں مخصوص ایام میں عورت کو نجس قرار دیتے ہوئے اسے گھر سے الگ تھلگ رہنے کی تلقین کی گئی۔

عورت نجس قرار:

زرتشت مذہب کی روسے مخصوص ایام میں عورت کو نجس قرار دیا گیا ہے۔ لہٰذا مخصوص ایام میں ان کے لیے الگ قیام گاہوں کی تلقین کی گئی اور ان سے دور رہنے کے لیے مخصوص فاصلے کا تعین کیا گیا ہے۔ زرتشت مذہب میں یہ عقیدہ پایا جاتا ہے کہ اگر کوئی ان کو چھوئے گا تو وہ ناپاک ہو جائے گا۔ مخصوص ایام میں عورت سے متعلق تفصیلی احکامات کا تذکرہ انکی مقدس کتب میں موجود ہے۔ اس سلسلے میں اہورامزدا اور زرتشت کے درمیان کچھ یوں مکالمہ ہوا:

1.""O righteous creator of the corporeal world, when in that house which is of a

Mazdayasnan, a woman with signs of menses, with menses and blood flowing in menses, sit down, what he should do who is that Mazdayasnan"?

2. "Then spoke Ahura Mazda, then he, that Mazdayasnan should choose a path exclusive of a plant, a tree or firewood and in that place put down dry dust and work it further from the house which is either half or which is one third or which is one fourth or which is one fifth(the distance away)if not the woman may see the light of the fire".

3. "O righteous creator of the corporeal world, how far from fire? How far from water? How far from the spread high mentality? How far from a righteous person"?

4."Then spoke Ahura Mazda, 15 paces from fire, 15 paces from water, 15 paces from the spread high mentality, 3 paces from a righteous person".

5. "O righteous creator of the corporal world, how far should he stand near who carries food to a woman with signs of menses, in menses and with blood flowing in menses"?

6. "Then spoke Ahura Mazda, "He should stand 3 paces away from that woman who has signs of menses, is in menses, with blood flowing in menses, While carrying food. Wherein should he carry food wherein

should he carry the support of life(corn), either in iron(pan)or in lead(pan)or in low cost metal(pan)"?

7. "How much food to carry? How much corn to carry? Two weights of thin bread, one weight of corn (vegetarian food). If the woman has no issue (as a menstrual flow) and if a child is born, first wash your hands then hasten (to wash) child's own body. (FARGARD XVI)" [65]

ترجمہ: ۱۔اے جہان فانی کے خالق جب کسی گھر میں عورت کے مخصوص ایام ہوں،اس صورت حال میں مزدایسنا(Mazdayasnan) کو کیا کرنا چاہیئے؟

۲۔اہورامز دانے جواب دیا کہ اسے فوراایک ٹکڑا کسی پودے کا یادرخت کا یا پھر جلتی ہوئی لکڑی کا لینا چاہیئے اوراس کی گرد جھاڑ کر اس گھر سے کچھ خاص فاصلے پر چلے جانا چاہیئے۔ چاہے فاصلہ آدھا ہو، ایک تہائی یا پھر ایک چوتھائی یا پھر پانچویں حصے کے برابر جہاں سے وہ آگ کو نہ دیکھ سکے۔

۳۔اے جہانِ فانی کے خالق، آگ، پانی، اعلیٰ ذہنیت پھیلانے والوں سے اور متقی لوگوں سے کتنا دور؟

۴۔اہورامز دانے جواب دیا، پندرہ قدم آگ سے، پندرہ قدم پانی سے، پندرہ قدم اعلیٰ ذہنیت پھیلانے والوں سے اور تین قدم متقی لوگوں سے۔

۵۔اے اس فانی دنیا کو بنانے والے، جو کوئی اس عورت کے لیے کھانا لیے کھڑا ہو اسے کتنا دور رہنا چاہیئے؟

۶۔تب اہورامز دانے جواب دیا کہ اسے تین قدم دور کھڑے رہنا چاہیئے ایسی عورت سے جب اس کے لیے کھانے سے بھری تھالی لیے کھڑا ہو۔ اسے وہ کھانا کیسی چیز میں رکھنا چاہیئے، کیسی تھالی میں ۔ لوہے کے تھال میں، تانبے کے تھال میں یا کسی سستی دھات کی تھالی میں کھانا رکھ کر دینا چاہیئے۔

> ۷۔ کتنا کھانا دینا چاہیئے؟ کتنی سبزی (بھٹہ) دینا چاہیئے؟ دو ہلکی روٹیاں، ایک عدد (بھٹہ) سبزی (بطور غذا)۔ اگر عورت کو کوئی دقت پیش نہ ہو اور بچے کی پیدائش ہو گئی ہو تو پہلے اپنے ہاتھ دھو پھر بچے کے پورے جسم کو غسل دو۔

اسی طرح کے مزید احکامات بھی "Vendidad" میں درج ہیں۔ اس کے متعلق تبصرہ کرتے ہوئے عبد اللہ مرعی بن محفوظ، عمر رضا کحالہ سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"عورت کے طبی ادوار مثلاً حیض و نفاس جو کہ معروف ہیں کہ عورت کو لاحق ہوتے ہیں فارسی تہذیب میں ایسی عورتیں گھروں سے دور جا کر چھوٹے چھوٹے خیموں میں جو شہر یا قصبوں کے مضافات میں لگائے جاتے تھے جا کر رہتی تھیں ان کے ساتھ کسی کو ملنا جلنا جائز نہ سمجھا جاتا تھا ان خیموں کو عورت کی ماہواری کے دنوں میں رہنے کی جگہ سے پہچانا جاتا تھا حتی کہ ان خادموں کو جو انہیں کھانے پینے کی اشیاء لیکر جاتے تھے انہیں تلقین کی جاتی تھی کہ وہ اپنے سر کو ڈھک کر اپنی ناک اور کانوں کو موٹے کپڑے سے لپیٹ کر وہاں جائیں۔"[66]

خلاصہ کلام:

اس مفصل بحث سے جو بات پایۂ ثبوت تک پہنچتی ہے وہ یہ ہے کہ زرتشت مذہب میں عورت کو قدرے آزادی دی گئی ہے اور اس کے بنیادی حقوق کو تسلیم کیا گیا ہے جن میں تعلیم، خوراک، مساوات، آزادیٔ اظہارِ رائے، حقِ وراثت وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ دیگر اقوام کے مقابلے میں زرتشت نے عورت کو اس کی جائز حیثیت کے مطابق اختیارات دیئے اور نہ صرف دنیوی امور میں مساوات کا سلوک روا رکھا بلکہ مذہبی و سیاسی معاملات میں بھی کافی حد تک اختیارات عطا کئے۔ گویا کہ یہ اب پہلے والی وہ مظلوم عورت نہ رہی جسے پیدا ہوتے ہی زندہ زمین میں گاڑ دیا جاتا یا شادی جیسے نازک معاملات بھی اس کی رضا و منشاء کے بغیر ہی طے کر دیئے جاتے یا جسے خود اپنی زندگی پر کوئی اختیار نہ ہوتا بلکہ یہ اب وہ عورت ہے جو تعلیم بھی حاصل کر سکتی ہے، مذہبی رسومات بھی ادا کر سکتی ہے، ملکی و سیاسی معاملات میں مداخلت بھی کر سکتی ہے، اپنی مرضی سے جیون ساتھی کے انتخاب کا حق رکھتی ہے اور پہلے کی بہ نسبت ایک خوشگوار اور مطمئن زندگی بسر کر سکتی ہے۔

لیکن ان تمام باتوں کے باوجود چند گوشے ایسے ہیں کہ جو آج بھی تنگ و تاریک ہیں اور جو آج بھی قابل توجہ ہیں، وہ یہ کہ ایام مخصوصہ میں عورت سے جس قدر نفرت کا اظہار اس تہذیب میں کیا گیا ہے اقوامِ عالم کی کسی اور تہذیب میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ زرتشت مذہب میں حیض و نفاس کے ایام میں گویا کہ عورت کو "نجس العین" کی

حیثیت دی گئی ہے اور اس کے ہاتھ کا کھانا، کھانا تو در کنار، بلکہ اس کے ساتھ رہنے کو بھی باعث عار سمجھا جاتا ہے، اور ان ایام میں عورت کو گھر سے دور مخصوص فاصلے اور قیام گاہوں میں منتقل کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔

زرتشت کی اخلاقی تعلیمات پر یہ رویہ ایک سوالیہ نشان ہے کہ جو مذہب عورت کو سربراہِ مملکت تک بنانے کی اجازت دیتا ہو اور کسی طور مردوں سے کمتر نہ سمجھتا ہو اس میں عورت کی مجبوری ولاچاری پر ایسا تحقیر آمیز رویہ قابل مذمت ہے۔ راقمہ کے نزدیک زرتشتی تعلیمات میں اس حوالے سے مثبت رویہ اپنانے کی ضرورت ہے تاکہ جہاں عورت کے دیگر حقوق کا خیال رکھا جاتا ہے وہیں اس عرصے میں بھی اس کی بھرپور دلجوئی کی جائے اور اسے تحفظ فراہم کیا جائے۔

حوالہ جات

[1]-Translated by Tehmurasp Rustamji Sethna, Vendidad(The Law Of Zarathushtra To Turn Away From Evil),Sethna, Karachi, 1977AD, P:30.

[2]-Jivanji Jamshedji Modi, The Religious Ceremonies and Customs of the Parsees, British India Press, Bombay, 1922AD, P:14.

[3]-William Tegg, The Knot Tied(Marriage Ceremonies of all nations), William Tegg & Co, London, 1877AD, P:4.

[4]-K.E.Eduljee, Zoroastrian Heritage, http://www.heritageinstitute.com/zoroastrianism/marriage/iranian/index.htm(Retrieved on 20-03-2019, 1:00 p.m).

[5]-See Above,(Retrieved on 20-03-2019,1:10 p.m).

[6]-See Above,(Retrieved on 20-03-2019,1:23 p.m).

[7]-The Religious Ceremonies and customs of the Parsees, P:16.

[8]-See Above, P:20.

[9]-See Above, P:17.

[10]-https://en.m.wikipedia.org/wiki/Zoroastrian_wedding (Retrieved on 12-04-19, 1:00 a.m).

[11]-The Religious Ceremonies and customs of the Parsees, P:19.

[12]-See Above.

[13]-K.E. Aduljee, Zoroastrian Heritage, https://www.heritageinstitute.com/zoroastrianism/marriage/indian/page2.htm(Retrived on 17-04-19, 11:00 a.m.)

[14]-Tehmurasp Rustamji Sethna, Yasna(Excluding the Gathas), T.R.Sethna, Karachi,1977AD,P:162.

[15]-Paula R.Hartz, World Religions(Zoroastrianism), Viva Books Pvt Ltd, New Delhi, 2008AD, V:14, P:101.

[16]-The Religious Ceremonies and customs of the Parsees,P:22.

[17]-Zoroastrian Rituals:Wedding, http://www.avesta.org/ritual/zwedding.htm (Retrieved on 20-04-2019, 2:00 p.m.)

[18]-Adil.Feroz Rangoonwalla, An Overview of Zarathushtrianism, Adil.Feroz Rangoonwalla,2002AD, P:89.

[19]-See Above, P:90.

[20]-See Above.

[21]-Zoroastrian Rituals: Wedding, http://www.avesta.org/ritual/zwedding.htm (Retrieved on 20-04-2019, 11:50a.m.)

[22]-R.P.Masani,The Religion of the Good Life Zoroastrianism, George Allen & Unwin Ltd, London,2001AD, P:144.

[23]-See Above, P:144.

[24]-See Above.

[25]-See Above, P:145.

[26]-See Above.

[27]-See Above.

[28]-T.R.Sethna, The teaching of Zarathustra,Sethna,Karachi,1975AD,P:20.

[29]-Translated by Piloo Nanavutty, The Gathas of Zarathushtra, Mapin Publishing, Ahmedabad, 1999AD, P:59.

[30]۔ حامی، عبداللہ مرعی بن محفوظ، اسلام اور دیگر مذاہب و معاشروں میں عورت کے حقوق و مسائل، مترجم مفتی ثناء اللہ محمود، دارالاشاعت، کراچی 2001ء، ص37۔

[31]-Darab Dastur Peshotan Sanjana, The Position of Zoroastrian Women in Remote Antiquity, Education Society's Press, Bombay 1892AD, P:15.

[32]-Translated by L.H.Mills, The Zend-Avesta, Motilal Banarsidad, Delhi, 1965AD,Part:3, P:197

[33]-See Above, P:215.

[34]-See Above, P:16.

[35]-See Above, P:18.

[36]-WOMEN ii. In the Avesta, http://www.iranicaonline.org/article/women-ii-avesta (Retrieved on 21-04-2019, 10:50a.m.)

[37]-Translated by Prof. Ervad Maneck Furdoonji Kanga, YĀSHT-BĀ-MĀĀNI, The Trustees of the Parsi Punchayat Funds and Properties, Bombay, 2001AD, P:315.

[38]-Henry George Briggs, The Parsis or, Modern Zerdusthians, Andrew Dunlop Publisher, Bombay, 1852AD, P:19.

[39]- YĀSHT_BĀ_MĀĀNI, P:195.

[40]-http://www.iranreview.org/content/Document/women-s-Rights-in-Ancient-Persia.html(Retrieved on 21-04-2019, 11:39a.m.)

[41]-The Position of Zoroastrian Women in Remote Antiquity,P:26.

[42]-See Above, P:19.

[43]-The Zend Avesta,Part:III,P:286.

[44]-See Above,Part:II,P:345.

[45]-See Above, Part:III,P:191.

[46]-See Above.

[47]-See Above.

[48]-Adurfarnbag Farroxzadan, Denkard(The Acts of Religion)Book five, Edited by Dastur Peshotanji Behramji Sanjana, 1907AD, Digital Edition by Joseph H.Peterson, chapter 18, P: 16, http://www.avesta.org/denkard/dk5s.html (Retrieved on 21-04-2019, 01:54p.m.).

[49]- Robert P. Downes, Woman Her Charm And Power, The Epworth Press, London,1920AD, P:36.

[50]- Denkard(The Acts of Religion)Book five, Digital Edition by Joseph H.Peterson, chapter 18, P: 16, http://www.avesta.org/denkard/dk5s.html (Retrieved on 21-04-2019, 03:12p.m.).

[51]-See Above, (Retrieved on 21-04-2019, 03:29p.m.).

[52]-The Position of Zoroastrian Women in Remote Antiquity, P:45.

[53]-The Zend-Avesta, Part III, P:237.

[54]-See Above, P:114.

[55]۔الطاف جاوید، غیر مسامی مذاہب کے بانی، اپنا ادارہ، لاہور، 2004ء، دوئم ایڈیشن، ص177۔

[56]-T-R.Sethna, Khordeh Avesta, Ma'aref Printers, Karachi, 1975AD,P:XVII.

[57]-Tamara, Ebrahimpour, Women's Rights in Ancient Persia, http://www.iranreview.org/Content/Documents/Women-s-Rights-in-Ancient-persia.htm(Retrieved on 26-04-19, 12:15p.m.)

[58]-The Zend-Avesta, Part III, P:257.

[59]-See Above, P:288.

[60]-See Above, P:289.

[61]- Woman Her Charm And Power, P:35.

[62] -Tamara, Ebrahimpour, Women's Rights in Ancient Persia, http://www.iranreview.org/Content/Documents/Women-s-Rights-in-Ancient-persia.htm (Retrieved on 26-04-19, 1:46p.m.)

[63]-Translated by E.W.West, Dadestan-i-Denig(Religious Decisions),Oxford University Press, 1880AD,V:24. http://theology101.org/zor/sbe24/dd52.htm#chap62 (Retrieved on, 27-04-2019, 10:30 p.m.)

[64]-Tamara, Ebrahimpour, Women's Rights in Ancient Persia, http://www.iranreview.org/Content/Documents/Women-s-Rights-in-Ancient-persia.htm (Retrieved on, 27-04-2019, 11:38 p.m.)

[65]-Vendidad(The Law of Zarathushtra to turn away from evil)P:124.

[66]۔ اسلام اور دیگر مذاہب ومعاشروں میں عورت کے حقوق ومسائل، ص38۔

باب چہارم

اسلام میں عورت کی حیثیت و حقوق

فصل اول: اسلام میں عورت کا مقام و مرتبہ

فصل دوم: اسلام میں عورت کے معاشرتی حقوق

فصل سوم: اسلام میں عورت کے عائلی حقوق

فصل چہارم: اسلام میں عورت کے معاشی حقوق

فصل پنجم: اسلام میں عورت کے سیاسی و قانونی حقوق

فصل اول

اسلام میں عورت کا مقام و مرتبہ

اللہ رب العزت نے کائنات میں نظام زندگی چلانے کے لیے مرد اور عورت کو تخلیق کیا اور دونوں کا دائرہ کار متعین کر دیا۔ جس میں رہتے ہوئے ہر ایک صنف اپنے حقوق و فرائض ادا کرنے میں پابند ہے تاکہ کسی میں بھی احساس محرومی پیدا نہ ہو۔ اسلام سے قبل اگر زمانۂ جاہلیت میں عورت کی حیثیت کو دیکھا جائے تو عورت بہت ستائی ہوئی اور انتہائی مظلوم نظر آتی ہے کیونکہ زمانۂ جاہلیت میں کوئی باقاعدہ حکومت نہیں تھی اور نہ ہی باضابطہ قوانین نافذ کیے گئے تھے، جنگل کے قانون کی پیروی کی جاتی تھی، لوگ تہذیب و شائستگی کے تصورات سے عاری تھے، ان کے ہاں پاک و ناپاک، جائز و ناجائز میں کوئی تمیز نہ تھی۔ بقول افتخار مریدی:

"جاہلیت کے عربوں میں بے گنتی شادیاں کی جاتی تھیں شوہر کے مرنے کے بعد اس کی بیوی کا مالک اس کا بیٹا بن جاتا تھا، سگی ماں کے علاوہ عورت جائیداد کی مانند ورثاء میں منتقل ہوتی تھی، عورت کو اشعار میں خوب رسوا کیا جاتا، اس کے ساتھ حیاسوز واقعات کی داستانیں اشعار میں سنائی جاتیں، بڑے گھرانوں کی عورتوں کے ساتھ اشعار میں عشق کا اظہار کیا جاتا"۔[1]

گویا کہ عورت صرف ظلم و ستم کا نشانہ بن رہی تھی اور اس کی حیثیت محض ایک کھلونے سے زیادہ نہ تھی اس کے ساتھ بے جان اشیا کی طرح سلوک کیا جاتا تھا۔

زمانۂ جاہلیت میں بیٹی کی پیدائش پر مایوسی:

زمانۂ جاہلیت میں لڑکی کی پیدائش کو انتہائی معیوب سمجھا جاتا تھا اگر کسی کے ہاں لڑکی کی پیدائش ہوتی تو وہ شرم کے مارے سب سے اپنا منہ چھپاتا پھرتا اور اپنی بیٹی کو قتل کر دیتا یا زندہ در گور کر دیتا۔ ان کی اس شرمناک اور انسانیت سوز حرکت کا تذکرہ اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں کچھ یوں بیان فرمایا ہے:

"وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُم بِالْأُنثَىٰ ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيمٌ"[2]

ترجمہ: "اور جب اطلاع دی جاتی ہے ان میں سے کسی کو بیٹی (کی پیدائش) کی تو (غم سے) اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے"۔

سورۃ نحل کی ایک اور آیت مبارکہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

”یَتَوَارٰی مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْۗءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ ۭ اَيُمْسِكُهٗ عَلٰي هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِي التُّرَابِ ۭ اَلَا سَاۗءَ مَا يَحْكُمُوْنَ“ [3]

ترجمہ: ”چھپتا پھرتا ہے لوگوں (کی نظروں) سے اس بری خبر کے باعث جو دی گئی ہے اسے (اب یہ سوچتا ہے کہ) کیا وہ اس بچی کو اپنے پاس رکھے ذلت کے ساتھ یا گاڑ دے اسے مٹی میں آہ! کتنا برا ہے وہ فیصلہ جو وہ کرتے ہیں“۔

اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں مفسّرِ قرآن پیر محمد کرم شاہ الازہری لکھتے ہیں:

”کفار کے ہاں یہی حالت تھی جب ان کے ہاں بچی پیدا ہوتی تو گھر میں صف ماتم بچھ جاتی، باپ کا چہرہ فرطِ غم سے سیاہ پڑ جاتا، عار اور شرم کے مارے وہ لوگوں کی نظروں سے چھپا چھپا رہتا، مضر خزاعہ اور تمیم کے قبائل تو اپنی بچیوں کو زندہ در گور کر دیتے تاکہ کوئی ایسا آدمی ان کا رشتہ طلب نہ کرے جو انکی کفو سے نہ ہو یا وہ فقر وافلاس سے خستہ حال نہ ہوں۔ ان کا دستور تھا کہ جب بچی کی عمر چھ سال ہو جاتی تو باپ جنگل میں جا کر اسکے لیے ایک گہرا گڑھا کھود آتا پھر بچی کی ماں کو حکم دیتا کہ اسے غسل کراؤ اور خوبصورت جوڑا پہناؤ پھر وہ اسے لیکر جنگل کی طرف چل پڑتا اس گڑھے کے کنارے پر اپنی لخت جگر کو کھڑا کر کے کہتا دیکھو نیچے کیا ہے؟ جب وہ جھکتی تو اسے دھکا دے کر اس میں گرا دیتا وہ معصوم ابا ابا کہہ کر چلاتی رہتی اور وہ سنگدل منوں مٹی اس پر ڈال کر دفن کر دیتا اس طرح صنف نازک کے ساتھ ظالمانہ برتاؤ کیا جاتا معصوم بچیوں کا گلا گھونٹ دیا جاتا اور کوئی ان کی دلدوز چیخوں پر توجہ نہ دیتا“۔ [4]

اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں ایک اور مقام پر بچیوں کے ساتھ ہونے والے اس ظالمانہ وسفاکانہ سلوک کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

”وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِمَا ضَرَبَ لِلرَّحْمٰنِ مَثَلًا ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ“ [5]

ترجمہ: ”اور جب اطلاع دی جاتی ہے ان میں سے کسی کو اس کی جسکی نسبت اس نے رحمان کی طرف کی ہے تو اس کا چہرہ (فرطِ رنج سے) سیاہ ہو جاتا ہے اور اس کا دل غم سے بھر جاتا ہے“۔

اس آیت مبارکہ میں ان کی اس کیفیت کو بیان فرمایا گیا ہے کہ جب انہیں بیٹی کی پیدائش کی خبر دی جاتی ہے تو رنج والم کے باعث ان کے چہرے کا رنگ ہی بدل جاتا ہے گویا کہ وہ کسی صورت بیٹی کی خبر سننے کے لیے تیار ہی نہ

تھے اس سلسلے میں صاحب تفسیر ضیاء القرآن لکھتے ہیں:

"ان کی بیوی بیٹی جنے توگھر میں آنا جانا بند کر دیتے ہیں، ان کی چہیتی بیگم ان کو چڑیل کی مانند ڈراؤنی نظر آنے لگتی ہے، ایک عرب عورت اپنے خاوند کی اس بے رخی کو یوں بیان کرتی ہے:

ما لابی حمزہ لا یاتینا	یظل فی البیت الذی یلینا
غضبان ان لانلد البنینا	وانما ناخذ ما اعطینا

ترجمہ: یعنی میرے خاوند ابو حمزہ کو کیا ہو گیا ہے کہ اب وہ ہمارے ہاں آتا ہی نہیں اور ساتھ والے مکان میں ہی رہتا ہے وہ اس لیے غضبناک ہے کہ ہم بیٹے کیوں نہیں جنتیں، اس میں ہمارا کیا قصور ہے ہمیں جو ملتا ہے وہی ہم لیتی ہیں"۔[6]

سورۃ التکویر میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وَإِذَا الْمَوْءُودَةُ سُئِلَتْ ۝٨ بِأَيِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ ۝٩"[7]

ترجمہ: "اور جب زندہ در گور کی ہوئی (بچی) سے پوچھا جائے گا کہ وہ کس گناہ کے باعث ماری گئی"۔

اس سے بڑھ کر سفّاکیت اور کیا ہو سکتی ہے کہ جس ذی روح کو اللہ رب العزت نے جینے کا حق دیا اس سے وہ حق چھین لیا جائے، جبکہ وہ اس بات سے بھی بے خبر ہو کہ اسے کس گناہ کے باعث موت کی بھینٹ چڑھایا گیا۔

پیر محمد کرم شاہ الازہری بیٹیوں کو زندہ در گور کرنے کی متعدد وجوہات میں سے دو وجوہات کے متعلق لکھتے ہیں:

ا۔ عام اہل عرب کی معاشی حالت بڑی خستہ ہوتی تھی، بچیوں کو پالنا، جوان کرنا، پھر ان کی شادی کرنا اپنے لیے ناقابل برداشت بوجھ تصور کرتے تھے۔ اس لیے ان کو بچپن میں ہی ٹھکانے لگا دیا کرتے تھے۔ قبائل میں باہمی کشت وخون روز مرّہ کا معمول تھا لڑکے جوان ہو کر ایسی لڑائیوں میں ان کا ہاتھ بٹاتے۔ لڑکیاں لڑائیوں میں بھی شرکت نہ کر سکتیں اور پھر ان کو دشمن کی دستبرد سے بچانے کے لیے بھی انہیں کافی تردّد کرنا پڑتا اس لیے وہ ان کو زندہ رکھنا اپنے لئے وبال جان سمجھتے۔

۲۔ ان کی جاہلانہ نخوت بھی اس کا ایک سبب تھی وہ کسی کو اپنا داماد بنانا اپنی توہین سمجھتے تھے اس سے بچنے کا یہی آسان طریقہ تھا کہ نہ بچی زندہ ہو نہ اسے بیاہا جائے اور نہ کوئی ان کا داماد بنے۔[8]

احادیثِ مبارکہ میں بھی بیٹیوں کو زندہ دفن کرنے کے کئی واقعات ملتے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں عورت کے ساتھ بہت ناروا سلوک کیا جاتا تھا اور بیٹی کی پیدائش کو اپنے لیے باعث ننگ و عار سمجھا جاتا تھا حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک شخص نے حضور ﷺ سے اپنے عہد جاہلیت کا واقعہ بیان کیا:

"عَنِ الْوَضِينِ:أَنَّ رَجُلًاأَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ:يَارَسُولَ اللَّهِ إِنَّاكُنَّاأَهْلَ جَاهِلِيَّةٍ وَعِبَادَةِ أَوْثَانٍ،فَكُنَّانَقْتُلُ الْأَوْلَادَ،وَكَانَتْ عِنْدِي بِنْتٌ لِي فَلَمَّاأَجَابَتْ،وَكَانَتْ مَسْرُورَةً بِدُعَائِي إِذَا دَعَوْتُهَا، فَدَعَوْتُهَا يَوْمًا فَاتَّبَعَتْنِي فَمَرَرْتُ حَتَّى أَتَيْتُ بِئْرًامِنْ أَهْلِي غَيْرَ بَعِيدٍ، فَأَخَذْتُ بِيَدِهَا فَرَدَّيْتُ بِهَافِي الْبِئْرِ،وَكَانَ آخِرعَهْدِي بِهَاأَنْ تَقُولَ:يَاأَبَتَاهُ يَاأَبَتَاهُ فَبَكَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى وَكَفَ دَمْعُ عَيْنَيْهِ، فَقَالَ لَهُ رَجُلٌ مِنْ جُلَسَاءِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ،أَحْزَنْتَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ،فَقَالَ لَهُ:كُفَّ فَإِنَّهُ يَسْأَلُ عَمَّاأَهَمَّهُ ثُمَّ قَالَ لَهُ: أَعِدْ عَلَيَّ حَدِيثَكَ فَأَعَادَهُ،فَبَكَى حَتَّى وَكَفَ الدَّمْعُ مِنْ عَيْنَيْهِ عَلَى لِحْيَتِهِ،ثُمَّ قَالَ لَهُ:إِنَّ اللَّهَ قَدْ وَضَعَ عَنِ الْجَاهِلِيَّةِ مَاعَمِلُوا،فَاسْتَأْنِفْ عَمَلَكَ۔" [9]

ترجمہ: وضین سے مروی ہے کہ ایک آدمی نبی ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا، اس نے عرض کیا: "اے اللہ کے رسول! ہم جہالت والے اور بتوں کی پوجا کرنے والے تھے، ہم اولاد کو قتل کرتے تھے اور میری ایک بیٹی تھی جب وہ باتیں کرنے کے قابل ہوئی تو وہ میرے بلانے سے بہت خوش ہوتی جب میں اسے بلاتا تھا۔ میں نے اسے ایک دن بلایا اور چلنے لگا تو وہ بھی میرے پیچھے چلنے لگی، یہاں تک کہ ایک کنویں کے پاس آیا جو میرے گھر سے زیادہ دور نہ تھا میں نے اس کا ہاتھ پکڑا اور اسے کنویں میں دھکا دے دیا، آخری وقت تک وہ یہی کہتی رہی کہ: "اے میرے ابا جان! اے میرے ابا جان!" پس رسول اللہ ﷺ رونے لگے یہاں تک کہ آپ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ نبی کریم ﷺ کے ساتھیوں میں سے ایک آدمی نے اس سے کہا: "تم نے رسول اللہ ﷺ کو غمگین کر دیا ہے" آپ نے اس شخص سے فرمایا، رکو! بے شک یہ اسی چیز کے متعلق پوچھ رہا ہے جس نے اس کو پریشان کیا ہے پھر آپ نے اس شخص سے فرمایا کہ "میرے پاس اپنی بات کو دہراؤ"۔ اس نے اپنی بات کو دہرایا تو آپ ﷺ دوبارہ رونے لگے یہاں تک

کہ آپ کے آنسو آپ کی ڈاڑھی پر گرنے لگے پھر آپ ﷺ نے اس سے فرمایا،
تحقیق اللہ تعالیٰ نے جاہلیت کے تمام کاموں کو معاف کر دیا ہے اس لیے اب تم
نئے سرے سے عمل شروع کرو۔

مندرجہ بالا حدیث مبارکہ سے ثابت ہوتا ہے کہ عہد جاہلیت میں بیٹی کو قتل کرنا معمولی فعل تھا لیکن دینِ اسلام کی شمع روشن ہوتے ہی اس قبیح فعل کا خاتمہ کر دیا گیا۔

عہدِ جاہلیت میں رائج نکاح کی صورتیں:

زمانۂ جاہلیت میں مرد کے لیے نکاح کی کوئی حد مقرر نہ تھی، ایک شخص بیک وقت کئی عورتوں سے شادیاں کرتا تھا یہاں تک کہ اس خیال سے کہ کوئی ان کا داماد نہ بنے وہ اپنی سوتیلی ماؤں سے بھی نکاح کر لیتے تھے۔

اس حوالے سے سید ابو الاعلیٰ مودودی اپنی تفسیر ''تفہیم القرآن'' میں لکھتے ہیں:

''زمانۂ جاہلیت میں جو یتیم بچیاں لوگوں کی سرپرستی میں ہوتی تھیں ان کے مال اور ان کے حسن و جمال کی وجہ سے یا اس خیال سے کہ ان کا کوئی سر دھرا تو ہے نہیں، جس طرح ہم چاہیں گے دبا کر رکھیں گے وہ اسکے ساتھ خود نکاح کر لیتے تھے اور پھر ان پر ظلم کیا کرتے تھے''۔[10]

اسی طرح مخصوص ایام میں عورت کو ناپاک و پلید سمجھا جاتا تھا یہاں تک کہ اس کے ہاتھ سے کیا گیا کوئی بھی کام قابل قبول نہیں تھا۔ ''یہودیوں کے ہاں دستور تھا کہ ایام ماہواری میں عورت کو بالکل پلید سمجھا جاتا تھا نہ اسکا پکایا ہوا کھانا کھاتے نہ اس کے ہاتھ کا پانی پیتے، نہ اس کے ساتھ فرش پر بیٹھتے بلکہ اس کے ہاتھ سے ہاتھ چھو جانے کو بھی مکروہ سمجھتے تھے۔ ان چند دنوں میں عورت خود اپنے گھر میں اچھوت بن کر رہ جاتی تھی، یہی رواج یہودیوں کے اثر سے مدینہ کے انصار میں بھی چل پڑا تھا''۔[11]

زمانۂ جاہلیت میں عورت کی حیثیت سے متعلق قاری بدرالدین رقم طراز ہیں:

''یہ وہی مظلوم و مقہور عورت ہے جو اسلام کی آمد سے پہلے سب سے کمزور مخلوق ہونے کے ناطے نہ صرف اپنے فطری و پیدائشی حقوق سے محروم رکھی جاتی تھی، بلکہ معاشرے میں مظلوم و مقہور حقیر ترین جنس سمجھی جاتی تھی جیسے بھیڑ بکریوں کی طرح کبھی کھونٹوں سے باندھ کر بازار میں فروخت کیا جاتا تھا، کبھی لونڈی بنا کر جنسی ہوس کی بھوک مٹائی جاتی تھی، انتہا یہ کہ بعض مقامات پر تو لڑکی کو پیدا ہوتے ہی زندہ در گور بھی کر دیا جاتا تھا''۔[12]

عہدِ جاہلیت میں عربوں کے ہاں عورت کی شادی کے مختلف طریقے رائج تھے اور بیویوں کی کوئی تعداد متعین نہ تھی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی حدیث مبارکہ میں عہد جاہلیت میں رائج نکاح کی صورتیں درج ذیل بیان کی گئی ہیں:

۱۔ مروّجہ طریقہ نکاح۔

۲۔ نکاحِ استبضاع۔

۳۔ دس افراد ایک عورت کو رکھتے اور عورت جس سے چاہتی اولاد منسوب کر دیتی۔

۴۔ عورت کے گھر کے دروازے پر جھنڈا نصب ہوتا اور جو چاہتا اس سے صحبت کرتا پھر قیافہ شناس کو بلا کر بچے کے والد کا تعین کیا جاتا تھا۔[13]

یہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا صنف نازک پر احسان ہے کہ اس نے عہدِ جاہلیت میں مروّجہ تمام طریقوں کو باطل قرار دے کر عصرِ حاضر میں رائج ایک خوبصورت طریقے کو جائز قرار دیا۔

زمانۂ جاہلیت میں عورت کی طلاق:

جاہلیت کے زمانے میں اہل عرب میں یہ معاشرتی برائی بھی پائی جاتی تھی کہ ایک شخص اپنی بیوی کو کئی بار طلاق دینے کا مجاز تھا، اگر کسی بات پر شوہر کی اپنی بیوی سے لڑائی ہو جاتی تو وہ اپنی بیوی کو ذہنی اذیت دینے کے لیے اسے بار بار طلاق دے کر رجوع کرتا رہتا تاکہ وہ نہ تو کسی اور سے نکاح کر سکے اور نہ ہی اس کے ساتھ سکھ کی زندگی گزار سکے۔ لہٰذا دینِ اسلام نے اس قبیح رسم کا خاتمہ کیا اور تین طلاقوں کی حد مقرر کر دی۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

”الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَأْخُذُوا مِمَّا آتَيْتُمُوهُنَّ شَيْئًا إِلَّا أَنْ يَخَافَا أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَعْتَدُوهَا وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ“[14]

ترجمہ: ”طلاق دو بار ہے پھر یا تو روک لینا ہے بھلائی کے ساتھ یا چھوڑ دینا ہے احسان کے ساتھ اور جائز نہیں تمہارے لیے کہ لو تم اس سے جو تم نے دیا ہے انہیں کچھ بھی بجز اس کے کہ دونوں کو اندیشہ ہو کہ وہ قائم نہ رکھ سکیں گے اللہ کی

حدوں کو پھر اگر تمہیں خوف ہو کہ وہ دونوں قائم نہ رکھ سکیں گے اللہ کی حدوں کو تو کوئی حرج نہیں ان پر کہ عورت فدیہ دے کر جان چھڑا لے یہ حدیں ہیں اللہ کی، سو ان سے آگے نہ بڑھو اور جو کوئی آگے بڑھتا ہے اللہ کی حدوں سے سو وہی لوگ ظالم ہیں"۔

خلاصہ ٔ کلام یہ ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں بچیوں کو زندہ دفن کرنا، عورت کو طلاق دے کر عدت ختم ہوئے بغیر رجوع کرنا، عورت کو میراث سے محروم رکھنا، بیوہ کے مال پر ناجائز قبضہ کرنا، اپنی زیرِ کفالت یتیم لڑکیوں سے جبراً نکاح کرنا لیکن مہر کی ادائیگی نہ کرنا، سوتیلی ماؤں سے ذاتی مفاد کے لیے نکاح کرنا، حج کے موقع پر کعبہ کے ارد گرد برہنہ طواف کرنا وغیرہ اہلِ عرب کا عام دستور تھا۔ یعنی عورت کو کوئی معاشرتی، سیاسی، معاشی اور وراثتی حقوق حاصل نہ تھے لیکن جب اسلام کی شمع روشن ہوئی تو ایسا انقلاب رونما ہوا جس نے پورے زمانے کی تقدیر بدل دی اور عورت جو کہ انتہائی لاچار و مجبور تھی اور بے بسی کا شکار تھی، اس کو وہ مقام دیا جو اس سے پہلے کبھی اسے نہیں ملا، اسے مرد کے برابر عزت دی اور اسے وہ حقوق عطا کیے جس کی وہ منتظر تھی۔ اسلام کی آمد کے ساتھ تمام جاہلانہ رسوم کا خاتمہ ہوا اور دینِ اسلام نے لڑکی کی پیدائش کو باعث رحمت قرار دیا اور اس کی پیدائش پر مایوس ہونے کے بجائے خوشی منانے کا حکم دیا، یوں عورت کو زندہ رہنے کا حق صرف اسلام نے دیا۔

اسلام میں عورت بحیثیت بیٹی:

اسلام سے قبل بیٹی کی پیدائش کو باعثِ شرم و عار سمجھا جاتا تھا اور زندہ درگور کر دیا جاتا تھا لیکن شریعتِ مطہرہ نے بیٹی کی پیدائش کو باعث رحمت و سعادت قرار دیا اور اس کے قتل کو گناہ کبیرہ قرار دے کر اس قبیح فعل سے منع کیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ إِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَإِيَّاكُمْ إِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْئًا كَبِيرًا"[15]

ترجمہ: "اور نہ قتل کرو اپنی اولاد کو مفلسی کے اندیشے سے ہم ہی رزق دیتے ہیں انہیں بھی اور تمہیں بھی۔ بلاشبہ اولاد کو قتل کرنا بہت بڑی غلطی ہے"۔

سورۃ قصص میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

"وَقَالَتْ لِأُخْتِهِ قُصِّيهِ فَبَصُرَتْ بِهِ عَنْ جُنُبٍ وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ"[16]

ترجمہ: ”اوراس نے کہاموسیٰ کی بہن سے کہ اس کے پیچھے پیچھے ہولے پس وہ اسے دیکھتی رہی دور سے اور وہ اس (حقیقت کو) نہ سمجھتے تھے“۔

سورۃ قصص کی ایک اور آیت مبارکہ میں اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

”قَالَتْ إِحْدَاهُمَا يَا أَبَتِ اسْتَأْجِرْهُ إِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَأْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْأَمِينُ“[17]

ترجمہ: ”ان میں سے ایک خاتون نے کہا میرے (محترم) باپ اسے نوکر رکھ لیجئے بے شک بہتر آدمی جس کو آپ نوکر رکھیں وہ ہے جو طاقتور بھی ہو اور دیانت دار بھی ہو“۔

پہلی آیت مبارکہ میں اس بات کی نشاندہی کی گئی ہے کہ اُمّ موسیٰ اپنی بیٹی کو ایک بہت بڑی ذمہ داری تفویض کر رہی ہیں، حالانکہ حضرت ہارون علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بڑے بھائی ہیں۔ لیکن یہ کام حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ اپنے بیٹے کے بجائے بیٹی کے ذمہ لگا رہی ہیں۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بعض امور میں کہیں مرد بہت آگے نظر آتا ہے تو کہیں عورت کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا پس اللہ رب العزت کے ہاں انسان ہونے کے ناطے دونوں کی یکساں اہمیت ہے۔

جبکہ دوسری آیت مبارکہ میں حضرت شعیب علیہ السلام کی بیٹیوں کا تذکرہ کیا گیا جو اپنے والد سے اس بات کا تقاضا کر رہی ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کی توانائی اور ایمانداری کے باعث نوکری دی جائے، ان کی سفارش پر حضرت شعیب علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ملازمت پر رکھ لیا گویا ان کی بات میں کسی قسم کا تردّد نہیں کیا گیا اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ عورت بھی مفید اور سود مند مشورہ دینے کی صلاحیت رکھتی ہے۔

حضور ﷺ نے بیٹیوں کی پرورش کرنے والے کی فضلیت اور اجر کے متعلق ارشاد فرمایا:

”مَنْ عَالَ ثَلَاثَ بَنَاتٍ فَأَدَّبَهُنَّ وَزَوَّجَهُنَّ وَأَحْسَنَ إِلَيْهِنَّ فَلَهُ الْجَنَّةُ“[18]

ترجمہ: جس شخص نے تین بیٹیوں کی پرورش کی پھر ان کو تعلیم و تربیت دی اور ان کا نکاح کیا اور ان کے ساتھ اچھا سلوک روا رکھا تو اس کے لیے جنت ہے۔

مذکورہ بالا حدیثِ مبارکہ میں اس شخص کو جنت کی بشارت دی گئی ہے جو اپنی بیٹیوں کی بہترین پرورش کرتے ہوئے ان کے حقوق ادا کرے اور ان کے نکاح کا فریضہ بحسن وخوبی سر انجام دے۔

بحیثیتِ ماں، عورت کی فضیلت:

اسلام نے عورت کو ماں کے روپ میں جو مقام و مرتبہ عطا کیا وہ کسی سے ڈھکا چھپا نہیں، قرآن مجید و احادیثِ مبارکہ میں جس تقدس و احترام سے ماں کا تذکرہ کیا گیا ہے اس کی نظیر دیگر مذاہب میں نہیں ملتی، قرآن مجید نے ماں کو ایک مقدس ہستی، سایۂ رحمت، قابل تعظیم و تکریم اور جنت کے حصول کی سیڑھی قرار دیا، بلاشبہ یہی مقام سب سے زیادہ مقدم ہے۔ قرآن مجید میں والدین کے ساتھ حسن سلوک کی خصوصی تاکید کی گئی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''وَوَصَّيْنَا الْإِنسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهًا وَوَضَعَتْهُ كُرْهًا وَحَمْلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا حَتَّىٰ إِذَا بَلَغَ أَشُدَّهُ وَبَلَغَ أَرْبَعِينَ سَنَةً قَالَ رَبِّ أَوْزِعْنِي أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِي أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلَىٰ وَالِدَيَّ وَأَنْ أَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَاهُ وَأَصْلِحْ لِي فِي ذُرِّيَّتِي إِنِّي تُبْتُ إِلَيْكَ وَإِنِّي مِنَ الْمُسْلِمِينَ''[19]

ترجمہ: ''اور ہم نے حکم دیا ہے انسان کو کہ اپنے والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرے (اپنے شکم میں) اٹھائے رکھا اس کو اس کی ماں نے بڑی مشقت سے اور جنا اس کو بڑی تکلیف سے اور اس کے حمل اور اس کے دودھ چھڑانے تک تیس مہینے لگ گئے یہاں تک کہ جب وہ اپنی پوری قوت کو پہنچا اور چالیس برس کا ہو گیا تو اس نے عرض کی اے میرے رب! مجھے والہانہ توفیق عطا فرما کہ میں شکر ادا کرتا رہوں تیری اس نعمت کا جو تو نے مجھ پر اور میرے والدین پر فرمائی اور میں ایسے نیک کام کروں جن کو تو پسند فرمائے اور صلاح (و رشد) کو میرے لئے میری اولاد میں راسخ فرما دے بے شک میں توبہ کرتا ہوں تیری جناب میں اور میں تیرے حکم کے سامنے سر جھکانے والوں میں سے ہوں''۔

مندرجہ بالا آیت مبارکہ میں ماں اور باپ دونوں کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دینے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ماں کی مشقت کا ذکر کیا، اس میں حکمت یہ ہے کہ حمل کے زمانے کی تکالیف کے ساتھ ساتھ وضع حمل کی تکلیف بھی صرف ماں کو برداشت کرنی پڑتی ہے اس لئے ماں حسن سلوک کی زیادہ مستحق قرار پائی۔ وضع حمل کے بعد بھی ماں بچے کو دو سال تک دودھ پلاتی ہے اور بچے کی تعلیم و تربیت پر بھی خصوصی توجہ دیتی ہے۔

اللہ رب العزت نے ماں باپ کے ساتھ عزت واحترام سے پیش آنے کی تاکید فرمائی اوران کے ساتھ بدکلامی کے بجائے نرمی اور شائستگی سے گفتگو کرنے کی تلقین فرمائی،اس بات کا حکم دیتے ہوئے اللہ تبارک وتعالی نے ارشاد فرمایا:

''وَقَضَى رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا إِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلَاهُمَا فَلَا تَقُلْ لَهُمَا أُفٍّ وَلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا''[20]

ترجمہ: ''اور حکم فرمایا آپ کے رب نے کہ نہ عبادت کرو بجز اس کے اور ماں باپ کے ساتھ اچھاسلوک کرو اگر بڑھاپے کو پہنچ جائے تیری زندگی میں ان دونوں میں سے کوئی ایک یا دونوں تو انہیں اف تک مت کہو اور انہیں مت جھڑکو اور جب ان سے بات کرو تو بڑی تعظیم سے بات کرو''۔

مندرجہ بالا آیتِ مبارکہ میں مسلمانوں کو تاکید کی جارہی ہے کہ وہ صرف اللہ کی عبادت کریں اوروالدین کی اطاعت وفرماں برداری میں ذرابرابر بھی کمی نہ آنے دیں۔خاص طور پر بڑھاپے میں والدین کے ادب واحترام کی زیادہ تاکید کی گئی ہے یہاں تک کہ ان کے سامنے اف تک کہنے سے بھی منع کیا گیا۔کوئی ایسا فعل جو ان کے لیے باعث تکلیف ہو اسے کرنے سے منع کیا گیا اوران کے ساتھ نرمی اور شائستگی سے گفتگو کرنے کی تلقین کی گئی۔

احادیثِ مبارکہ میں بھی والدین کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کی گئی ہے۔

''سَمِعْتُ أَبَا عَمْرٍو الشَّيْبَانِيَّ،يَقُولُ:أَخْبَرَنَا صَاحِبُ هَذِهِ الدَّارِ،وَأَوْمَأَ بِيَدِهِ إِلَى دَارِ عَبْدِ اللَّهِ،قَالَ:سَأَلْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:أَيُّ العَمَلِ أَحَبُّ إِلَى اللَّهِ؟ قَالَ:الصَّلاَةُ عَلَى وَقْتِهَا قَالَ:ثُمَّ أَيٌّ؟ قَالَ:بِرُّ الوَالِدَيْنِ قَالَ:ثُمَّ أَيٌّ؟ قَالَ:الجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ قَالَ:حَدَّثَنِي بِهِنَّ،وَلَوِ اسْتَزَدْتُهُ لَزَادَنِي ''[21]

ترجمہ: ابو عمرو شیبانی کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ مجھے اس گھر والے نے خبر دی انھوں نے عبداللہ بن مسعود کے گھر کی طرف اشارہ کیا۔انہوں نے فرمایا کہ میں نے نبی ﷺ سے دریافت کیا اللہ تعالیٰ کے نزدیک کونسا عمل زیادہ پسندیدہ ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا وقت پر نماز پڑھنا انہوں نے پوچھا پھر کون سا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ماں باپ کے ساتھ اچھاسلوک کرنا۔انہوں نے پوچھا پھر کون سا؟ آپ

ﷺ نے فرمایا اللہ کی راہ میں جہاد کرنا ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے اتنی باتیں بتلائیں اگر میں اور سوال کرتا تو آپ ﷺ اور زیادہ باتیں بتلاتے۔

اس کے ساتھ ساتھ ماں کی نافرمانی کو بھی حرام قرار دیا گیا، جس کا ثبوت ہمیں درج ذیل حدیث مبارکہ سے ملتا ہے:

"عَنِ المُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِنَّ اللَّهَ حَرَّمَ عَلَيْكُمْ عُقُوقَ الأُمَّهَاتِ، وَمَنْعًا وَهَاتِ، وَوَأْدَ البَنَاتِ، وَكَرِهَ لَكُمْ: قِيلَ وَقَالَ، وَكَثْرَةَ السُّؤَالِ، وَإِضَاعَةَ المَالِ" 22

ترجمہ: مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں: نبی کریم ﷺ نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ نے تم پر حرام کیا ہے ماؤں کی نافرمانی اور کسی چیز کو دینے سے روکنا اور کسی چیز کو مانگنا، بیٹیوں کو زندہ گاڑنا بھی حرام کر دیا گیا ہے اور قیل و قال (یعنی فضول بحث کرنا) اور کثرت سے سوال کرنا اور مال کا ضیاع بھی تمہارے لیے ناپسندیدہ قرار دیا گیا ہے۔

حدیث مبارکہ میں ماں کو حسن سلوک کا سب سے زیادہ مستحق قرار دیا گیا۔

"عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: يَارَسُولَ اللَّهِ، مَنْ أَحَقُّ النَّاسِ بِحُسْنِ صَحَابَتِي؟ قَالَ: أُمُّكَ قَالَ: ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ: ثُمَّ أُمُّكَ قَالَ: ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ: ثُمَّ أُمُّكَ قَالَ: ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ: ثُمَّ أَبُوكَ " 23

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ ایک شخص حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کی اے اللہ کے رسول ﷺ میرے حسن سلوک کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا تمہاری ماں، اس نے پوچھا پھر کون؟ آپ ﷺ نے فرمایا، تمہاری ماں، اس نے پھر پوچھا پھر کون؟ آپ ﷺ نے فرمایا تمہاری ماں، اس نے پھر پوچھا، پھر کون؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا تمہارا باپ۔

مندرجہ بالا حدیث مبارکہ میں آپ ﷺ نے اس بات کی نشاندہی فرمائی کہ حسن معاملہ کا سب سے زیادہ حقدار کون ہے، یوں دینِ اسلام میں ماں کو جو معتبر مقام دیا گیا ہے کسی دوسرے مذہب میں اس کی عظمت کا تصور ممکن ہی نہیں۔

اسلام میں عورت بحیثیت بیوی:

اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن مجید میں شوہر اور بیوی کو ایک دوسرے کا "لباس" قرار دے کر بیوی کے مقام ومرتبہ کو بلند کر دیا اور دونوں کو ایک دوسرے کے لئے ناگزیر بتایا کیونکہ جس طرح لباس اور جسم کے درمیان کوئی پردہ حائل نہیں ہوتا بالکل اسی طرح میاں بیوی کا آپس کا تعلق ہے کہ جس کے درمیان کوئی حجاب نہیں، جس طرح لباس سے انسان کو بیرونی اثرات سے تحفظ ملتا ہے بلکل اسی طرح زوجین بھی ایک دوسرے کے لئے باعث راحت وتسکین اور نامناسب حالات میں ایک دوسرے کے محافظ ہیں۔ دونوں ایک دوسرے کی خامیوں کو چھپا کر خوبیوں کو سراہتے ہیں اور دونوں مل کر حالات کے نشیب وفراز سے ڈٹ کر مقابلہ کرتے ہیں۔ زندگی کی دھوپ چھاؤں میں اگر کوئی پریشانی آجائے تو ایک دوسرے کی ہمت بندھا کر آگے بڑھتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ"[24]

ترجمہ: "اور اس کی (قدرت کی) ایک نشانی یہ ہے کہ اس نے پیدا فرمائیں تمہارے لیے تمھاری جنس سے بیویاں تاکہ تم سکون حاصل کرو ان سے اور پیدا فرمادیئے تمہارے درمیان محبت اور رحمت (کے جذبات) بے شک اس میں بہت نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو غور وفکر کرتے ہیں"۔

اسی طرح اللہ تبارک وتعالیٰ نے بیویوں کے ساتھ بھلائی اور احسن طریقے سے پیش آنے کا حکم دیا ہے۔ سورۃ نساء میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَرِثُوا النِّسَاءَ كَرْهًا وَلَا تَعْضُلُوهُنَّ لِتَذْهَبُوا بِبَعْضِ مَا آتَيْتُمُوهُنَّ إِلَّا أَنْ يَأْتِينَ بِفَاحِشَةٍ مُبَيِّنَةٍ وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ فَإِنْ كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَى أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَيَجْعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا"[25]

ترجمہ: ”اے ایمان والو تمہیں حلال نہیں کہ عورتوں کے وارث بن جاؤ زبردستی اور عورتوں کو روکو نہیں اس نیت سے کہ جو مہر ان کو دیا تھا اس میں سے کچھ لے لو، مگر اس صورت میں کہ صریح بے حیائی کا کام کریں اور ان سے اچھا برتاؤ کرو، پھر اگر وہ تمہیں پسند نہ آئیں، تو قریب ہے کہ کوئی چیز تمہیں ناپسند ہو اور اللہ اس میں بہت بھلائی رکھے“۔

رشتہ ازدواج قائم کرتے وقت عمومی طور پر عورت کے ظاہری حسن وجمال یا اس کے مال ودولت کو دیکھا جاتا ہے لیکن جن کے دلوں کو اللہ رب العزت نے ایمان کے نور سے منور فرمایا ہے ان کی نظر عورت کے باطنی محاسن پر ہوتی ہے کیونکہ مندرجہ بالا آیت مبارکہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس بات کی نشاندہی فرمادی کہ ہوسکتا ہے تمہیں بعض عادات واطوار سے اختلاف ہو لیکن اللہ رب العزت نے اسی میں تمہارے لیے بھلائی رکھ دی ہو۔ اس حوالے سے پیر محمد کرم شاہ الازہری فرماتے ہیں:

”خوابوں کی دنیا اور حقائق کی دنیا میں بہت بڑا فرق ہے اگر تمہاری رفیقہ حیات کا معیارِ جمال اتنا اونچا نہیں جس کا تم تصور کئے ہوئے تھے یا اس کے اطوار واخلاق اتنے مثالی نہیں جن کے تم متمنی تھے تو دل برداشتہ ہو کر ازدواج کے اس رشتہ کو توڑ نہ دو بلکہ ان کوتاہیوں اور خامیوں پر صبر کرو اللہ تعالیٰ کے کرم سے بعید نہیں کہ تمہیں اس بیوی سے ایسی نجیب وسعید اولاد عطا فرمادے جو تمہارے نام کو روشن کردے یا جب زندگی کا کارواں آزمائش وابتلاء کی سنگلاخ وادی میں قدم رکھے تو تمہاری یہ بیوی تمہارے عزم وحوصلہ کو بلند رکھنے میں اس گلِ رعنا سے زیادہ مفید ثابت ہو جس کی بوئے وفا اور رنگِ صفا کو بادِ سموم کا ایک ہی جھونکا مرجھا کر رکھ دے۔ انسانی حسن وجمال کا آئینہ صرف نگاہ ہی تو نہیں اس کے علاوہ اور بھی کئی آئینے ہیں۔“[26]

اللہ تعالیٰ کو یہ گوارا نہیں کہ فریقین میں سے کوئی فریق بھی دوسرے کی حق تلفی کرے یا شوہر اپنی بیوی کو اپنی مرضی سے اپنے اوپر حرام کرے یا اسے گالی گلوچ کرے۔ درج ذیل آیت مبارکہ میں اس بات کی شدید مذمت کی جارہی ہے کہ کوئی شخص اپنی بیوی کو ماں کہے اور ساتھ ساتھ اس کی سزا بھی بیان کی جارہی ہے۔ ارشادِ باری تعالی ہے:

”وَالَّذِينَ يُظَاهِرُونَ مِن نِّسَائِهِمْ ثُمَّ يَعُودُونَ لِمَا قَالُوا فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مِّن قَبْلِ أَن يَتَمَاسَّا ذَٰلِكُمْ تُوعَظُونَ بِهِ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ“[27]

ترجمہ: ”جو لوگ ظِہار کر بیٹھیں اپنی عورتوں سے پھر وہ پلٹنا چاہیں اس بات سے

جو انہوں نے کہی تو(خاوند) غلام آزاد کرے اس سے قبل کہ وہ ایک دوسرے کو
ہاتھ لگائیں۔ یہ ہے جس کا تمہیں حکم دیا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ جو تم کر رہے ہو
(اس سے) آگاہ ہے"۔

مندرجہ بالا آیت مبارکہ میں اس بیہودہ حرکت سے منع کیا جارہا ہے کیونکہ اس سے ماں کے عظیم رشتے کا تقدس واحترام مجروح ہوتا ہے۔

حدیث مبارکہ میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"تُنْكَحُ المَرْأَةُ لِأَرْبَعٍ: لِمَالِهَا وَلِحَسَــبِهَا وَجَمَالِهَا وَلِدِينِهَا،فَاظْفَرِبِذَاتِ الدِّينِ، تَرِبَتْ يَدَاكَ" [28]

ترجمہ: عورت سے چار خصوصیات کی بناء پر نکاح کیا جاتا ہے: اس کے مال کی وجہ سے یا اس کے حسب و نسب کی وجہ سے یا اس کی خوبصورتی کی وجہ سے یا اس کی دینداری کی وجہ سے تو تم دیندار عورت کو اختیار کرو ورنہ تمہارے ہاتھوں کو مٹی لگے گی (یعنی بعد میں تمہیں ندامت و شرمندگی ہوگی)۔

یہ قرآن کریم کا اعجاز ہے کہ اس کی برکتوں کی بدولت مرد کو قوام بنایا گیا جو عورت کی حفاظت و نگہبانی کرتا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ وَبِمَا أَنْفَقُوا مِنْ أَمْوَالِهِمْ" [29]

ترجمہ: "مرد محافظ و نگران ہیں عورتوں پر اس وجہ سے کہ فضیلت دی ہے اللہ تعالیٰ نے مردوں کو عورتوں پر اور اس وجہ سے کہ مرد خرچ کرتے ہیں اپنے مالوں سے (عورتوں کی ضرورت و آرام کیلئے)"۔

اس آیت مبارکہ میں لفظ قوّام سے متعلق پیر محمد کرم شاہ الازہری لکھتے ہیں:

"کسی چیز کی ضروریات کو مہیا کرنے والے، اس کی نگہبانی اور حفاظت کرنے والے اور اس کی اصلاح و درستگی کے ذمہ دار کو عربی میں قوام کہا جاتا ہے جیسے ہر فوج کا ایک کمانڈر اور ہر مملکت کا ایک فرماں روا ہونا ضروری ہے جو نظام قائم رکھے اور فوج اور رعایا اس کے حکم کی تعمیل کرے، اسی طرح گھر کی ریاست کا بھی ایک حاکم اعلیٰ ہونا چاہئے

جو گھر کی تمام ضروریات کا کفیل اور اس کی خوشحالی کا ذمہ دار ہو اور اس کے احکام کی اطاعت کی جائے ورنہ گھر کی یہ مختصر مگر اہم ریاست کا سکون و اطمینان برباد ہو کر رہ جائے گا۔"[30]

لہٰذا دیکھنا یہ ہے کہ (مرد و عورت) دونوں میں سے اس بار گراں کو اٹھانے کی صلاحیت کون رکھتا ہے۔ بلاشبہ مرد اپنی جسمانی طاقت و توانائی اور "**و بما انفقوا من اموالھم**" کے باعث ذمہ داری کو اٹھانے کی زیادہ اہلیت رکھتا ہے۔ یہاں اس سے قطعاً یہ نقطہ اخذ نہ کیا جائے کہ عورت مرد کی غلام ہے بلکہ عورت کے اپنے حقوق ہیں جو اللہ رب العزت نے مرد کے ذمہ رکھے ہیں، یہ تو اللہ تعالیٰ نے عورت پر احسان فرمایا کہ عورت کی حفاظت، اس کی نگرانی اور اس کی کفالت مرد کے ذمہ لگا کر اسے ذہنی و جسمانی طور پر معاشی بوجھ سے آزاد کر دیا اور اسے انتظامی امور سے دستبردار کر دیا اگر دونوں کو گھر کا سرپرستِ اعلیٰ یا ناظمِ اعلیٰ بنا دیا جاتا تو ہر ایک اپنی سرپرستی و ناظمیت ثابت کرنے کے لیے اپنی بات منوانے کی ضد میں لگا رہتا اور یوں گھر کا امن و سکون تباہ ہو جاتا، لہٰذا یہ قدرت کے قانون کی ترتیب و تنظیم کے خلاف ہے کہ ہر ایک کو سرپرستی کا اختیار دے دیا جائے۔

عورت بحیثیتِ بیوہ:

اللہ رب العزت نے عورت کو بحیثیتِ بیوہ بھی بہت محترم قرار دیا اور اسے حقوق سے نوازا، اسے معاشرے میں باعزت زندگی گزارنے کا حق دیا، یہاں تک کہ شوہر کے ذمے لگا دیا کہ وہ اپنی وفات سے قبل بیوی کی رہائش، نان و نفقہ کا بندوبست کر جائے تاکہ عورت کو دورانِ عدت کسی قسم کی پریشانی نہ ہو۔ سورۃ بقرہ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا وَصِيَّةً لِّأَزْوَاجِهِم مَّتَاعًا إِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ إِخْرَاجٍ فَإِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِي مَا فَعَلْنَ فِي أَنفُسِهِنَّ مِن مَّعْرُوفٍ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ"[31]

ترجمہ: "جو لوگ فوت ہو جاتے ہیں تم میں سے اور چھوڑ جاتے ہیں بیویاں (انہیں چاہیئے کہ) وصیت کر جایا کریں اپنی بیویوں کے لیے کہ انہیں خرچ دیا جائے ایک سال تک (اور) نہ نکالا جائے (انہیں گھر سے) پھر اگر وہ خود چلی جائیں تو کوئی گناہ نہیں تم پر جو کچھ وہ کریں اپنے معاملے میں مناسب طور پر اور اللہ تعالیٰ بہت زبردست بڑا دانا ہے"۔

مندرجہ بالا تمام سہولیات کی فراہمی کے ساتھ ساتھ بیوہ کو اس بات کا بھی مکمل اختیار دیا گیا ہے کہ وہ اپنے

مستقبل کی زندگی کو بہتر بنانے کے لئے جو بھی لائحہ عمل تشکیل دے اس پر اعتراض نہیں کیا جاسکتا اور نہ ہی اسے دوسری شادی سے روکا جاسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

''وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا فَعَلْنَ فِي أَنفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ''[32]

ترجمہ: ''اور جو لوگ فوت ہو جائیں تم میں سے اور چھوڑ جائیں بیویاں تو وہ بیویاں انتظار کریں چار مہینے اور دس دن اور جب پہنچ جائیں اپنی (اس) مدت کو تو گناہ نہیں تم پر اس میں جو کریں وہ اپنی ذات کے بارے میں مناسب طریقہ سے اور اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کرتے ہو خوب واقف ہے''۔

مندرجہ بالا آیات مبارکہ میں یہ بات کھل کر سامنے آرہی ہے کہ بیوہ کا مقام و مرتبہ کس قدر بلند ہے کہ اسے باعزت اور پروقار انداز میں اپنی عدت گزارنے کی تلقین کی جارہی ہے اور اسے اس بات کا بھی اختیار دیا جارہا ہے کہ اگر اسے نکاح کا پیغام دیا جائے تو یہ اس کی مرضی پر منحصر ہے کہ وہ اسے قبول کرے یا نہ کرے۔

حدیث مبارکہ میں اس شخص کی فضیلت بیان کی گئی ہے جو بیوہ کا خیال رکھے حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: السَّاعِي عَلَى الْأَرْمَلَةِ وَالْمِسْكِينِ كَالْمُجَاهِدِ فِي سَبِيلِ اللهِ وَأَحْسِبُهُ قَالَ وَكَالْقَائِمِ لَا يَفْتُرُ، وَكَالصَّائِمِ لَا يُفْطِرُ'' [33]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا بیوہ اور مسکین کے لیے کوشش کرنے والا اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے والے کی مانند ہے اور میں یہ گمان کرتا ہوں کہ آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا وہ نماز میں اس قیام کرنے والے کی مانند ہے جو تھکتا نہ ہو اور اس روزے دار کی مانند ہے جو افطار نہ کرے (یعنی مسلسل روزے رکھتا ہے)۔

اسلام نے عورت کو بحیثیت بیوہ بہت معتبر مقام دیا ہے لیکن آج بھی تعلیمی شرح کم ہونے کی وجہ سے بیوہ کو وہ مقام نہیں دیا جاتا جس کی وہ مستحق ہے بلکہ اسے دکھ و مصیبت کی علامت سمجھا جاتا ہے۔

عورت بحیثیتِ مطلقہ:

اسلام سے قبل زمانۂ جاہلیت میں عورت پر جو مظالم کے پہاڑ ڈھائے جاتے تھے ان میں سے ایک ظلم یہ بھی تھا کہ مرد عورت کو جتنی دفعہ چاہتا طلاق دیتا اور ہر بار عدت گزرنے سے قبل رجوع کر لیتا، لیکن دینِ اسلام نے طلاق کا ایک منظم نظام قائم کیا اور طلاق کو حلال امور میں ناپسندیدہ ترین فعل قرار دیا، دینِ اسلام چاہتا ہے کہ فریقین اپنی ازدواجی زندگی کو خوشی خوشی بسر کریں اور ساتھ نبھانے کی ہر ممکن کوشش کریں لیکن اگر بعض اسباب کی بنا پر ازدواجی زندگی گزارنا مشکل ہو جائے تو احسن طریقے سے علیحدگی اختیار کر لی جائے۔

مطلقہ عورت کے متعلق اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

"وَلِلْمُطَلَّقَاتِ مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ" [34]

ترجمہ: "اور (اسی طرح) جن کو طلاق دی گئی ان کو خرچ دینا چاہیئے مناسب طور پر یہ واجب ہے پرہیز گاروں پر"۔

شریعتِ مطہرہ نے مطلقہ عورت کی بھی عدت متعین کی ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ عورت حاملہ تو نہیں اور چونکہ عدت کے دوران شوہر کے حسب و نسب کی حفاظت کا اہتمام ملحوظ ہوتا ہے اسی لئے دورانِ عدت عورت کے تمام اخراجات کی ذمہ داری شوہر کو سونپی گئی۔

حدیث مبارکہ میں طلاق کی مذمت سے متعلق آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"مَاأَحَلَّ اللّٰهُ شَيْئًاأَبْغَضَ إِلَيْهِ مِنَ الطَّلَاقِ" [35]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے نزدیک جائز امور میں طلاق سے بڑھ کر ناپسندیدہ کوئی چیز نہیں ہے۔

اسلام نے عہدِ جاہلیت کی اس ظالمانہ روش کا خاتمہ کیا اور طلاقوں کی حد مقرر کر دی، اسلام کسی صورت یہ گوارا نہیں کرتا کہ مرد عورت کو بار بار طلاق دے کر رجوع کرتا رہے، لہٰذا تین طلاقوں کی حد متعین کی گئی، مرد صرف پہلی اور دوسری طلاق کے بعد ہی رجوع کر سکتا ہے لیکن اگر بیک وقت تین طلاقیں دے دی گئیں تو پھر رجوع کا اختیار باقی نہیں رہتا اور عورت اپنی عدت مکمل کرنے کے بعد نئی زندگی کا آغاز کر سکتی ہے۔

فصل دوم

اسلام میں عورت کے معاشرتی حقوق

اللہ تبارک وتعالی نے اپنا آخری صحیفۂ آسمانی قرآن مجید حضور اکرم ﷺ پر نازل فرمایا اور تمام انسانوں کے لیے تاقیامت ہدایت کا مستند اور ناقابل تحریف ذریعہ بنادیا۔ اس صحیفۂ ہدایت کے تمام احکامات فطرت انسانی کے عین مطابق اور حکمت سے لبریز ہیں۔ قرآن مجید کے تمام احکامات میں مردوں کے ساتھ ساتھ عورتوں کو بھی یکساں طور پر مخاطب کیا گیا ہے۔ عورت کو بحیثیت صنف نازک بہت محترم اور امتیازی مقام دیا گیا ہے۔ یہ اللہ رب العزت کا عورت پر احسان اور کرم ہے کہ اسے معاشرے میں معزز مقام عطا فرما کر اسے جینے کا حق دیا ورنہ عہدِ جاہلیت میں اسے زندہ درگور کر دیا جاتا تھا۔ قرآن مجید کے نزول سے عورتوں کی معاشرتی حیثیت مستحکم ہوگئی اور اسے حقوق عطا ہوئے۔ قرآن مجید کی مختلف سورتوں میں عورت سے متعلق تمام احکامات کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ مثلاً سورۃ نساء، سورۃ بقرہ، سورۃ آل عمران، سورۃ احقاف، سورۃ لقمان، سورۃ احزاب، سورۃ نور، سورۃ مائدہ، سورۃ ممتحنہ، سورۃ طلاق، سورۃ اعراف وغیرہ۔ ان سورتوں میں جس طرح عورتوں سے متعلق ہدایات دی گئی ہیں ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ دینِ اسلام میں عورت کا مقام کس قدر بلند و معزز ہے۔ دینِ اسلام نے عورت کو جو معاشرتی حقوق عطا کئے ان کا تذکرہ درج ذیل ہے:

زندہ رہنے کا حق:

سب سے پہلا معاشرتی حق جس سے عورت کو نوازا گیا ہے وہ جینے کا حق ہے۔ دینِ اسلام نے عورت کو زندہ رہنے کا حق دیا کیونکہ اس سے قبل بچیوں کو زندہ درگور کرنا معمولی فعل سمجھا جاتا تھا۔ اسلام نے اس شقاوت اور سنگدلی کا خاتمہ کرتے ہوئے قتلِ عورت کو گناہ کبیرہ قرار دیا۔ سورہ انعام میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"قُلْ تَعَالَوْا أَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ أَلَّا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ مِنْ إِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَإِيَّاهُمْ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ ذَلِكُمْ وَصَّاكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ" [36]

ترجمہ: "آپ فرمائیے! آؤ میں پڑھ کر سناؤں جو کچھ حرام کیا ہے تمہارے رب

نے تم پر (وہ یہ) کہ نہ شریک بناؤ اس کے ساتھ کسی چیز کو اور ماں باپ کے ساتھ احسان کرو اور نہ قتل کرو اپنی اولاد کو مفلسی (کے خوف) سے، ہم رزق دیتے ہیں تمہیں بھی اور انہیں بھی اور مت نزدیک جاؤ بے حیائی کی باتوں کے جو ظاہر ہوں ان سے اور جو چھپی ہوئی ہوں اور نہ قتل کرو اس جان کو جسے حرام کر دیا ہے اللہ نے سوائے حق کے یہ ہیں وہ باتیں حکم دیا ہے تمہیں اللہ نے جن کا تا کہ تم (حقیقت کو) سمجھو۔"

اللہ تبارک وتعالیٰ نے غربت وافلاس کے خوف سے اولاد کو قتل کرنے سے منع فرمایا کیونکہ رزق دینا اسی کے ذمہ ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا كُلٌّ فِي كِتَابٍ مُبِينٍ"[37]

ترجمہ: "اور نہیں کوئی جاندار زمین میں مگر اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے اس کا رزق وہ جانتا ہے اس کے ٹھہرنے کی جگہ کو اور اس کے امانت رکھنے کی جگہ کو۔ ہر چیز روشن کتاب میں (لکھی ہوئی) ہے۔"

لہٰذا رزق دینا رب کریم کے ذمہ ہے اور یہ بھی اسی کے اختیار میں ہے کہ جس کو چاہے بیٹوں سے نوازے اور جس کو چاہے بیٹیاں عطا فرمائے۔ سورۃ الشوریٰ میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

"لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ يَهَبُ لِمَنْ يَشَاءُ إِنَاثًا وَيَهَبُ لِمَنْ يَشَاءُ الذُّكُورَ" [38]

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے آسمانوں اور زمین کی سلطنت، پیدا کرتا ہے جو چاہے جسے چاہے بیٹیاں عطا فرمائے اور جسے چاہے بیٹے دے۔"

دینِ اسلام نے عورت کی جان کو اتنا ہی قیمتی قرار دیا جتنا مرد کی جان کو، لہٰذا اگر کوئی کسی معصوم و بے گناہ عورت کا قتل کرتا ہے تو عورت کو بھی اسی طرح حق قصاص دیا گیا ہے جس طرح مرد کو دیا گیا ہے کیونکہ مرد کی طرح عورت کی جان بھی بہت محترم ہے۔ مندرجہ بالا تمام حوالہ جات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ دینِ اسلام نے عورت کو عزت وشرف سے نوازتے ہوئے اسے حقِ زندگی عطا کیا اور عہدِ جاہلیت کی قبیح رسم کا قلع قمع کر دیا۔

پرورش کا حق:

ہر نومولود بچے اور بچی کا یہ قانونی اوراخلاقی حق ہے کہ ان کی پرورش کرتے ہوئے انہیں زندگی کی تمام بنیادی سہولیات فراہم کی جائیں، ان کی دیکھ بھال، تربیت، کھانا پینا اور رہائش کا مکمل بندوبست کیا جائے، دینِ اسلام نے لڑکے اور لڑکی کی پرورش میں کیے جانے والے فرق کو انتہائی ناپسندیدہ قرار دیا ہے، دینِ اسلام اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ لڑکی کی بھی اسی طرح خوش دلی، محبت اور توجہ سے پرورش کی جائے جس طرح لڑکے کی، کی جاتی ہے، یہی نہیں بلکہ لڑکی کی پرورش کو باعث فضیلت وثواب قرار دیا گیا ہے۔

حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''مَنْ كَانَتْ لَهُ ابْنَةٌ فَأَدَّبَهَا فَأَحْسَنَ أَدَبَهَا، وَعَلَّمَهَا فَأَحْسَنَ تَعْلِيمَهَا، وَأَوْسَعَ عَلَيْهَا مِنْ نِعَمِ اللهِ الَّتِي أَسْبَغَ عَلَيْهِ، كَانَتْ لَهُ مَنَعَةً وَسُتْرَةً مِنَ النَّارِ'' 39

ترجمہ: جس شخص کی ایک بیٹی ہو اور وہ اس کو اچھا ادب سکھائے اور اس کو اچھی تعلیم دے اور جو نعمتیں اللہ تعالیٰ نے اسے عطا فرمائی ہیں اس پر ان کی وسعت (خرچ) کرے تو وہ اس کے لیے دوزخ کی آگ سے حجاب (رکاوٹ) ہو گی۔

مندرجہ بالا حدیث مبارکہ میں اس شخص کو جنت کی نوید سنائی گئی ہے جو لڑکیوں کی پرورش کرتا ہے اور ان کے حقوق کی مکمل ادائیگی کرتا ہے۔

دودھ پینے کا حق:

دینِ اسلام نے جہاں عورت کو دوسرے بنیادی حقوق عطا فرمائے ہیں وہیں اس بات کا بھی حکم دیا کہ بچی کو پیدائش کے بعد ابتدائی دو سالوں میں دودھ پلایا جائے تا کہ اس کی بہتر جسمانی نشوونما ہو سکے۔

سورۃ البقرہ میں اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

''وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ أَرَادَ أَنْ يُتِمَّ الرَّضَاعَةَ وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ إِلَّا وُسْعَهَا لَا تُضَارَّ وَالِدَةٌ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُودٌ لَهُ بِوَلَدِهِ وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذَلِكَ فَإِنْ أَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا وَإِنْ أَرَدْتُمْ أَنْ تَسْتَرْضِعُوا أَوْلَادَكُمْ فَلَا

جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِذَا سَلَّمْتُمْ مَا آتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ''[40]

ترجمہ: ''اور مائیں دودھ پلائیں اپنی اولاد کو پورے دو سال (یہ مدّت) اس کے لیے ہے جو پورا کرنا چاہتا ہے دودھ کی مدّت اور جس کا بچہ ہے اس کے ذمہ ہے کھانا، ان ماؤں کا اور ان کا لباس مناسب طریقے سے تکلیف نہیں دی جاتی کسی شخص کو مگر اس کی حیثیت کے مطابق نہ ضرر پہنچایا جائے کسی ماں کو اس کے لڑکے کے باعث اور نہ کسی باپ کو (ضرر پہنچایا جائے) اس کے لڑکے کے باعث اور وارث پر بھی اس قسم کی ذمہ داری ہے پس اگر دونوں ارادہ کرلیں دودھ چھڑانے کا اپنی مرضی اور مشورہ سے تو کوئی گناہ نہیں دونوں پر اور اگر تم چاہو کہ دودھ پلواؤ (دایہ سے) اپنی اولاد کو پھر کوئی گناہ نہیں تم پر جبکہ تم ارادہ کرلو جو دینا ٹھہرایا تھا تم نے مناسب طریقے سے اور ڈرتے رہو اللہ سے اور (خوب) جان لو کہ یقینا اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کررہے ہو اسے دیکھنے والا ہے۔''

مندرجہ بالا آیت مبارکہ میں لڑکے اور لڑکی کے امتیاز کے بغیر ماں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا گیا کہ دودھ پینا اولاد کا شرعی حق ہے۔

تعلیم کا حق:

معاشرے کی ترقی کا دارومدار اس میں بسنے والوں کی تعلیم پر ہے، معاشرے کا کوئی بھی فرد اگر تعلیم سے بے بہرہ ہو تو وہ زندگی کی تگ ودو میں سب سے پیچھے رہ جاتا ہے یوں وہ روحانی ومادی ترقی دونوں سے محروم ہو جاتا ہے۔ اگر تاریخ پر نظر دوڑائی جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ عورت کو تعلیمی میدان میں بہت پیچھے رکھا گیا اور یہ میدان صرف مردوں کے لیے مخصوص تھا جبکہ عورت جہالت کے اندھیروں میں ڈوبی ہوئی تھی، لیکن اسلام نے تعلیم کے دروازے دونوں کیلئے یکساں کھول دیے اور ان تمام رکاوٹوں کو دور کردیا جو عورت کی تعلیم کے حصول کی راہ میں حائل تھیں، قرآن مجید کی ابتدائی آیات مبارکہ بھی علم کی فضیلت سے متعلق نازل ہوئیں:

''اِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ ۝۳ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝۴ عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝۵''[41]

ترجمہ: ”پڑھیے آپ کا رب بڑا کریم ہے جس نے علم سکھایا قلم کے واسطہ سے، اسی نے سکھایا انسان کو جو وہ نہیں جانتا تھا۔“

تعلیم کے حصول میں مرد و عورت کی کوئی قید نہیں رکھی گئی، اسی طرح احادیثِ مبارکہ میں بھی عورت کے تعلیمی حق کو بیان کیا گیا ہے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”ثَلاثَةٌ لَهُمْ أَجْرَانِ:رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ الكِتَابِ،آمَنَ بِنَبِيِّهِ وَآمَنَ بِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ،وَالعَبْدُ المَمْلُوكُ إِذَاأَدَّى حَقَّ اللَّهِ وَحَقَّ مَوَالِيهِ، وَرَجُلٌ كَانَتْ عِنْدَهُ أَمَةٌ فَأَدَّبَهَافَأَحْسَنَ تَأْدِيبَهَا،وَعَلَّمَهَافَأَحْسَنَ تَعْلِيمَهَا، ثُمَّ أَعْتَقَهَافَتَزَوَّجَهَافَلَهُ أَجْرَانِ“ 42

ترجمہ: تین آدمیوں کے لئے دو اجر ہیں، ایک اہل کتاب میں سے وہ شخص جو اپنے نبی علیہ السلام پر ایمان لایا پھر محمد ﷺ پر ایمان لایا۔ دوسرا وہ غلام جو اللہ تعالیٰ کا حق ادا کرے اور اپنے مالک کا حق ادا کرے۔ اور تیسرا وہ شخص جس کے پاس باندی ہو جس سے وہ مقاربت کرتا ہو اور وہ اس کو اچھے طریقے سے ادب سکھائے اور اچھے طریقے سے اسکی تعلیم و تربیت کا اہتمام کرے پھر اس کو آزاد کر کے اسی سے نکاح کر لے تو اس کے واسطے دو اجر ہیں۔

”مَنْ كَانَتْ لَهُ ابْنَةٌ فَأَدَّبَهَافَأَحْسَنَ أَدَبَهَا،وَعَلَّمَهَافَأَحْسَنَ تَعْلِيمَهَا، وَأَوْسَعَ عَلَيْهَامِنْ نِعَمِ اللهِ الَّتِي أَسْبَغَ عَلَيْهِ،كَانَتْ لَهُ مَنَعَةً وَسُتْرَةً مِنَ النَّارِ“ 43

ترجمہ: جس شخص کی ایک بیٹی ہو اور وہ اس کو اچھا ادب سکھائے اور اس کو اچھی تعلیم دے اور جو نعمتیں اللہ تعالیٰ نے اسے عطا فرمائی ہیں اس پر ان کی وسعت (خرچ) کرے تو وہ اس کے لیے دوزخ کی آگ سے حجاب (رکاوٹ) ہو گی۔

مندرجہ بالا احادیثِ مبارکہ میں اس شخص کو اجر کی نوید سنائی گئی ہے جو اپنی بیٹی کو اچھی تعلیم دیتا ہے وہ تعلیم جو عورت کو ایک اچھی ماں، فرمانبردار بیوی اور والدین کے حکم کے تابع بیٹی بنائے۔

نکاح میں اظہارِ رائے کا حق:

دینِ اسلام سے قبل جس طرح عورت کو دوسرے مسائل و معاملات میں بولنے کا حق نہیں دیا گیا تھا، اسی

طرح شادی بیاہ کے معاملات میں بھی عورت کا اپنی رائے کا اظہار کرنا بہت معیوب سمجھا جاتا تھا۔ جس شخص کے ساتھ اس کا رشتہ طے کر دیا جاتا، وہ انکار نہیں کر سکتی تھی، اگر وہ اپنی رائے کا اظہار کرتی یا سرپرست اعلیٰ اور خاندان کے بزرگوں کے منتخب کردہ رشتہ کو رد کر دیتی تو اسے بد چلنی اور آوارگی کی علامت سمجھا جاتا تھا، لیکن دینِ اسلام نے لڑکی کو نکاح کے معاملے میں اپنی رضامندی واظہار رائے کا حق دیا، دینِ اسلام نے لڑکی کے نکاح کے معاملے میں اس کے ولی اور سرپرست کی رائے کو بہت اہمیت دی ہے لیکن ساتھ ساتھ اس بات کی بھی تلقین کر دی کہ نکاح لڑکی کی اجازت سے ہی ہو گا، چونکہ لڑکی شرم وحیاء کا پیکر ہوتی ہے اس لیے اس کی خاموشی کو اس کی اجازت مانا گیا ہے اس کے ثبوت میں کئی احادیثِ مبارکہ موجود ہیں۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روایت کرتی ہیں:

"أَنَّهَا قَالَتْ: يَارَسُولَ اللَّهِ، إِنَّ الْبِكْرَتَسْتَحِي، قَالَ: رِضَاهَا صَمْتُهَا" 44

ترجمہ: انہوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ کنواری لڑکی تو شرم کرتی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: اس کی خاموشی ہی اس کی رضامندی ہے۔

ایک اور حدیث مبارکہ میں بھی اسی بات کی نشاندہی کی گئی ہے، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنھا بیان کرتی ہیں:

"سَأَلْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْجَارِيَةِ يُنْكِحُهَا أَهْلُهَا، أَتُسْتَأْمَرُ أَمْ لَا؟ فَقَالَ لَهَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: نَعَمْ، تُسْتَأْمَرُ، فَقَالَتْ عَائِشَةُ: فَقُلْتُ لَهُ: فَإِنَّهَا تَسْتَحِي، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: فَذَلِكَ إِذْنُهَا، إِذَا هِيَ سَكَتَتْ" 45

ترجمہ: میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ جب گھر والے لڑکی کا نکاح کریں تو کیا اس سے اجازت لینی چاہیئے یا نہیں؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہاں اجازت لینی چاہیئے، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! اس کو شرم آئے گی! رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس کا سکوت ہی اس کی اجازت ہے۔

اسی طرح بیوہ کی رضامندی سے متعلق بھی احادیثِ مبارکہ میں واضح تعلیمات موجود ہیں:

"عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: الثَّيِّبُ أَحَقُّ

بِنَفْسِهَامِنْ وَلِيِّهَا،وَالْبِكْرُتُسْتَأْمَرُ،وَإِذْنُهَاسُكُوتُهَا ‘‘ 46

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہماروایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:بیوہ اپنے ولی کی بہ نسبت اپنے نفس کی زیادہ حقدار ہے اور کنواری لڑکی سے بھی اجازت لی جائے گی اوراس کی اجازت اس کا سکوت(یعنی خاموشی) ہے۔

مندرجہ بالا احادیثِ مبارکہ سے ثابت ہوتا ہے کہ نکاح میں عورت کی رضامندی لازمی شرط ہے، اگر عورت کی رضامندی کے بغیر نکاح کر دیا گیاتو اسے ختم کیاجاسکتاہے، یہ دینِ اسلام کاعورت پر احسان ہے کہ زندگی کے اتنے بڑے فیصلے میں اس کی رضامندی کو اولین ترجیح دی تاکہ ازدواجی زندگی پر امن و پر سکون طریقے سے گزر سکے۔

عزت وآبرو کا حق:

ہر شخص کی اولین ترجیح ہوتی ہے کہ وہ اپنی عزت وآبرو کی حفاظت کرے۔کسی شخص کو اس بات کی اجازت نہیں دی جاسکتی کہ وہ اس کی عزت وآبرو پر حملہ کرے۔ عورت کی عزت وآبرو قبل از اسلام ہمیشہ خطرے میں رہی، اس پر حملے ہوتے رہے اوروہ اپنی کمزوری کے باعث اس کا دفاع نہ کر سکی لیکن دینِ اسلام نے عورت کی عزت وآبرو کی حفاظت کرتے ہوئے سخت قانونی اقدام اٹھایا کہ اگر کوئی شخص کسی عورت پر بدکاری کی تہمت لگائے تو اسے اسّی(80) کوڑے مارنے کا حکم دیا۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۴﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ۚ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۵﴾“ 47

ترجمہ: ”اور وہ لوگ جو تہمت لگاتے ہیں پاکدامن عورتوں پر پھر نہ پیش کر سکیں چار گواہ تو لگاؤ ان(تہمت لگانے والوں کو)اسّی(۸۰) دُرّے اورنہ قبول کرناان کی کوئی گواہی ہمیشہ کیلئے اوروہی لوگ فاسق ہیں مگر(ان میں سے)وہ لوگ جو توبہ کرلیں ایسا بہتان لگانے کے بعد اوراپنی اصلاح کرلیں تو بے شک اللہ تعالیٰ غفورور حیم ہے۔“

مندرجہ بالا آیاتِ مبارکہ سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام عورت کی عزت وو قار کو کتنی اہمیت دیتا ہے۔ لہٰذا اگر کوئی شخص کسی عورت پر بدکاری کی تہمت لگاتا ہے اور چار گواہ پیش کرنے میں ناکام ہو جاتا ہے تو اسے اسّی (80) کوڑے لگانے کا حکم دیا گیا۔ اس کے ساتھ ساتھ اس کی شہادت بھی قبول نہیں کی جائے گی۔ اسلام میں عورت کی عفت و پاکدامنی پر انگلی اٹھانا اتنا بڑا جرم ہے کہ دو کے بجائے چار گواہوں کی شہادت لازمی قرار دی گئی۔

دینِ اسلام نے عورت کو کمزور سمجھتے ہوئے اس کی عزت و آبرو پر حملہ کرنے والوں کے لیے سزا مقرر کر دی تا کہ وہ دوسروں کے لیے نشانِ عبرت بن جائیں اور دوبارہ ایسی حرکت کی جرات نہ کریں۔

اظہارِ خیال کی آزادی کا حق:

دینِ اسلام نے جہاں عورت کو کئی دوسرے حقوق سے نوازا ان میں سے ایک حق اظہارِ خیال کی آزادی کا بھی عطا فرمایا کہ وہ کسی بھی معاملے میں آزادانہ اپنی رائے کا اظہار کر سکتی ہے۔ اس سلسلے میں درج ذیل روایت ہمارے سامنے آتی ہے:

عَنِ الشَّعْبِيِّ قَالَ: خَطَبَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ النَّاسَ فَحَمِدَ اللهَ تَعَالَى وَأَثْنَى عَلَيْهِ وَقَالَ: أَلَا لَا تُغَالُوا فِي صَدَاقِ النِّسَاءِ، فَإِنَّهُ لَا يَبْلُغُنِي عَنْ أَحَدٍ سَاقَ أَكْثَرَ مِنْ شَيْءٍ سَاقَهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوْ سِيقَ إِلَيْهِ إِلَّا جَعَلْتُ فَضْلَ ذَلِكَ فِي بَيْتِ الْمَالِ ثُمَّ نَزَلَ , فَعَرَضَتْ لَهُ امْرَأَةٌ مِنْ قَرِيبٍ , فَقَالَتْ: يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ أَكِتَابُ اللهِ تَعَالَى أَحَقُّ أَنْ يُتَّبَعَ أَوْ قَوْلُكَ؟ قَالَ: بَلْ كِتَابُ اللهِ تَعَالَى , فَمَا ذَاكَ؟ قَالَتْ: نَهَيْتَ النَّاسَ آنِفًا أَنْ يُغَالُوا فِي صَدَاقِ النِّسَاءِ وَاللهُ تَعَالَى يَقُولُ فِي كِتَابِهِ: {وَآتَيْتُمْ إِحْدَاهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَأْخُذُوا مِنْهُ شَيْئًا} [النساء: 20] , فَقَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: كُلُّ أَحَدٍ أَفْقَهُ مِنْ عُمَرَ مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا , ثُمَّ رَجَعَ إِلَى الْمِنْبَرِ فَقَالَ لِلنَّاسِ: إِنِّي كُنْتُ نَهَيْتُكُمْ أَنْ تُغَالُوا فِي صَدَاقِ النِّسَاءِ أَلَا فَلْيَفْعَلْ رَجُلٌ فِي مَالِهِ مَا بَدَا لَهُ [48]

ترجمہ: شعبی سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خطبہ ارشاد فرمایا پس انہوں نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کی اور فرمایا خبردار عورتوں کے مہر کے معاملے میں غلوّ اور زیادتی نہ کرو۔ مجھے جس کے بارے میں بھی اطلاع ملے گی کہ اس کا مہر رسول اللہ ﷺ کے مہر سے زیادہ باندھا گیا

ہے یا کسی کو اس سے زیادہ مہر دیا گیا ہے تو میں زائد مقدار کو لے کر بیت المال میں جمع کر دوں گا۔ یہ ارشاد فرما کر آپ منبر سے نیچے اترے تو قریش کی ایک عورت سامنے آئی، اس نے کہا اے امیر المؤمنین کیا اللہ کی کتاب اس بات کی زیادہ حقدار ہے کہ اس کی پیروی کی جائے یا آپ کا قول؟ حضرت عمر نے فرمایا بے شک اللہ کی کتاب۔ کیا معاملہ ہے؟ اس نے کہا ابھی آپ نے لوگوں کو منع کیا ہے کہ وہ عورتوں کے مہر میں زیادتی نہ کریں جبکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے کہ اگر تم نے کسی کو زیادہ مال دیا ہے تو (طلاق کے بعد) اس میں سے کچھ نہ لو (النساء:20) یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ہر ایک عمر سے زیادہ جانتا ہے، یہ فقرہ دو مرتبہ یا تین مرتبہ فرمایا۔ اس کے بعد حضرت عمر دوبارہ منبر پر تشریف لائے اور لوگوں سے کہا: میں نے تمہیں عورتوں کا مہر زیادہ باندھنے سے منع کیا تھا اب ہر آدمی کو اختیار رہے کہ وہ اپنے مال میں جو چاہے کرے۔

مندرجہ بالا روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ عورت آزادئ رائے کا حق رکھتی ہے اور یہ حق اسے صرف دینِ اسلام نے عطا فرمایا ہے۔

حقِ مساوات:

قرآن مجید میں اللہ رب العزت نے جابجا مسلمانوں کو مرد اور عورت کے درمیان یکجہتی کی طرف توجہ دلائی ہے تاکہ عورت احساسِ محرومی کا شکار نہ ہو، مرد و عورت کے بغیر نہ تو افزائش نسل ہو سکتی ہے اور نہ ہی معاشرہ ترقی کر سکتا ہے۔ عورت کو مندرجہ ذیل امور میں برابری کا حق دیا گیا ہے:

تخلیق کے اعتبار سے مساوات:

اگر تخلیق کے اعتبار سے دیکھا جائے تو تکوینِ انسانیت میں عورت کو مرد کے ساتھ ایک ہی مرتبہ میں رکھا گیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ'' [49]

ترجمہ: ”اے لوگو! ہم نے پیدا کیا ہے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے اور بنادیا ہے تمہیں مختلف قومیں اور مختلف خاندان تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو تم میں سے زیادہ معزز اللہ کی بارگاہ میں وہ ہے جو تم میں زیادہ متقی ہے بے شک اللہ تعالیٰ علیم (اور) خبیر ہے“۔

اجر کے حصول میں مساوات:

دینِ اسلام کی رو سے مرد و عورت میں سے جو کوئی بھی نیک عمل کرے ان کے اجر میں کوئی فرق روا نہیں رکھا گیا بلکہ اجر کے استحقاق میں دونوں برابر ہیں۔ ایسا نہیں ہے کہ اگر مرد نیک عمل کرے گا تو وہ زیادہ اجر و ثواب کا مستحق ہو گا اور اگر عورت نیک عمل کرے گی تو اسے کم اجر دیا جائے گا بلکہ دونوں کے درمیان مساوات کا نظام قائم کیا گیا۔ سورۃ آل عمران میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

”فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ أَنِّي لَا أُضِيعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنكُم مِّن ذَكَرٍ أَوْ أُنثَىٰ“ [50]

ترجمہ: ”تو قبول فرمالی ان کی التجا ان کے پرودگار نے (اور فرمایا) کہ میں ضائع نہیں کرتا عمل کسی عمل کرنے والے کا تم میں سے خواہ مرد ہو یا عورت۔“

اس آیت مبارکہ میں اس بات کی نشاندہی فرمائی گئی ہے کہ مرد و عورت کے اعمال میں دونوں کو برابر اجر دیا جائے گا۔ مرد و عورت دونوں میں سے جو کوئی دینِ اسلام کی خاطر ہجرت کرے یا اللہ کی راہ میں جہاد کرے یا دینِ اسلام کی اشاعت و تبلیغ میں اسے کوئی تکلیف پہنچے تو ان دونوں کو بغیر کسی صنفی امتیاز کے برابر ثواب دیا جائے گا۔ سورۃ النحل میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّن ذَكَرٍ أَوْ أُنثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهُ حَيَاةً طَيِّبَةً وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَجْرَهُم بِأَحْسَنِ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ“ [51]

ترجمہ: ”جو بھی نیک کام کرے مرد ہو یا عورت بشرطیکہ وہ مومن ہو تو ہم اسے عطا کرینگے ایک پاکیزہ زندگی اور ہم ضرور دینگے انہیں ان کا اجر ان کے اچھے (اور مفید) کاموں کے عوض جو وہ کیا کرتے تھے۔“

جزائے اخروی اور شرعی تکلیف میں مرد وزن کے درمیان مساوات قائم کی گئی۔ دینِ اسلام کی دعوت بھی مساوات کے ساتھ دی گئی اسی لیے خواتین میں سب سے پہلے جس ہستی نے لبیک کہا وہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ

تعالیٰ عنہاہیں اور مردوں میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس شرف کے حصول میں کامیاب ہوئے۔

شرعی حدود اور سزاؤں میں مساوات:

اسلامی نقطہ نظر سے مرد سے کسی جرم کا ارتکاب ہو جانا یا عورت سے کسی گناہ کا سرزد ہو جانا بالکل برابر ہیں۔ جرائم کے ارتکاب میں جو سزائیں مردوں کے لیے تجویز کی گئی ہیں وہی عورتوں کے لیے بھی رکھی گئی ہیں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا جَزَاءً بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِنَ اللهِ وَاللهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ''[52]

ترجمہ: ''اور چوری کرنے والے اور چوری کرنے والی (کی سزا یہ ہے) کہ کاٹو ان کے ہاتھ بدلہ دینے کے لیے جو انہوں نے کیا (اور) عبرتناک سزا اللہ کی طرف سے اور اللہ تعالیٰ غالب ہے حکمت والا ہے۔''

سورۃ نور میں بدکاری کی سزا دونوں کے لیے مقرر کی گئی، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ وَلَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ فِي دِينِ اللهِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَائِفَةٌ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ''[53]

ترجمہ: ''جو عورت بدکار ہو اور جو مرد بدکار ہو تو لگاؤ ہر ایک کو ان دونوں میں سے سو (100) درّے اور نہ آئے تمہیں ان دونوں پر (ذرا) رحم اللہ تعالیٰ کے دین کے معاملے میں اگر تم ایمان رکھتے ہو اللہ پر اور روز آخرت پر اور چاہیئے کہ مشاہدہ کرے دونوں کی سزا کو اہل ایمان کا ایک گروہ۔''

سورۃ نور کی ایک اور آیتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

''وَالَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ فَاجْلِدُوهُمْ ثَمَانِينَ جَلْدَةً وَلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةً أَبَدًا وَأُولَئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ''[54]

ترجمہ: ''اور وہ لوگ جو تہمت لگاتے ہیں پاک دامن عورتوں پر پھر نہ پیش کر سکیں چار گواہ تو لگاؤ ان (تہمت لگانے والوں کو) اسّی (80) درّے اور نہ قبول کرنا ان کی گواہی ہمیشہ کے لیے اور وہی لوگ فاسق ہیں۔''

مندرجہ بالا قرآنی نصوص سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مرد اور عورت کو ایک نطفے سے پیدا فرمایا پھر انکی دو قسمیں بنائیں۔ دینِ اسلام کی رو سے مرد اور عورت اپنی تخلیق کے اعتبار سے، سزا و جزاء کے اعتبار سے، شرعی حدود کے اعتبار سے اور مطلوب اوامر ونواہی کے سبب برابر ہیں لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ مردوں کو گھروں کی صدارت عطا فرمائی گئی ہے، یہ قدرت کا قانون ہے کہ اس نے بعض کو بعض پر فضیلت عطا فرمائی ہے لہٰذا سورۃ نساء آیت نمبر 34 کے تحت اللہ تعالیٰ نے مردوں کو عورتوں کا محافظ و نگران بنایا ہے، کیونکہ روزگار اور مالی اخراجات مرد کے ذمہ ہیں چونکہ خاندان مرد و عورت کے اجتماع کا نام ہے، اس لیے اصولِ زندگی اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ ہر اجتماع میں کسی ایک فرد کی سرپرستی و سربراہی کو قبول کیا جائے، جس میں قائدانہ صلاحیتیں پائی جائیں اور جو نہایت دانشمندی کے ساتھ فیصلہ صادر کرے، خاندانی اجتماع میں قیادت یا تو مرد کریں یا پھر عورتیں۔

''مگر اللہ تعالیٰ ہمیں آگاہ کرتے ہیں کہ مرد کو ہی قائدانہ صلاحیتیں عطا کر کے اسے اس کام کے لیے بنایا اور تیار کیا گیا ہے اور اس لیے بھی کہ مالی اخراجات کی ذمہ داری بھی مرد کو ہی سونپی گئی ہے۔''[55]

اس کا یہ مطلب نہیں کہ مرد اپنی مردانگی کے اعتبار سے عورت سے برتر ہے اور عورت اپنی نسوانیت کے اعتبار سے کم تر ہے بلکہ ایک مہذب معاشرہ اس بات کا مطالبہ کرتا ہے کہ مرد اور عورت کے درمیان عدل اور تکافو قائم رکھا جائے۔

فصل سوئم

اسلام میں عورت کے عائلی حقوق

ایک فرد خاندان کی اور پوراخاندان معاشرے کی اکائی ہے،ایک اچھے اور مہذب معاشرے کے لیے خاندان کا مہذب و منظم ہونا بہت ضروری ہے خاندان کی بنیاد چونکہ مرد اور عورت پر رکھی گئی ہے لہذا جب تک اس چھوٹے سے اجتماع میں مرد و عورت دونوں ایک دوسرے کے حقوق ادانہ کریں ایک منظم معاشرہ وجود میں نہیں آسکتا، اسی لیے دینِ اسلام نے عائلی قوانین مقرر کیے، اسلام سے قبل عورت اپنے عائلی حقوق سے محروم تھی، اسے اپنی مرضی سے نکاح کا حق حاصل نہ تھا،اس کی زبردستی شادی کردی جاتی اور شادی کے بعد اسے مہر سے محروم رکھا جاتا، اسی طرح طلاق کی بھی کوئی حد مقرر نہیں تھی، مرد جتنی دفعہ چاہتا طلاق دے دیتا اور پھر رجوع کرلیتا۔ لیکن دینِ اسلام نے عورت کو سہارا دیتے ہوئے اسکی کھوئی ہوئی ساکھ کو بحال کیا اور اسے معاشرے میں نہایت ہی مؤدب اور محترم مقام دیا، حقوقِ نسواں کے لیے واضح احکامات دیئے تاکہ صنفِ نازک بھی بغیر ظلم و ستم کے معاشرے میں باعزت زندگی گزار سکے، دینِ اسلام نے عورت کو جن عائلی حقوق سے نوازا ان کا تذکرہ پیش خدمت ہے۔

مہر:

شریعتِ اسلامیہ نے مرد کو حکم دیا ہے کہ وہ جس عورت سے نکاح کرے اسے لازماً مہر ادا کرے کیونکہ مہر عقدِ نکاح کی بنیادی شرط ہے، دینِ اسلام کی روسے گھر کی ایک چھوٹی سی ریاست میں مرد چونکہ گھر کا سربراہ اور ناظم اعلیٰ ہوتا ہے اس لیے وقتِ نکاح مہر کی صورت میں وہ اس ذمہ داری کو قبول کرتا ہے کہ وہ عورت کے مالی اخراجات کا بھی ذمہ دار ہے۔

دینِ اسلام سے قبل دورِ جاہلیت میں بھی مہر دینے کا تصور موجود تھا لیکن اہل عرب نے عورت کو عملاً اس سے محروم کر رکھا تھا۔ علامہ زمخشری فرماتے ہیں:

> ””کان الرجل إذا مات له قریب من أب أو أخ أو حمیم عن امرأة، ألقی ثوبه علیها وقال أنا أحق بها من کلّ أحد““۔[56]

ترجمہ: کہ (دورِ جاہلیت میں) جب کوئی شخص مرجاتا تو اس کا باپ، بھائی یا اس کا قریبی رشتہ دار، اس کی بیوی پر کپڑا ڈال دیتا اور کہتا کہ میں ہر کسی سے بڑھ کر اس

کا حقدار ہوں۔

دینِ اسلام نے مہر کو بلا شرکت غیرے صرف عورت کا حق قرار دیا اور اس حق پر ہونے والی تمام زیادتیوں کو ایک ایک کر کے ختم کر دیا۔

مہر کا وجوب ازروئے قرآن:

مہر قرآن و سنت سے ثابت ہے۔ قرآن مجید میں مہر کے لیے لفظ "صدقہ" استعمال ہوا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وَآتُوا النِّسَاءَ صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً فَإِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِنْهُ نَفْسًا فَكُلُوهُ هَنِيئًا مَرِيئًا" [57]

ترجمہ: "اور دیا کرو (اپنی) عورتوں کو ان کے مہر خوشی خوشی پھر اگر وہ بخش دیں تمہیں کچھ اس سے خوشدلی سے تو کھاؤ اسے لذت حاصل کرتے ہوئے خوشگوار سمجھتے ہوئے۔"

اس آیتِ مبارکہ تفسیر بیان کرتے ہوئے پیر محمد کرم شاہ الازہری لکھتے ہیں:

"اس آیت سے مہر کا وجوب ثابت ہوتا ہے اور جب تک عورت خوشی سے سارا مہر یا اس کا کوئی جز معاف نہ کر دے وہ مرد کے ذمہ واجب الاداء رہتا ہے۔"[58]

مندرجہ بالا آیت مبارکہ سے ثابت ہوتا ہے کہ مہر عورت کا شرعی و قانونی حق ہے، اسے اس سے محروم نہیں کیا جا سکتا لیکن اگر عورت اپنی رضامندی سے اپنا مہر معاف کر دے یا شوہر کو اسے استعمال کرنے کا اختیار دے دے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

حق مہر ازروئے حدیث:

حضور اکرم ﷺ نے احادیثِ مبارکہ میں بھی مہر کی تاکید فرمائی ہے:

"عَنْ أَنَسٍ،أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَى عَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنَ عَوْفٍ وَعَلَيْهِ رَدْعُ زَعْفَرَانٍ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَهْيَمْ فَقَالَ:يَارَسُولَ اللَّهِ،تَزَوَّجْتُ امْرَأَةً،قَالَ:مَاأَصْدَقْتَهَا؟ قَالَ:وَزْنَ نَوَاةٍ مِنْ ذَهَبٍ،قَالَ:أَوْلِمْ وَلَوبِشَاةٍ" [59]

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عبد الرحمن بن عوف کو دیکھا وہ زعفران لگائے ہوئے تھے۔ آپ نے فرمایا یہ کیا ہے؟ عبد الرحمن نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ میں نے ایک عورت سے نکاح کیا ہے آپ ﷺ نے فرمایا اس کا مہر کیا ٹھہرایا ہے؟ عبد الرحمن نے کہا ایک وزن نواۃ سونا آپ ﷺ نے فرمایا ولیمہ کر اگرچہ ایک بکری ہو۔

سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ایک آدمی سے فرمایا:

"تزَوَّجْ وَلَوْ بِخَاتَمٍ مِنْ حَدِيدٍ" 60

ترجمہ: تم نکاح کرو، اگرچہ حق مہر لوہے کی انگوٹھی ہی کیوں نہ ہو۔

حضور ﷺ کے مندرجہ بالا فرامین سے ثابت ہوتا ہے کہ مہر کی ادائیگی عورت کا بنیادی حق ہے اور مردوں کو چاہیئے کہ وہ یہ حق خوش اسلوبی سے ادا کریں۔

مہر کی تعریف:

حاشیہ ابن عابدین شامی مہر کی تعریف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

" اسم للمال الذي يجب في عقد النكاح على الزوج في مقابلة البضع إما بالتسمية أوبالعقد " 61

ترجمہ: مہر اس مال کو کہا جاتا ہے جو عقد نکاح میں جنسی استفادہ کے مقابلے میں شوہر پر واجب ہو جاتا ہے، یہ تعین مہر سے بھی ہو سکتا ہے اور عقد کی وجہ سے بھی۔

صاحب تفسیر "التسهيل لعلوم التنزيل" فرماتے ہیں:

"نِحْلَةً أي عطية منكم لهن،أو عطية من الله" 62

ترجمہ: نحلۃ سے مراد وہ عطیہ ہے جو ان (عورتوں) کے لیے تمہاری طرف سے ہو یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے۔

تنزیل الرحمن اپنی کتاب مجموعہ قوانین اسلام میں مہر کی تعریف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"مہر اس مالی منفعت کا نام ہے جو شرعاً عورت مرد سے بعوض نکاح پانے کی مستحق ہوتی ہے۔"63

بقول محمد کلیم:

"اصداق کے معنی درست کرنا، سچا کرنا، دوستی کرنا، اظہار رغبت کرنے کے لیے مال خرچ کرنے کے ہیں۔ مہر کے لیے لفظ صداق ہے اصداق کا اسم مصدر ہے اور اصداق کے معنی مہر دینے کے اور صداق کے معنی مہر کے ہیں گویا مہر کو صداق اس لیے کہتے ہیں کہ "یہ شوہر اور بیوی کے تعلقات کی درستی، سچائی اور دوستی کی علامت ہے"۔"[64]

مہر کی اقسام:

مجموعہ قوانین اسلام میں مہر کی حسب ذیل اقسام تفصیل سے بیان کی گئی ہیں۔

۱۔ مہر مسمیٰ ۲۔ مہر مثل

مہر مُسَمّٰی:

اس مہر کو کہتے ہیں جو بوقت نکاح یا بعد نکاح مابین زوجین مقرر ہوا ہو۔

اس کی حسب ذیل دو قسمیں ہیں۔

الف۔ مہر معجل ب۔ مہر مؤجل۔

(الف) مہر مُعَجَّل:

اس مہر کو کہتے ہیں جو بوقت نکاح فوری ادا کر دیا جائے یا عند الطلب قابل ادا ہو۔

(ب) مہر مُؤَجَّل:

اس مہر کو کہتے ہیں جو طلاق یا زوجین میں سے کسی ایک کی وفات پر قابل ادا ہو۔

مہر مِثل:

مہر مثل امثال واقران کے مہر کو کہتے ہیں جو اس عورت کے مثل عورت کا مقرر ہوا ہو۔[65]

مہر کی مقدار:

شریعت اسلامیہ نے مہر کی کم از کم مقدار تو بیان کی ہے لیکن زیادہ کی کوئی مقدار بیان نہیں، بلکہ اسے انسان کی مرضی پر چھوڑ دیا کہ وہ اس سے زیادہ جتنا چاہے مہر مقرر کر سکتا ہے۔ سورۃ نساء میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وَإِنْ أَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ وَآتَيْتُمْ إِحْدَاهُنَّ قِنطَارًا فَلَا تَأْخُذُوا

مِنۡہُ شَیۡـًٔا اَتَاۡخُذُوۡنَہٗ بُہۡتَانًا وَّاِثۡمًا مُّبِیۡنًا'' [66]

ترجمہ: ''اور اگر تم ارادہ کر لو کہ بدلو ایک بیوی کو پہلی بیوی کی جگہ اور دے چکے ہو تم اسے ڈھیروں مال تو نہ لو اس مال سے کوئی چیز کیا تم لینا چاہتے ہو اپنا مال (زمانۂ جاہلیت کی طرح) بہتان لگا کر اور کھلا گناہ کر کے۔''

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''إِنَّ أَعْظَمَ النِّكَاحِ بَرَكَةً أَيْسَرُهُ مَؤُونَةً'' [67]

ترجمہ: بے شک سب سے زیادہ بابرکت (عظیم) نکاح وہ ہے جس کا مہر سب سے آسان ہو۔

صاحب ہدایہ مہر کی کم سے کم مقدار بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''واقل المهرعشرة دراهم'' [68]

ترجمہ: مہر کی کم سے کم مقدار دس درہم ہے۔

صاحب قدوری مہر کی کم سے کم مقدار بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

'' وَأَقَلُّ الْمَهْرِعَشْرَةُ دَرَاهِمَ فَإِنْ سَمَّى أَقَلَّ مِنْ عَشْرَةٍ فَلَهَاعَشْرَةٌ وَإِنْ سَمَّى عَشْرَةً فَمَازَادَ فَلَهَاالْمُسَمَّى إنْ دَخَلَ بِهَاأَومَاتَ عَنْهَاوَإِنْ طَلَّقَهَا قَبْلَ الدُّخُولِ بِهَاوَالْخَلْوَةِ فَلَهَانِصْفُ الْمُسَمَّى '' [69]

ترجمہ: مہر کی کم سے کم مقدار دس درہم ہیں، اگر کسی نے دس سے کم مقرر کیے تو وہ عورت دس درہم کی ہی حقدار ہو گی اور اگر کسی نے دس درہم یا اس سے زائد مقرر کیے، اگر اس نے اس سے صحبت کر لی یا اسے موت واقع ہو گئی تو اس کے ذمہ مقرر کردہ مہر ہی ہو گا اور اگر کسی نے قبل از صحبت یا خلوت طلاق دے دی تو اس عورت کو نصف مہر ملے گا۔

عصرِ حاضر میں سکہ رائج الوقت کے مطابق مہر کی کم سے کم مقدار کم و بیش دو سے ڈھائی ہزار روپے کے برابر ہے۔

نان ونفقہ کا حق:

دینِ اسلام میں بیوی کا خرچ اور اس کی دیگر ضروریات کی کفالت کا بار شوہر پر ڈالا گیا ہے۔ شریعتِ مطہرہ نے عورت کو جن بنیادی حقوق سے نوازا ہے ان میں سے ایک حق یہ بھی عطا فرمایا کہ شوہر اپنی بیوی کی تمام ضروریات، رہائش کے لیے مکان، پہننے کے کپڑے، کھانے پینے کے اخراجات دواو غیرہ کو مکمل اور صحیح طریقے سے ادا کرے، اسلامی تعلیمات کی رو سے بیوی امیر ہو یا غریب اس کا نان ونفقہ اس کے شوہر کے ذمہ واجب ہے۔

نفقہ کی تعریف:

صاحب المغنی کے نزدیک:

"النَّفَقَاتِ جَمْعُ نَفَقَةٍ،مِنْ الْإِنْفَاقِ،وَهُوَ الْإِخْرَاجُ وَلَا يُسْتَعْمَلُ إلَّا فِي الْخَيْرِ۔" 70

ترجمہ: نفقات، نفقہ کی جمع ہے، یہ انفاق سے ہے اور یہ وہ رقم ہے جسے بھلائی کے کاموں کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔

نفقہ کی اصطلاحی تعریف:

مذاہب اربعہ کے نزدیک نفقات سے متعلق درج ذیل آراء پائی جاتی ہیں:

فقہاء شافعیہ کے نزدیک نفقہ کا اصطلاحی معنی ہے: وہ طعام جو بیوی اور اس کے خادم کے لیے اس کے خاوند کے اوپر فرض کیا جاتا ہے یا ان کے غیر کے لیے جن کا تعلق اصل اور فرع اور غلام اور حیوان سے ہو، اتنی مقدار جو ان کے لیے کافی ہو۔

اس تعریف میں جو طعام کا ذکر کیا گیا ہے اس سے مراد وہ طعام جو عرف کے مطابق ہو اور اس میں لباس اور رہائش بھی داخل ہے۔

اور فقہاء احناف کے نزدیک نفقہ کا اصطلاحی معنی ہے کہ بیوی کو ایسی چیز مہیا کرنا اور اس کے لیے خرچ کرنا جس سے اس کی بقاء کا حصول ہو اور بقاء سے مراد وہ ہے جو امور ضروری ہوں یعنی طعام، لباس اور رہائش۔

اور فقہاء مالکیہ کے نزدیک نفقہ کی اصطلاحی تعریف ہے: اتنی مقدار خرچ کرنا جس سے عادتاً آدمی زندگی گزار سکے۔ یعنی اسکو اتنی روزی دینا جس سے اس کی زندگی بسر ہو اور اس میں طعام اور لباس اور جمیع ضروریات شامل ہیں اور فقہاء حنبلیہ کے نزدیک نفقہ کی تعریف یہ ہے کہ بیوی کو اتنا خرچ مہیا کرنا جس سے وہ روٹی اور سالن اور لباس

اور رہائش اور دیگر ضروریات پوری کر سکے۔[71]

نفقہ کی شرعی حیثیت:

بیوی کا نفقہ شوہر کے ذمہ واجب ہے اس کے متعلق کتاب و سنت کے دلائل پیش خدمت ہیں۔
سورۃ الطلاق میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''لِيُنْفِقْ ذُو سَعَةٍ مِنْ سَعَتِهِ وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهُ فَلْيُنْفِقْ مِمَّا آتَاهُ اللهُ لَا يُكَلِّفُ اللهُ نَفْسًا إِلَّا مَا آتَاهَا سَيَجْعَلُ اللهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُسْرًا''[72]

ترجمہ: ''خرچ کرے وسعت والا اپنی وسعت کے مطابق اور وہ تنگ کر دیا گیا ہے جس پر اس کا رزق، تو وہ خرچ کرے اس سے جو اللہ نے دیا ہے اور تکلیف نہیں دیتا اللہ تعالیٰ کسی کو مگر اس قدر جتنا اسے دیا ہے عنقریب اللہ تعالیٰ تنگی کے بعد فراغی دے گا۔''

سورۃ بقرہ میں اللہ تعالیٰ نے مطلقہ کے نفقہ کے متعلق ارشاد فرمایا:

''لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ مَا لَمْ تَمَسُّوهُنَّ أَوْ تَفْرِضُوا لَهُنَّ فَرِيضَةً وَمَتِّعُوهُنَّ عَلَى الْمُوسِعِ قَدَرُهُ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهُ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِينَ''[73]

ترجمہ: ''کوئی حرج نہیں تم پر اگر تم طلاق دے دوان عورتوں کو جن کو تم نے چھوا ہی نہیں اور نہیں مقرر کیا تم نے ان کو مہر اور خرچہ دو انہیں مقدور والے پر اس کی حیثیت کے مطابق اور تنگدست پر اسکی حیثیت کے مطابق یہ خرچ مناسب طریقے پر ہونا چاہیئے یہ فرض ہے نیکو کاروں پر۔''

مندرجہ بالا آیات مبارکہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے نفقہ کا ذکر کیا اور اس کا معیار شوہر کی حیثیت وطاقت پر منحصر رکھا۔

نفقہ کے دلائل احادیث کی روشنی میں:

حکیم بن معاویہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی کریم ﷺ سے سوال کیا۔

"مَاحَقُّ الْمَرْأَةِ عَلَى الزَّوْجِ ؟ قَالَ:أَنْ يُطْعِمَهَاإِذَاطَعِمَ،وَأَنْ يَكْسُوَهَاإِذَا اكْتَسَى، وَلَايَضْرِبِ الْوَجْهَ،وَلَا يُقَبِّحْ،وَلَايَهْجُرإِلَّافِي الْبَيْتِ " 74

ترجمہ: عورت کا خاوند پر کیا حق ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا جو وہ خود کھائے تو اپنی بیوی کو بھی کھلائے جب وہ خود پہنے تو اپنی بیوی کو بھی پہنائے اور اس کے چہرے پر نہ مارے اور نہ ہی اس کی برائی بیان کرے اور (بطور سزا) صرف گھر میں اس سے علیحدگی اختیار کرے۔

ایک اور حدیث مبارکہ میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"أَلَاوَاسْتَوْصُوابِالنِّسَاءِ خَيْرًا،فَإِنَّمَاهُنَّ عَوَانٌ عِنْدَكُمْ،لَيْسَ تَمْلِكُونَ مِنْهُنَّ شَيْئًا غَيْرَذَلِكَ، إِلَّاأَنْ يَأْتِينَ بِفَاحِشَةٍ مُبَيِّنَةٍ، فَإِنْ فَعَلْنَ فَاهْجُرُوهُنَّ فِي المَضَاجِعِ، وَاضْرِبُوهُنَّ ضَرْبًا غَيْرَ مُبَرِّحٍ، فَإِنْ أَطَعْنَكُمْ فَلَاتَبْغُوا عَلَيْهِنَّ سَبِيلًا،أَلَاإِنَّ لَكُمْ عَلَى نِسَائِكُمْ حَقًّا،وَلِنِسَائِكُمْ عَلَيْكُمْ حَقًّا،فَأَمَّاحَقُّكُمْ عَلَى نِسَائِكُمْ فَلَايُوطِئْنَ فُرُشَكُمْ مَنْ تَكْرَهُونَ،وَلَايَأْذَنَّ فِي بُيُوتِكُمْ لِمَنْ تَكْرَهُونَ، أَلَاوَحَقُّهُنَّ عَلَيْكُمْ أَنْ تُحْسِنُوا إِلَيْهِنَّ فِي كِسْوَتِهِنَّ وَطَعَامِهِنَّ" 75

ترجمہ: عورتوں کے ساتھ خیر خواہی کا معاملہ کرو، وہ تمہارے ہاتھوں میں مقید ہیں، تم سوا اس کے اور کسی بات کا حق نہیں رکھتے، البتہ اگر وہ کھلی بے حیائی کا ارتکاب کریں تو انہیں ان کی خواب گاہوں میں علیحدہ کرو اور ان کو معمولی طور پر مار بھی سکتے ہو پھر اگر وہ تمہاری بات مان لیں تو ان پر الزام تراشی مت کرو، خبر دار تمہارا تمہاری عورتوں پر حق ہے، اور تمہاری عورتوں کا تم پر حق ہے کہ وہ تمہارے بستروں کو دوسروں سے پامال نہ کرائیں جنہیں تم ناپسند کرتے ہو اور ان کو تمہارے گھروں میں آنے کی اجازت نہ دیں جن کو تم ناپسند کرتے ہو اور سنو! تمہاری بیویوں کا تم پر حق یہ ہے کہ تم انہیں اچھے کپڑے مہیا کرو اور اچھا کھانا کھلاؤ۔

قرآنی آیات اور احادیثِ مبارکہ کی رو سے نفقہ کے اندر درج ذیل چیزوں کی فراہمی ضروری ہے۔

۱۔ کھانے سے متعلق اشیاء کی فراہمی ۲۔ لباس کی فراہمی ۳۔ رہائش کی فراہمی۔

نفقہ کی مقدار کا تعین:

نفقہ کی مقدار کے متعلق بعض فقہائے کرام کی رائے درج ذیل ہے:

امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ اور امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ نے کہا ہے کہ بیوی پر خرچ کرنا انسان کی حیثیت کے مطابق فرض کیا گیا ہے اور انسان کی حیثیت کے اعتبار سے یہ حکم مختلف ہوتا ہے۔

امام شافعی نے یہ کہا ہے کہ غریب شخص کے اوپر ایک **کلو طعام** دینا واجب ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کفارۂ قسم میں ایک مد کو واجب کیا ہے۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی فرماتے ہیں کہ ہم یہ کہتے ہیں کہ اس میں مقدار معین نہیں ہے کیونکہ نبی ﷺ نے حضرت ہند رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا: "تم ابوسفیان کے مال سے اتنا لے لو جو تمہاری اور تمہاری اولاد کے لیے دستور کے مطابق کافی ہو اور نبی ﷺ نے اس خرچ میں کسی مقدار کو معین نہیں فرمایا۔[76]

نفقہ کی مقدار کا انحصار شوہر کی استطاعت پر رکھا گیا ہے اور اس کی کوئی مقدار متعین نہیں کی گئی۔

نفقہ کے استحقاق کی شرائط:

عورت کے لیے استحقاق نفقہ کی چند شرائط درج ذیل ہیں:

۱۔ عقدِ نکاح صحیح ہو۔

۲۔ وہ اپنا نفس شوہر کے حوالے کر دے۔

۳۔ اسے خود سے خواہش پوری کرنے دے۔

۴۔ شوہر کہیں منتقل ہونا چاہے تو منع نہ کرے۔

۵۔ نافرمانی کر کے خود شوہر کے پاس سے نہ جائے۔[77]

عورت کو اس کی ضروریات کی تمام چیزیں یہاں تک کہ سر دھونے اور کنگھی کرنے کے لیے تیل، صابن، سونے کے لیے لحاف اور بستر وغیرہ، رہائش کے لیے گھر وغیرہ ان سب کا انتظام کرنا شوہر پر واجب ہے۔

نفقہ میں بیوی کو تصرف کا حق:

دینِ اسلام نے عورت کو حق دیا ہے کہ نفقہ (کے مال) میں سے جہاں چاہے اپنی مرضی سے خرچ کرے،

چاہے تو اس سے اپنی ضروریات پوری کرے چاہے تو فی سبیل اللہ صدقہ کر دے، کیونکہ نفقہ اور مہر عورت کا ذاتی حق ہے وہ اسے جیسے چاہے خرچ کر سکتی ہے۔

خلع کا حق:

شریعتِ مطہرہ نے جس طرح مرد کو حقِ طلاق تفویض کیا ہے اسی طرح عورت کو بھی یہ حق دیا ہے کہ اگر شوہر اس پر ظلم و ستم کرے، اس کے ساتھ ناانصافی کرے اور اس کے شرعی و قانونی حقوق کی ادائیگی نہ کرے تو وہ مرد سے کسی عوض کے بدلے خلع لے سکتی ہے۔

خلع کی شرعی تعریف:

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی لکھتے ہیں:

''لفظ خُلع'' میں خاء پر پیش ہے اور لام پر جزم ہے، لغت میں اس کا معنی ہے: مال کے عوض بیوی کو چھوڑ دینا اور یہ خلع الثوب سے ماخوذ ہے کیونکہ بیوی مرد کا معناً لباس ہے اور اس سے شوہر اور بیوی کے درمیان حسی اور معنوی تفرقہ ہو جاتا ہے۔''[78]

الشیخ محمد علی الصابونی خلع کی تعریف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''خلع کی تعریف یہ ہے کہ بیوی شوہر کو مال دے کر اس سے اپنا نفس چھڑا لے تاکہ وہ اس کو طلاق دے دے۔''[79]

خلع کا جواز قرآن و حدیث کی روشنی میں:

خلع کے جواز میں دلیل درج ذیل آیت قرآنی ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

'' الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَأْخُذُوا مِمَّا آتَيْتُمُوهُنَّ شَيْئًا إِلَّا أَنْ يَخَافَا أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَعْتَدُوهَا وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ''[80]

ترجمہ: ''طلاق دو بار ہے پھر یا تو روک لینا ہے بھلائی کے ساتھ یا چھوڑ دینا ہے احسان کے ساتھ اور جائز نہیں تمہارے لیے کہ لو تم اس سے جو تم نے دیا ہے

انہیں کچھ بھی بجز اس کے کہ دونوں کو اندیشہ ہو کہ وہ قائم نہ رکھ سکیں گے اللہ کی حدوں کو پھر اگر تمہیں خوف ہو کہ وہ دونوں قائم نہ رکھ سکیں گے اللہ کی حدوں کو تو کوئی حرج نہیں ان پر کہ عورت کچھ فدیہ دے کر جان چھڑا لے یہ حدیں ہیں اللہ کی سو ان سے آگے نہ بڑھو اور جو کوئی آگے بڑھتا ہے اللہ کی حدوں سے وہی لوگ ظالم ہیں"۔

اس آیتِ مبارکہ کی تفسیر میں خلع کا جواز بیان کرتے ہوئے صاحب تفسیر ضیاء القرآن لکھتے ہیں:

"اگر خاوند عورت کو مارتا پیٹا ہے اور اسے طلاق بھی نہیں دیتا یا عورت کو اپنے خاوند سے ایسی نفرت ہو گئی ہے کہ اب ان کی صلح کی کوئی توقع نہیں اور خطرہ پیدا ہو گیا کہ اگر یہ نکاح کے بندھن میں بندھے رہے تو یہ طرح طرح کی معصیتوں میں مبتلا ہو جائیں گے تو اب کیا کیا جائے؟ اس مشکل کا حل آیت کے اس حصہ میں بیان فرمایا گیا ہے جسے فقہاء کی اصطلاح میں خلع کہا جاتا ہے۔ یعنی اگر مندرجہ بالا صورت پیدا ہو جائے تو عورت حاکم وقت کے پاس خلع کا مطالبہ کرے اور حاکم پہلے ان کی مصالحت کی کوشش کریگا اگر کامیابی نہ ہو تو خاوند نے عورت کو مہر میں جو کچھ دیا تھا حاکم اسے لے کر خاوند کو واپس کر دے اور ان کے درمیان تفریق کر دے یہ خلع اور اس کا حکم طلاق بائن کا ہے۔ فقہاء احناف نے تصریح فرمائی ہے کہ اگر زیادتی خاوند کی طرف سے ہے تو اسے خلع کرتے وقت بیوی سے کچھ لینا مناسب نہیں اور اگر زیادتی بیوی کی ہے تو جتنا اس نے بیوی کو دیا تھا اتنا لینا اسے مباح ہے اور اس سے زیادہ لینا مکروہ ہے اور بعض دیگر علماء نے کہا ہے کہ زیادہ بھی لے سکتا ہے مخلوعہ کی عدت بھی تین حیض ہے"۔[81]

اس حکم کے نزول کا سبب فقہاء کرام کے نزدیک درج ذیل حدیث مبارکہ ہے:

حضرت حبیبہ بنت سہل رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

"أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ إِلَى الصُّبْحِ فَوَجَدَ حَبِيبَةَ بِنْتَ سَهْلٍ عِنْدَ بَابِهِ فِي الْغَلَسِ،فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ هَذِهِ؟،قَالَتْ:أَنَاحَبِيبَةُ بِنْتُ سَهْلٍ يَارَسُولَ اللهِ، فَقَالَ: مَاشَأْنُكِ؟، قَالَتْ: لَاأَنَا، وَلَاثَابِتُ بْنُ قَيْسٍ لِزَوْجِهَا،فَلَمَّاجَاءَ ثَابِتُ بْنُ قَيْسٍ قَالَ لَهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:هَذِهِ حَبِيبَةُ بِنْتُ سَهْلٍ قَدْ ذَكَرَتْ مَاشَاءَ اللهُ أَنْ تَذْكُرَ،فَقَالَتْ حَبِيبَةُ:يَارَسُولَ اللهِ كُلُّ مَاأَعْطَانِي عِنْدِي، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِثَابِتٍ:خُذْ مِنْهَافَأَخَذَ مِنْهَا وَجَلَسَتْ فِي أَهْلِهَا" [82]

ترجمہ: کہ ایک دن رسول کریم ﷺ صبح کے وقت نماز پڑھنے کے لیے باہر نکلے تو حضرت حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ ﷺ کو دروازے کے قریب ملیں۔ پس آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ تم کون ہو؟ حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا کہ میں حبیبہ بنت سہل (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) ہوں، تو آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کیا معاملہ ہے اور تم کس لیے آئیں۔ حضرت حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا کہ میرے اور میرے خاوند (ثابت بن قیس) کے درمیان نباہ مشکل ہے۔ پس جب ثابت بن قیس تشریف لائے تو آپ نے فرمایا یہ حبیبہ بنت سہل نے کچھ تذکرہ کیا ہے اور جو کچھ اللہ رب العزت نے پسند فرمایا۔ اس نے بیان کیا حضرت حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فوراً بول اٹھیں اے اللہ کے رسول ﷺ جو کچھ اس شخص نے مجھے دیا ہے وہ میرے پاس موجود ہے۔ آپ نے حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرمایا کہ ان سے اپنی چیز واپس لے لو تو انہوں (حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ) نے حضور ﷺ کے ارشاد کے مطابق انہیں دیا ہوا مال واپس لے لیا اور حضرت حبیبہ بنت قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے گھر والوں میں بیٹھی رہیں۔

سیدنا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ:

"أَنَّ امْرَأَةَ ثَابِتِ بْنِ قَيْسٍ أَتَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَتْ: يَارَسُولَ اللهِ ثَابِتُ بْنُ قَيْسٍ أَمَاإِنِّي مَاأَعْتِبُ عَلَيْهِ فِي خُلُقٍ، وَلَادِينٍ، وَلَكِنِّي أَكْرَهُ الْكُفْرَ فِي الْإِسْلَامِ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَتَرُدِّينَ عَلَيْهِ حَدِيقَتَهُ؟ قَالَتْ: نَعَمْ، قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اقْبَلِ الْحَدِيقَةَ وَطَلِّقْهَاتَطْلِيقَةً "[83]

ترجمہ: حضرت ثابت بن قیس کی زوجہ محترمہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ مجھے حضرت ثابت بن قیس کی خوبیوں اور دین کی طرف سے کوئی ناراضگی نہیں، لیکن میں اسلام میں ناشکری کرنا ناپسند کرتی ہوں۔ آپ ﷺ نے پوچھا کیا تو اسے اس کا باغ واپس لوٹا دے گی؟ وہ کہنے لگی ہاں (لوٹا دوں گی)، آپ ﷺ نے حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو

فرمایا کہ تم اپنا باغ واپس قبول کر واوراسے ایک طلاق دے دو۔

مندرجہ بالا حدیث مبارکہ کی تشریح بیان کرتے ہوئے علامہ غلام رسول سعیدی لکھتے ہیں:

"جب کسی عورت کو کسی طبعی یاہمواری کی وجہ سے شوہر ناپسند ہو اور یہ نفرت اس قدر بڑھ جائے کہ وہ اس نفرت کی وجہ سے شوہر کے حقوق ادانہ کرسکے تو پھر وہ قاضی اسلام سے رجوع کرے اور قاضی مہر واپس کرکے شوہر سے طلاق دلادے، یادرہے کہ یہاں قاضی شوہر سے طلاق دلوائے گا ازخود نکاح فسخ نہیں کرے گا۔"[84]

لہٰذا جب میاں بیوی (دونوں) کو اس بات کا احساس ہو جائے کہ اب وہ اللہ رب العزت کی حدود کو قائم نہیں رکھ سکتے اور حالات کی سنگینی کی وجہ سے ایک دوسرے کے حقوق ادانہیں کرسکتے تو عورت شوہر سے مال کے عوض علیحدگی اختیار کرسکتی ہے۔

شوہر کے لیے خلع کا مال لینا:

صاحب ہدایہ لکھتے ہیں:

"وإن كان النشوز من قبله يكره له أن يأخذ منهاعوضا لقوله تعالى: {وَإِنْ أَرَدْتُمُ اسْــتِبْدَالَ زَوْجٍ مَكَانَ زَوْجٍ} إلى أن قال {فَلاتَأْخُذُوامِنْهُ شَيْئاً} [النساء:من الآية20] ولأنه أوحشـهابالاسـتبدال فلايزيد في وحشتها بأخذ المال" [85]

ترجمہ: اوراگر سرکشی شوہر کی طرف سے ہو تو اس کے لیے بیوی سے عوض لینا مکروہ ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے، "اگر تم ایک بیوی کی جگہ دوسری بیوی بدلناچاہو" یہاں تک کہ فرمایا "اس سے کچھ بھی نہ لو" اوراس لیے کہ شوہر نے بیوی بدل کر اسے وحشت میں ڈال دیاہے لہٰذا مال لے کر اس کی وحشت میں مزید اضافہ نہ کیاجائے۔

اگر زیادتی بیوی کی طرف سے ہو:

"وإن كان النشوز منهاكرهناله أن يأخذ منهاأكثرمماأعطاها- وفي رواية الجامع الصـغير:طاب الفضـل أيضـاالإطلاق ماتلونابدءاووجه الأخرى قوله عليه الصلاة والسلام في امرأة ثابت بن قيس بن شماس أماالزيادة فلاوقد كان النشوز منها" [86]

ترجمہ: اوراگر سرکشی بیوی کی طرف سے ہوتوہم شوہر کے لیے یہ بات مکروہ سمجھتے ہیں کہ اس نے جتنابیوی کو دیاہے اس سے زیادہ وصول کرے اور جامع صغیر کی روایت میں ہے کہ شوہر کے لیے زیادہ لینا بھی درست ہے اس لیے کہ سابق میں جو ہم نے تلاوت کی ہے وہ مطلق ہے اوردوسری روایت کی دلیل حضرت ثابت بن قیس شماس کی اہلیہ کے متعلق آپ کا یہ فرمان ہے،"اماالزیادۃ فلا" جبکہ نافرمانی عورت کی طرف سے تھی۔

شرائط خلع:

درج ذیل صورتوں میں عورت کو حق خلع حاصل ہے:

ا۔نکاح کے وقت عورت نے اپنے لیے طلاق کاحق رکھاہواورشوہرنے اس پر موافقت کی ہولہذاشرط کواستعمال کرنااس کاحق ہے۔

۲۔جب شوہر کی مخالفت کے باعث اپنے نفس پر نافرمانی کے گناہ میں پڑنے کاخوف کرے۔

۳۔شوہر کاسلوک اس سے خراب ہو،یعنی وہ اس پراس کے دین یاجان کے بارے میں ظلم روارکھے اور عورت اسے مال دیکر طلاق حاصل کرناچاہے۔

۴۔شوہر اپنی بیوی سے جنسی تعلق پر قادرنہ ہو کہ شوہر نامرد یاخسی ہوتوعورت اپنامعاملہ عدالت میں پیش کرے گی قاضی اسے ایک سال کی مہلت دے گا کہ(وہ علاج کرائے)اس کے بعد بھی اگروہ جنسی تعلق پر قادرنہ ہوسکے اور عورت علیحدگی کامطالبہ کرے تو قاضی ان کے درمیان علیحدگی کرادے گا۔

۵۔شوہر مجنون ہوجائے یااسے برص یاجزام(کوڑھ)کی بیماری لاحق ہوجائےتوبیوی کے لیے یہ حق ہے کہ وہ عدالت میں معاملہ اٹھائے اورعلیحدگی کامطالبہ کرے اس پر قاضی ان میں علیحدگی کرسکتاہے۔(یہ قول امام محمد کاہے شیخین فرماتے ہیں کہ عورت کواس صورت میں علیحدگی کااختیارنہیں)۔[87]

اسلام نے فریقین کوطلاق اور خلع کی اجازت دی ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ حلال کاموں میں سب سے ناپسندیدہ امر طلاق کو قراردیااور حضور ﷺ کے فرمان کے مطابق اگر کوئی بیوی جان بوجھ کر علیحدگی کامطالبہ کرے تواس پر جنت کی خوشبو حرام ہوجاتی ہے۔یہ ہمارے معاشرے کاالمیہ ہے کہ طلاق کی شرح میں دن بدن اضافہ ہورہاہے اس کاحل یہ ہے کہ مرد وعورت دونوں کواسلامی ثقافت کے اصولوں سے اجاگر کیاجائے،قرآن وسنت کی

تعلیمات سے روشناس کرایا جائے، خاندان کی بنیادی اہمیت بتاتے ہوئے دونوں کی ایسی تربیت کی جائے کہ دونوں میں ایک دوسرے کی کوتاہیوں کو برداشت کرنے اور ازدواجی زندگی کو پیار محبت کی بنیاد پر پروان چڑھانے کی صلاحیت پیدا ہو تاکہ آپس کے معاملات کو مشترکہ رائے سے حل کریں اور علیحدگی کے بجائے ملکر پیار محبت سے زندگی بسر کریں۔

جہیز:

جہیز اس ساز و سامان کو کہا جاتا ہے جو بوقت شادی لڑکی کے والدین کی طرف سے لڑکی کو تحفةً دیا جاتا ہے۔ جس کے جواز میں حضور ﷺ کی درج ذیل حدیث مبارکہ ہے:

"عَنْ عَلِيٍّ،رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ:جَهَّزَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاطِمَةَ فِي خَمِيلٍ وَقِرْبَةٍ وَوِسَادَةٍ حَشْوُهَااِذْخِرٌ" 88

ترجمہ: سیدنا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو خمیل (سیاہ رنگ کی چادر)، مشک اور تکیہ کا جہیز دیا جس میں اذخر (ایک قسم کی گھاس) بھری ہوئی تھی۔

مندرجہ بالا حدیث مبارکہ سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے اپنی صاحبزادی حضرت فاطمة الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو مختصر ساز و سامان شادی کے وقت دیا۔ یہ جہیز گھر کی چند بنیادی ضرورت کی چیزوں پر مشتمل تھا۔

لہٰذا اگر والدین اپنی خوشی سے حسبِ استطاعت رخصتی کے وقت اپنی بیٹی کو ساز و سامان مہیا کریں تو اس میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ دینِ اسلام میں اسراف کی ممانعت ہے، جبکہ عصرِ حاضر کا ایک دردناک المیہ یہ بھی ہے کہ لڑکے کے والدین کی طرف سے جہیز کی فہرست تیار کر کے دی جاتی ہے جو کہ لڑکی کے والدین کے لیے معاشی اذیت کا سبب بنتی ہے اور لڑکے کے والدین کی حرص و ہوس اور طمع ولالچ سامنے آتی ہے۔ اس کا سب سے بڑا سبب توکل علی اللہ کی کمی ہے، کیونکہ اللہ رب العزت نے ہر جاندار کا رزق اپنے ذمہ لیا ہے، پھر انسان تو اشرف المخلوقات ہے اگر وہ جہیز کے بھاری ساز و سامان پر بھروسہ کرنے کے بجائے اللہ کی ذات جو پوری کائنات کا رازق ہے پر بھروسہ کر لے تو اس برائی کا قلع قمع کیا جا سکتا ہے، تاکہ بعض ایسے سفید پوش گھرانے جو جہیز نہ ہونے کی وجہ سے شریعت مطہرہ کے حکم نکاح کی تعمیل نہیں کر پاتے وہ اس پریشانی سے نجات حاصل کر لیں۔

حقِ حضانت (بعض صورتوں میں بچے کی کفالت کا حق):

اللہ تبارک و تعالیٰ نے انسان میں توالد و تناسل کا سلسلہ قائم کیا ہے جس سے نسل انسانی کی افزائش ہوتی ہے،

بچے چونکہ ناسمجھ وناتواں ہوتے ہیں اس لیے انکی پرورش کی ذمہ داری والدین کے ذمہ لازمی کردی گئی ہے تاکہ بچے والدین کی سرپرستی میں اچھی تربیت حاصل کریں، لیکن جب والدین کے آپس میں معاملات کشیدہ ہوجائیں اور طلاق یا خلع تک نوبت پہنچ جائے توجہاں دوسرے مسائل سامنے آتے ہیں وہیں ایک مسئلہ حقِ حضانت بھی ہے، شریعتِ اسلامیہ نے اس سلسلے میں واضح احکامات دیئے ہیں عورت کوبچے کی پرورش کا حق دیا گیاہے۔اس کے متعلق آپ ﷺ کی کئی احادیثِ مبارکہ موجودہیں جو عورت کے حقِ حضانت کو ثابت کرتی ہیں۔

"عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو،أَنَّ امْرَأَةً قَالَتْ:يَارَسُولَ اللَّهِ،إِنَّ ابْنِي هَذَاكَانَ بَطْنِي لَهُ وِعَاءً،وَثَدْيِي لَهُ سِقَاءً،وَحِجْرِي لَهُ حِوَاءً،وَإِنَّ أَبَاهُ طَلَّقَنِي،وَأَرَادَ أَنْ يَنْتَزِعَهُ مِنِّي،فَقَالَ لَهَارَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:أَنْتِ أَحَقُّ بِهِ مَالَمْ تَنْكِحِي" 89

ترجمہ: عبداللہ بن عمرو سے مروی ہے کہ آپ ﷺ کے پاس ایک عورت آئی اور عرض کرنے لگی اے اللہ کے رسول ﷺ یہ میرا بیٹاہے میرا پیٹ اس کا غلاف تھااور میری چھاتی اس کے پینے کابرتن تھی اور میری گود اس کا گھر تھا اور اب اس کے باپ نے مجھے طلاق دے دی ہے اوروہ چاہتاہے کہ اسے مجھ سے چھین لے تو آپ ﷺ نے فرمایاتو اس کی زیادہ حقدار ہے جب تک توکسی اور سے نکاح نہ کرے۔

"عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ:خَرَجَ زَيْدُ بْنُ حَارِثَةَ إِلَى مَكَّةَ،فَقَدِمَ بِابْنَةِ حَمْزَةَ،فَقَالَ جَعْفَرٌ:أَنَاآخُذُهَاأَنَاأَحَقُّ بِهَا،ابْنَةُ عَمِّي،وَعِنْدِي خَالَتُهَا، وَإِنَّمَاالْخَالَةُ أُمٌّ،فَقَالَ عَلِيٌّ:أَنَاأَحَقُّ بِهَا،ابْنَةُ عَمِّي،وَعِنْدِي ابْنَةُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ،وَهِيَ أَحَقُّ بِهَا،فَقَالَ زَيْدٌ:أَنَاأَحَقُّ بِهَا، أَنَاخَرَجْتُ إِلَيْهَا، وَسَافَرْتُ وَقَدِمْتُ بِهَا، فَخَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَذَكَر حَدِيثًا، قَالَ:وَأَمَّاالْجَارِيَةُ فَأَقْضِي بِهَالِجَعْفَرتَكُونُ مَعَ خَالَتِهَا، وَإِنَّمَا الْخَالَةُ أُمٌّ" 90

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ زید بن حارثہ مکے میں تشریف لے گئے وہاں حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیٹی کولائے جعفر بن ابی طالب نے کہامیں اس کولوں گاکیوں کہ میں اس کازیادہ حقدار ہوں کیونکہ یہ

میرے چچا کی بیٹی ہے اور میرے پاس اس کی خالہ ہے، خالہ مثل ماں کے ہوتی ہے پھر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا میں اس لڑکی کا زیادہ حقدار ہوں کیونکہ میرے چچا کی بیٹی ہے اور میرے پاس رسول اللہ ﷺ کی بیٹی ہیں اور وہ اس کی زیادہ حقدار ہیں زید نے کہا میں اس کا زیادہ حقدار ہوں اس واسطے کہ میں مکے گیا اور میں نے سفر کیا اور اس کو لے کر آیا۔ پھر آپ ﷺ باہر نکلے اور فرمایا یہ لڑکی جعفر کے پاس رہے گی اپنی خالہ کی پرورش میں کیونکہ خالہ مثل ماں کے ہوتی ہے (تو ماں کے بعد خالہ کو حق ہے)۔

عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ سے مروی ہے:

" وَقَضَى بِهَا لِجَعْفَرٍ، وَقَالَ: إِنَّ خَالَتَهَا عِنْدَهُ" [91]

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فیصلہ کیا کہ لڑکی جعفر کے پاس رہے گی کیونکہ ان کے نکاح میں اس کی خالہ ہے (اور خالہ مثل ماں کے ہوتی ہے)۔

مندرجہ بالا احادیثِ مبارکہ سے فقہائے کرام درج ذیل مسائل اخذ کرتے ہیں:

ماں کا حقِ حضانت:

حقِ حضانت ماں کو دیا گیا ہے اس سلسلے میں شرح النقایہ میں درج ہے:

"وهی التربية الولد الصغير (للأم) باجماع اهل العلم۔" [92]

ترجمہ: اہل علم کے اجماع سے ثابت ہے کہ چھوٹے بچے کی پرورش کا حق ماں کے لیے ہے۔

ماں کے بعد بچے کی پرورش کا حق:

ماں کے بعد حق پرورش کے بارے میں شرح النقایۃ میں درج ہے:

"ثم لام الام بان ماتت الام اوتزوجت بغيرذی رحم محرم اولم تكن اهلا لخضانة (وان علت) وعن احمد ان ام الاب احق من ام الام، وانما كانت ام الام احق من ام الاب لماقدمنامن قضية عمرمع جدة ولدة ولده (ثم ام ابيه) اى ثم لام الاب وان علت وقال زفرالاخت

لاب وام اولی، والخالة احق من ام الاب(ثم اختہ)ای اخت الولد لاب وام ثم لام ثم لاب۔'' [93]

ترجمہ: پھر پرورش کی حقدار نانی ہے جبکہ والدہ کا انتقال ہو گیا ہو یا والدہ نے ذی رحم محرم کے علاوہ کسی سے نکاح کر لیا ہو یا وہ پرورش کرنے کے لائق و قابل ہی نہ ہو اگرچہ اس سے اوپر کی ہو یعنی نانی کی والدہ اور امام احمد نے فرمایا: دادی نانی کے مقابلے میں زیادہ حقدار ہے، اور نانی زیادہ حقدار ہے دادی کے مقابلے میں کیونکہ گزشتہ میں ہم نے حضرت عمرؓ کے فیصلے میں بیان کیا ہے جو دادی اور بچہ کے معاملے میں تھا، پھر دادی یعنی باپ کی ماں اگرچہ اوپر تک ہو، اور امام زفر نے فرمایا: سگی بہن اولیٰ ہے اور خالہ دادی سے زیادہ حقدار ہے، پھر بہن یعنی بچے کی سگی بہن، پھر ماں سگی، پھر باپ سگی۔

اس سلسلے میں مولانا عاشق الٰہی مزید لکھتے ہیں:

''جسے بچہ کی پرورش کا حق پہنچتا ہو اسے لڑکے کو سات سال کی عمر ہو جانے تک اور لڑکی کو ۹(نو) سال کی عمر ہو جانے تک پرورش کا حق ملے گا یعنی اتنی مدت تک اپنے پاس رکھ کر پرورش کرنے کا حق ہے۔''[94]

بچے کے اخراجات کی ذمہ داری:

بچہ خواہ کسی کی بھی پرورش میں ہو اس کے اخراجات کی ذمہ داری، اس کے باپ پر عائد ہوتی ہے۔

''نفقة الصغیرواجبة علی ابیه'' [95]

ترجمہ: چھوٹے بچے کا نفقہ باپ پر واجب ہے۔

''انماتجب النفقة علی الاب اذالم یکن للصغیرمال امااذاکان فالاصل ان نفقة الانسان فی مال نفسه صغیرا کان اوکبیرا۔'' [96]

ترجمہ: چھوٹے بچے کے پاس جب مال نہ ہو تو نفقہ باپ پر واجب ہے اور اگر مال ہو تو اس میں اصول یہ ہے کہ اپنے مال سے خرچ کرے چاہے وہ چھوٹا ہو یا بڑا۔

''وتجب نفقة الابنة البالغة والا بن الزمن علی ابویه ثلاثاعلی الاب الثلثان وعلی الام الثلث لان المیراث لماعلی هذاالمقدار'' [97]

ترجمہ: اور بالغ لڑکی اور اپاہج لڑکے کا نفقہ واجب ہو گا ان کے والدین پر بطریق اثلاث یعنی باپ پر دو تہائی اور ماں پر ایک تہائی اس لیے کہ ان دونوں کے لیے میراث اسی مقدار پر ہے۔

باپ کی موجودگی کی صورت میں بچے کی پرورش کا خرچ باپ کے ذمہ ہے اور اگر والد کا انتقال ہو جائے تو قریبی رشتہ داروں پر انکی میراث کے اعتبار سے اخراجات کی ذمہ داری عائد کی جائے گی۔

فصل چہارم

اسلام میں عورت کے معاشی حقوق

دینِ اسلام سے قبل جس طرح عورت کو دوسرے حقوق سے محروم رکھا گیا تھا اسی طرح عورت وراثت کی حقدار بھی نہیں تھی بلکہ مال میراث میں صرف مردوں کا حق تھا۔ دورِ جاہلیت میں یہ تصور رائج تھا کہ عورت کمزور ہے مرد کی غلام ہے۔ اس کے ذریعے مال غنیمت کا حصول بھی نہیں ہو سکتا لہٰذا اسے خاندان کی دولت سے بھی محروم رکھا جائے، اس کے ساتھ ساتھ عورت کو اپنے مال میں تصرف کا اختیار بھی نہیں دیا گیا اسے مہر سے محروم رکھا جاتا یہاں تک کہ وہ اپنے لیے اکتساب رزق کی کوشش بھی نہیں کر سکتی تھی۔ لیکن جب دینِ اسلام کی شمع روشن ہوئی تو دینِ اسلام نے اس ظلم کے خلاف آواز بلند کی اور اس بات کا اعلان کیا کہ جس طرح مرد وراثت کے حقدار ہیں بالکل اسی طرح عورت کے بھی وراثت میں حصے مقرر ہیں، اسے حقِ ملکیت عطا کیا گیا اور ملازمت و تجارت کے حقوق فراہم کیے گئے جن کا تذکرہ پیش خدمت ہے:

حقِ وراثت:

وراثت کا حق مرد اور عورت دونوں کو حاصل ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا'' [98]

ترجمہ: ''مردوں کے لیے حصہ ہے اس میں جو چھوڑ گئے ماں باپ اور قریبی رشتہ دار اور عورتوں کے لیے حصہ ہے اس میں سے جو چھوڑ گئے ماں باپ اور قریبی رشتہ دار اس ترکہ سے خواہ تھوڑا ہو یا زیادہ یہ حصہ (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) مقرر ہے''۔

اس آیتِ مبارکہ کا شان نزول بیان کرتے ہوئے امام قرطبیؒ رقمطراز ہیں:

''یہ آیت اوس بن ثابت انصاری کے بارے میں نازل ہوئی وہ فوت ہوا اور ایک بیوی چھوڑی جس کو ام کجہ کہا جاتا ہے اور اس عورت سے تین بیٹیاں چھوڑیں دو آدمی کھڑے ہوئے، وہ دونوں میت کے چچا کے بیٹے تھے اور اس

کے وصی تھے ان کو سوید اور عرفجہ کہاجاتاہے ان دونوں نے مال لے لیااوراس کی بیوی اوراس کی بیٹیوں کو کچھ نہ دیا اور وہ زمانۂ جاہلیت میں عورتوں کو وارث نہیں بناتے تھے اور نہ چھوٹے کو وارث بناتے تھے اگرچہ وہ مذکر بھی ہو تا وہ کہتے: میراث صرف اسے ملے گی جو گھوڑوں کی پیٹھ پر بیٹھ کر جنگ کرے گا اور نیزہ زنی کر سکتا ہو گا اور تلوار چلا سکتا ہو گا اور غنیمت جمع کر سکتا ہو گا۔ ام کجہ نے یہ واقعہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے ذکر کیا آپ ﷺ نے دونوں کو بلایا تو انہوں نے کہا: یارسول اللہ ﷺ اس کا بیٹا گھوڑے پر سوار نہیں ہو سکتا، نہ تو وہ بوجھ اٹھا سکتا ہے اور نہ دشمن کو زخمی کر سکتا ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تم دونوں واپس جاؤ حتی کہ میں دیکھ لوں جو اللہ تعالیٰ میرے لیے ان کے بارے میں کوئی نیا حکم فرمادے پس اللہ تعالیٰ نے ان کے ردّ میں یہ آیت نازل فرمائی"۔[99]

مندرجہ بالا قرآن مجید کی اس اصولی ہدایت کی روشنی میں وراثت میں مرد اور عورت کے حقوق وراثت کا تعین کر دیا گیا ہے۔ وراثت کی بعض تفصیلات فقہ اور حدیث میں بھی ملتی ہیں۔

احادیثِ مبارکہ میں علم الفرائض کی فضیلت:

عمرو بن العاص سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"الْعِلْمُ ثَلَاثَةٌ،وَمَاسِوَى ذَلِكَ فَهُوفَضْل: آيَةٌ مُحْكَمَةٌ،أَوسُنَّةٌ قَائِمَةٌ، أَوفَرِيضَةٌ عَادِلَةٌ" [100]

ترجمہ: علم دین میں تین چیزیں (اہمیت رکھتی) ہیں اور سوا ان کے فضول ہے ایک آیت جو محکم ہو دوسری حدیث جو صحیح اور مستند ہو تیسری چیز علم الفرائض جس کے ذریعے ترکے کی تقسیم عادلانہ ہو سکے۔

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے علم الفرائض سیکھنے کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا:

" تَعَلَّمُواالقُرْآنَ وَالفَرَائِضَ وَعَلِّمُواالنَّاسَ فَإِنِّي مَقْبُوضٌ " [101]

ترجمہ: قرآن اور (علم) فرائض کو سیکھو اور اسے لوگوں کو بھی سکھاؤ اس لیے کہ میں وفات پانے والا ہوں۔

حضرت جابر بن عبداللہ فرماتے ہیں:

"مَرِضْتُ فَعَادَنِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبُوبَكْرٍ، وَهُمَ

اماشِيَانِ، فَأَتَانِي وَقَدْ أُغْمِيَ عَلَيَّ،فَتَوَضَّارَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَبَّ عَلَيَّ وَضُوءَهُ فَأَفَقْتُ،فَقُلْتُ: يَارَسُولَ اللَّهِ،كَيْفَ أَصْنَعُ فِي مَالِي؟ كَيْفَ أَقْضِي فِي مَالِي؟ فَلَمْ يُجِبْنِي بِشَيْءٍ حَتَّى نَزَلَتْ آيَةُ المَوَارِيثِ" [102]

ترجمہ: جب میں بیمار ہوا تو آنحضرت ﷺ اور حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میری عیادت کرنے پیدل تشریف لائے جب آپ میرے پاس پہنچے اس وقت میں بے ہوش تھا، آپ ﷺ نے وضو فرمایا اور اپنے وضو کا پانی مجھ پر ڈالا تو مجھے افاقہ ہوا(یعنی مجھے ہوش آگیا)، میں نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول ﷺ میں اپنے مال کا کیا فیصلہ کروں ؟ آپ ﷺ نے مجھے کچھ جواب نہ دیا، یہاں تک کہ آیت میراث (**یوصیکم اللہ فی اولادکم**) نازل ہوئی۔

میراث کی لغوی تعریف:

مواریث میراث کی جمع ہے اس سے مراد میت کا ترکہ ہے، لفظ، ارث، ورث، وراثۃ اور تراث بھی اسی معنی میں مستعمل ہیں۔ باب ورث یرث (حسب) وارث ہونا، باب ورث اوراورث، (تفضیل، افعال) وارث بنانا، باب توارث یتوارث (تفاعل) ایک دوسرے کا وارث ہونا۔

مورث ترکہ چھوڑنے والے کو کہتے ہیں اور وارث وہ ہوتا ہے جو ترکہ کا حصہ دار ٹھہرتا ہے اس کی جمع "ورثۃ" اور "ورّاث" آتی ہے۔[103]

میراث کی شرعی تعریف:

ایسے اموال یا حقوق، جنہیں میت کے چھوڑ جانے کی وجہ سے، شرعی وارث ان کا مستحق قرار پائے۔[104]

عورت کا حقِ میراث، قرآنی آیات کی روشنی میں:

شریعت اسلامیہ نے علم الفرائض سیکھنے کی ترغیب دی ہے تاکہ انصاف کی بنیادوں پر وراثت کو تقسیم کیا جاسکے۔ سورۃ نساء میں اللہ رب العزت نے وراثت کی تقسیم کے تمام احکامات کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ جن کا تذکرہ پیشِ خدمت ہے۔

لڑکے اور لڑکی کا حق:

دینِ اسلام نے حقِ وراثت کو خاندان میں محدود رکھا ہے اور تمام خاندان کے افراد کے حقوقِ وراثت کا تعین کر دیا ہے، ان میں اولین حق اولاد کا ہے۔ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے۔

"یُوصِیکُمُ اللّٰہُ فِیٓ أَوْلَادِکُمْ لِلذَّکَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَیَیْنِ"[105]

ترجمہ: "حکم دیتا ہے تمہیں اللہ تمہاری اولاد (کی میراث) کے بارے میں ایک مرد (لڑکے) کا (حصہ) برابر ہے دو عورتوں (لڑکیوں) کے حصہ کے"۔

مندرجہ بالا آیتِ مبارکہ سے درج ذیل معلومات حاصل ہوئیں:

ا۔ وراثت کے حقدار صرف لڑکے نہیں بلکہ لڑکیاں بھی ہیں، یعنی حقِ وراثت دونوں کو حاصل ہے۔

۲۔ لڑکے کا ایک حصہ دو لڑکیوں کے برابر ہے، مثال کے طور پر جس شخص کا انتقال ہو جائے اور اس کی اولاد میں ایک لڑکا اور ایک لڑکی ہو تو وراثت تین حصوں میں منقسم ہو گی۔ ایک حصہ ($^1/_3$) لڑکی کو اور دو حصے ($^2/_3$) لڑکے کو ملیں گے اور اگر اولاد میں دو لڑکیاں اور ایک لڑکا شامل ہوں تو وراثت چار حصوں میں تقسیم ہو گی۔ دو حصے ($^2/_4$) دو لڑکیوں کو ملیں گے اور دو حصے لڑکے کو۔

"فَإِنْ کُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَیْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَکَ"[106]

ترجمہ: "پھر اگر ہوں صرف لڑکیاں دو سے زائد تو ان کے لیے دو تہائی ہے جو میت نے چھوڑا"۔

آیتِ مبارکہ کے اس حصے کی روشنی میں:

ا۔ ورثاء میں اگر نرینہ اولاد نہ ہو اور دو سے زائد لڑکیاں ہوں تو اس صورت میں انہیں کل ترکے کا دو تہائی ($^2/_3$) ملے گا۔

یہی حکم دو لڑکیوں کا بھی ہے۔ اس کی دلیل مندرجہ ذیل حدیث مبارکہ ہے:

"عَنْ جَابِرِبْنِ عَبْدِ اللّٰہِ قَالَ: جَاءَتْ امْرَأَةُ سَعْدِ بْنِ الرَّبِیعِ بِابْنَتَیْهَامِنْ سَعْدٍ إِلَی رَسُولِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَتْ: یَارَسُولَ اللّٰہِ، هَاتَانِ ابْنَتَا سَعْدِ بْنِ الرَّبِیعِ، قُتِلَ أَبُوهُمَامَعَکَ یَوْمَ أُحُدٍ شَهِیدًا، وَإِنَّ عَمَّهُمَاأَخَذَ

مَالَهُمَا، فَلَمْ يَدَعْ لَهُمَامَالًاوَلَاتُنْكَحَانِ إِلَّاوَلَهُمَامَالٌ، قَالَ: يَقْضِي اللّٰهُ فِي ذَلِكَ فَنَزَلَتْ: آيَةُ المِيرَاثِ، فَبَعَثَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى عَمِّهِمَا، فَقَالَ: أَعْطِ ابْنَتَيْ سَعْدٍ الثُّلُثَيْنِ،وَأَعْطِ أُمَّهُمَاالثُّمُنَ،وَمَابَقِيَ فَهُولَكَ '' 107

ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہ روایت کرتے ہیں کہ سعد بن ربیع کی بیوی اپنی دو بیٹیوں کے ہمراہ رسول خدا ﷺ کے پاس آئیں اور عرض کی کہ اے اللہ کے رسول ﷺ یہ دونوں سعد بن ربیع کی بیٹیاں ہیں، ان کے باپ کو آپ ﷺ کی رفاقت میں احد کے دن شہید کیا گیا اور ان کے چچا نے ان لڑکیوں کا سارا مال لے لیا اور ان کے لیے کچھ مال بھی نہ چھوڑا، ان کا نکاح نہیں ہو سکتا جب تک کہ ان کا کچھ مال نہ ہو آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ فیصلہ فرمادے گا اس باب میں سو آیتِ میراث نازل ہوئی اور حضور ﷺ نے ان کے چچا کو حکم بھیجا کہ سعد کی بیٹیوں کو دو ثلث اور ان کی ماں کو آٹھواں حصہ دے دو اور جو باقی بچے وہ سب تیرا ہے۔

'' وَإِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ''108

ترجمہ: ''اور اگر ہو ایک ہی لڑکی تو اس کے لیے نصف ہے''۔

مندرجہ بالا حکم کے مطابق اولاد میں اگر صرف ایک لڑکی ہو اور نرینہ اولاد نہ ہو تو لڑکی نصف جائیداد کی وارث ہو گی۔

اور اگر ''صرف ایک لڑکا ہو تو وہ پورے مال کا وارث ہو گا اس لیے کہ لڑکے کا حصہ لڑکی سے دوگنا ہے جب تنہا ایک لڑکی نصف کی مستحق ہے تو تنہا ایک لڑکے کو کل کا مستحق ہونا ہی چاہیئے البتہ ایک سے زائد لڑکے ہوں، تو وراثت ان کے درمیان مساوی طور پر تقسیم ہو گی۔ اس لیے کہ ایک بھائی اور دوسرے بھائی کے درمیان فرق کی کوئی بنیاد نہیں ہے۔''109

ماں اور باپ کا حق:

اولاد کے بعد وراثت کا حق ماں باپ کو حاصل ہے۔ جس طرح قرآن مجید میں اولاد کے حقِ وراثت کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ اسی طرح ماں باپ کے حقِ وراثت کو بھی مفصل بیان کیا گیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

''وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِنْ كَانَ لَهُ وَلَدٌ فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ وَلَدٌ وَوَرِثَهُ أَبَوَاهُ فَلِأُمِّهِ الثُّلُثُ فَإِنْ كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ فَلِأُمِّهِ السُّدُسُ''[110]

ترجمہ: ''اور میت کے ماں باپ میں سے ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا اس سے جو میت نے چھوڑا بشرطیکہ میت کی اولاد ہو اور اگر نہ ہو اس کی اولاد اور اس کے وارث صرف ماں باپ ہی ہوں تو اس کی ماں کا تیسرا حصہ ہے۔(باقی سب باپ کا) اور اگر میت کے بہن بھائی بھی ہوں تو ماں کو چھٹا ہے''۔

مندرجہ بالا آیتِ مبارکہ کی روشنی میں وراثت کی تقسیم میں ماں باپ کا حصہ بیان کرتے ہوئے صاحب تفسیر ضیاء القرآن لکھتے ہیں:

والدین کے وارث بننے کی تین مختلف صورتیں ہیں:

۱۔ماں باپ موجود ہوں اور اولاد بھی ہو خواہ لڑکا یا لڑکی ایک یا زیادہ، اس صورت میں ماں باپ کو چھٹا چھٹا حصہ ملے گا اور بقایا ۴/۶ اولاد میں حسبِ قاعدہ تقسیم ہو گا۔

۲۔صرف ماں باپ وارث ہوں میت کی اولاد بھی نہ ہو اور بہن بھائی بھی نہ ہوں اس صورت میں ماں کا ۱/۳ اور بقیہ دو تہائی باپ کا۔ یہاں بہن بھائی کے نہ ہونے کی تصریح نہیں کی کیونکہ تیسری صورت میں اس کی وضاحت آرہی ہے۔

۳۔میت کی اولاد تو نہ ہو لیکن اس کے بھائی یا بہن ہوں اس صورت میں ماں کو چھٹا حصہ اور بقیہ ۵/۶ باپ کو۔ بھائی بہن خواہ عینی ہوں یعنی ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہوں خواہ علاتی یعنی باپ ایک مائیں الگ الگ یا اخیافی یعنی ماں ایک باپ الگ الگ۔ ان سب حالتوں میں ایک ہی حکم ہے، باپ کے باعث بھائی بہنوں کو حصہ نہ ملے گا۔[111]

اولاد اور والدین کے حقِ وراثت کو تفصیل سے بیان کرنے کے بعد آیتِ مبارکہ کے آخری حصے میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

''مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ دَيْنٍ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ لَا تَدْرُونَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا فَرِيضَةً مِنَ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا''[112]

ترجمہ: ''(اور یہ تقسیم) اس وصیت کو پورا کرنے کے بعد ہے جو میت نے کی اور قرض ادا کرنے کے بعد تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے تم نہیں جانتے کون ان

میں سے زیادہ قریب ہے تمہیں نفع پہنچانے میں یہ حصے مقرر ہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بے شک اللہ تعالیٰ (تمہاری مصلحتوں کو) جاننے والا بڑا دانا ہے۔"

اس آیتِ مبارکہ میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ اگر میت نے کوئی وصیت کی ہو یا اس کے ذمہ کوئی قرض ہو تو وصیت کی تعمیل کے بعد اور قرض کی ادائیگی کے بعد وراثت وارثوں میں تقسیم ہو گی۔

میاں اور بیوی کا حق:

سورۃ نساء میں میاں اور بیوی کی وراثت کے احکام کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ إِن لَّمْ يَكُن لَّهُنَّ وَلَدٌ فَإِن كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِن بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِينَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِن لَّمْ يَكُن لَّكُمْ وَلَدٌ فَإِن كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُم مِّن بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ"[113]

ترجمہ: "اور تمہارے لیے نصف ہے جو چھوڑ جائیں تمہاری بیویاں، بشرطیکہ نہ ہو ان کی اولاد اور اگر ہو انکی اولاد تو تمہارے لیے چوتھائی ہے اس سے جو وہ چھوڑ جائیں (یہ تقسیم) اس وصیت کے پورا کرنے کے بعد ہے جو وہ کر جائیں اور قرض ادا کرنے کے بعد اور تمہاری بیویوں کا چوتھا حصہ ہے اس سے جو تم چھوڑو بشرطیکہ نہ ہو تمہاری اولاد اور اگر ہو تمہاری اولاد تو ان کا آٹھواں حصہ ہے اس سے جو تم پیچھے چھوڑ جاؤ (یہ تقسیم) اس وصیت کو پورا کرنے کے بعد ہے جو تم نے کی ہو اور (تمہارا) قرض ادا کرنے کے بعد۔"

اس آیتِ مبارکہ کی رو سے اگر بیوی بے اولاد ہو تو شوہر کا نصف (آدھا) حصہ ہے اور اگر عورت کی اولاد ہو تو شوہر کا چوتھائی حصہ ہے اور اگر شوہر بے اولاد ہو تو بیوی کا چوتھائی (ربع) حصہ ہے اور اگر شوہر کی اولاد ہو تو اس کا ثمن یعنی آٹھواں حصہ ہے۔

اخیافی بہن بھائی کا حق:

سورۃ النساء میں اخیافی بھائی بہن کے حقِ وراثت کو بھی تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ مولانا مجیب اللہ ندوی اخیافی بھائی بہن کی تعریف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"جن کے باپ تو دو یا اس سے زیادہ ہوں مگر ماں ایک ہو، یعنی انکی ماں نے ایک شوہر کے انتقال یا طلاق کے بعد دوسری شادی کر لی ہو اور دونوں شوہروں سے اولاد ہو تو یہ تمام آپس میں اخیافی بھائی بہن کہے جائیں گے۔"[114]

ان کے متعلق اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

"وَإِنْ كَانَ رَجُلٌ يُورَثُ كَلَالَةً أَوِ امْرَأَةٌ وَلَهُ أَخٌ أَوْ أُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا السُّدُسُ فَإِنْ كَانُوا أَكْثَرَ مِنْ ذَلِكَ فَهُمْ شُرَكَاءُ فِي الثُّلُثِ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصَى بِهَا أَوْ دَيْنٍ غَيْرَ مُضَارٍّ وَصِيَّةً مِنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَلِيمٌ"[115]

ترجمہ: "اور اگر ہو وہ شخص جس کی میراث تقسیم کی جانے والی ہے کلالہ وہ مرد ہو یا عورت اور اس کا بھائی یا بہن ہو تو ہر ایک کے لیے ان میں سے چھٹا حصہ ہے اور اگر وہ بہن بھائی ایک سے زیادہ ہوں تو سب شریک ہیں تہائی میں (یہ تقسیم) وصیت پوری کرنے کے بعد ہے، جو کی گئی ہے اور قرض ادا کرنے کے بعد بشرطیکہ اس سے نقصان نہ پہنچایا گیا ہو یہ (نظامِ وراثت) حکم ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا بڑا بردبار ہے"۔

اس آیتِ مبارکہ کی روشنی میں اخیافی بھائی بہنوں میں سے ہر ایک کو سدس $\frac{1}{6}$ چھٹا حصہ ملے گا اور اگر اخیافی بھائی بہن ایک سے زیادہ ہوں تو وہ سب تہائی $\frac{1}{3}$ حصے کے حقدار ہونگے۔ یہاں پھر اس بات کی تلقین کی گئی کہ یہ ساری تقسیم وصیت کی تکمیل اور قرض کی ادائیگی کے بعد ہو گی۔

علاتی بہن بھائی کا حق:

سورۃ نساء آیت نمبر ۱۷۶ میں عینی اور علاتی بہن بھائیوں کے حقِ وراثت کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ علاتی بہن بھائی کی تعریف بیان کرتے ہوئے مولانا مجیب اللہ ندوی لکھتے ہیں:

"جن کی مائیں دو یا اس سے زیادہ ہوں اور باپ ایک ہی ہو، یعنی باپ نے کئی شادیاں کی ہوں اور ان بیویوں سے اولاد ہو تو یہ تمام آپس میں علاتی بھائی بہن کہے جائیں گے اور ان میں سے ہر ماں کے بچے آپس میں حقیقی کہلائیں گے"۔[116]

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلَالَةِ إِنِ امْرُؤٌ هَلَكَ لَيْسَ لَهُ وَلَدٌ وَلَهُ أُخْتٌ

فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ وَهُوَ يَرِثُهَا إِنْ لَمْ يَكُنْ لَهَا وَلَدٌ فَإِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثَانِ مِمَّا تَرَكَ وَإِنْ كَانُوا إِخْوَةً رِجَالًا وَنِسَاءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ أَنْ تَضِلُّوا وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ''[117]

ترجمہ: ''(اے میرے رسول) فتویٰ پوچھتے ہیں آپ سے آپ فرمایئے اللہ تعالیٰ فتوی دیتا ہے تمہیں کلالہ (کی میراث) کے بارے میں اگر کوئی ایسا آدمی فوت ہو جائے نہ ہو جس کی کوئی اولاد اور اس کی ایک بہن ہو تو بہن کا نصف حصہ ہے اس کے ترکہ سے اور وہ وارث ہو گا اپنی بہن کا اگر نہ ہو اس بہن کی کوئی اولاد، پھر اگر دو بہنیں ہوں تو ان دونوں کو دو تہائی ملے گا اس سے جو اس نے چھوڑا اور اگر وارث ہوں بہن بھائی مرد بھی اور عورتیں بھی تو مرد (بھائی) کا حصہ دو عورتوں کے حصہ کے برابر ہے صاف صاف بیان کرتا ہے اللہ تمہارے لیے (اپنے) احکام تاکہ گمراہ نہ ہو جاؤ اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔''

اس آیتِ مبارکہ کی تفسیر بیان کرتے ہوئے صاحبِ تفسیر تبیان القرآن لکھتے ہیں:

۱۔ایک شخص فوت ہو اور اس کی صرف ایک بہن ہو تو اس کو اس کے ترکہ میں سے نصف ملے گا پھر اگر اس کے عصبات ہیں تو باقی ترکہ ان کو ملے گا ورنہ وہ باقی نصف بھی اسی بہن کو مل جائے گا۔

۲۔ایک عورت فوت ہو جائے اور اس کا صرف ایک بھائی وارث ہو تو اس عورت کا تمام مال اس بھائی کو مل جائے گا اسی طرح اگر ایک شخص فوت ہو جائے اور اس کا صرف ایک بھائی وارث ہو تو وہ بھی اس کے تمام ترکہ کا وارث ہو گا۔

۳۔کوئی مرد یا عورت فوت ہو اور اس کی صرف دو یا دو سے زائد حقیقی یا علاتی بہنیں ہوں تو ان بہنوں کو دو تہائی ملے گا۔

۴۔کوئی مرد یا عورت فوت ہو اور اس کے وارث صرف بھائی اور بہن ہوں تو ان بہن بھائی میں اس کا ترکہ تقسیم کر دیا جائے گا بایں طور پر کہ مرد کو دو حصہ اور عورت کو ایک حصہ دیا جائے گا۔[118]

مندرجہ بالا تمام آیاتِ مبارکہ میں وراثت کے احکامات بیان کیے گئے ہیں۔ انکی تفصیل حدیث و فقہ کی کتب میں موجود ہے یہاں احکامات کا اجمالاً ذکر کر کے عورت کے حقِ وراثت کو ثابت کیا گیا۔

ایک اعتراض اوراس کاجواب:

عورت اور مرد کے مابین تقسیمِ وراثت میں فرق کیوں؟

معترضین کی طرف سے یہ اعتراض کیاجاتاہے کہ دینِ اسلام میں عورت کووراثت میں مرد کے مساوی حقوق نہیں دیئے گئے یہ ان کی غلط فہمی اور کج فہمی کا نتیجہ ہے۔ اگر یہ تصور ہوتا توعورت کاحصہ یاتوبہت کم ہوتا یااسے وراثت سے بالکل محروم کر دیا جاتا۔ دینِ اسلام کی روسے مرد پر تمام معاشی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں اور عورت کو ان ذمہ داریوں کے بوجھ سے مستثنیٰ قرار دیا گیاہے،اب مرد چونکہ اپنے بیوی بچوں کے اخراجات بھی برداشت کرتا ہے، اگر اس کے والدین موجود ہوں توان کے اخراجات بھی اسی کے ذمہ ہیں۔ بعض ناگزیر حالات میں اپنے بہن بھائیوں اور دوسرے رشتہ داروں کی بھی کفالت اسے کرنی پڑتی ہے لیکن اس کے برعکس عورت معاشی ذمہ داریوں سے آزاد ہے، شادی سے قبل والدین اور شادی کے بعد اس کانان ونفقہ بھی اس کے شوہر کے ذمہ ہے،لہٰذا اگر دونوں کی ذمہ داریوں کو پیش نظر رکھاجائے تواس حساب سے نہ تولڑکے کاحصہ زیادہ ہے اور نہ لڑکی کاکم،بلکہ دینِ اسلام نے دونوں کے درمیان عدل اور توازن قائم رکھاہے اسی لیے ایک مرد کاحصہ دوعورتوں کے برابر رکھا گیا۔

شوہر کے مقابلے میں بیوی کا"نصف" حصہ ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ وہ شوہر سے مہر بھی حاصل کرتی ہے،بیوی کے انتقال کے بعد شوہر کواور شوہر کے انتقال کے بعدبیوی کو وراثت میں ان کاحصہ ملتاہے۔اگر بیوی کاانتقال ہو جائے اور شوہر دوسری شادی کرلے تواسے دوسری بیوی کومہر کی رقم بھی اداکرنی ہے اوردوسری بیوی کانان ونفقہ بھی اسی کے ذمہ ہے۔لیکن اگر شوہر کاانتقال ہو جائے اوربیوی دوسری شادی کرلے تواسے دوسرے شوہر سے مہر بھی ملے گااوراس کانان نفقہ بھی اسی کے ذمہ ہے۔اس صورتحال میں اس سے بڑھ کرانصاف اور کیاہوسکتاہے کہ بیوی کاحصہ شوہر کے حصے سے نصف ہواوراگر بیوی کاحصہ شوہر کے برابر کر دیاجائے تویہ شوہر کے ساتھ ناانصافی ہو گی۔

عورت کاحقِ ملکیت:

دینِ اسلام سے قبل عورت کو حقِ ملکیت سے محروم رکھا گیاتھا۔خاندان کی جائیداد میں اس کاکوئی حصہ نہیں تھااور اگر وہ محنت سے کچھ کما بھی لیتی تووہ اس کے باپ،بیٹے،شوہر یاخاندان کے دوسرے افراد کی ملکیت سمجھا جاتا لیکن دینِ اسلام نے عورت کے حقِ مال وجائیداد کو تسلیم کیااوراس کی مرضی کے بغیر کسی دوسرے کی مداخلت کو ناجائز ٹھہرایا۔جائز ذرائع سے کمائی ہوئی دولت میں جس طرح مرد کو حقِ ملکیت حاصل ہے اسی طرح عورت بھی اس کی حقدار ٹھہرائی گئی ہے۔قرآن مجید کی کئی آیاتِ مبارکہ اس بات کاثبوت پیش کرتی ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيثَ مِنْهُ تُنْفِقُونَ وَلَسْتُمْ بِآخِذِيهِ إِلَّا أَنْ تُغْمِضُوا فِيهِ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ حَمِيدٌ''[119]

ترجمہ: ''اے ایمان والو! خرچ کیا کرو عمدہ چیزوں سے جو تم نے کمائی ہیں اور اس سے جو نکالا ہے ہم نے تمہارے لیے زمین سے اور نہ ارادہ کرو رڈی چیز کا اپنی کمائی سے کہ (تم اسے) خرچ کرو حالانکہ (اگر تمہیں کوئی ردی چیز دے تو) تم نہ لو اسے بجز اس کے کہ چشم پوشی کر لو اس میں اور (خوب) جان لو کہ اللہ تعالیٰ غنی ہے، ہر تعریف کے لائق ہے''۔

اس آیتِ مبارکہ میں تمام مومنین کو خطاب کیا گیا ہے جس میں مرد و عورت کی تفریق نہیں کی گئی، دونوں کو اپنا مال خرچ کرنے کی طرف رغبت دلائی جارہی ہے جو انہوں نے کمایا۔ لہٰذا عورت جب کسی مال کی مالک ہو گی تب ہی وہ اپنی مرضی سے اس میں سے خرچ کر سکتی ہے۔ سورۃ احزاب میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

''وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَى وَأَقِمْنَ الصَّلَاةَ وَآتِينَ الزَّكَاةَ وَأَطِعْنَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا''[120]

ترجمہ: ''اور ٹھہری رہو اپنے گھروں میں اور اپنی آرائش کی نمائش نہ کرو، جیسے سابق دورِ جاہلیت میں رواج تھا اور نماز قائم کرو اور زکوۃ دیا کرو اور اطاعت کیا کرو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی، اللہ تعالیٰ تو یہی چاہتا ہے کہ تم سے دور کر دے پلیدی کو، اے نبی کے گھر والو! اور تم کو پوری طرح صاف کر دے''۔

اس آیتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے عورت کو زکوۃ کی ادائیگی کا حکم دیا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ عورت صاحب مال ہو گی، وہ مال اس کی ملکیت میں ہو گا اور نصاب تک پہنچے گا تب ہی وہ زکوۃ کی ادائیگی کی موجب ہو سکتی ہے۔ مندرجہ بالا آیاتِ مبارکہ کے علاوہ بھی کئی آیات موجود ہیں جن سے عورت کا حقِ ملکیت ثابت ہوتا ہے۔

میراث میں عورت کا حقِ ملکیت:

اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

''لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا''[121]

ترجمہ: ''مردوں کے لیے حصہ ہے اس میں سے جو چھوڑ گئے ماں باپ اور قریبی رشتہ دار اور عورتوں کے لیے حصہ ہے اس میں سے جو چھوڑ گئے ماں باپ اور قریبی رشتہ دار اس ترکہ سے خواہ تھوڑا ہو یا زیادہ یہ حصہ (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) مقرر ہے''۔

مندرجہ بالا آیتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے عورت کو میراث میں حقِ ملکیت کی نوید سنائی ہے دینِ اسلام نے عورت کا میراث میں حصہ مقرر کر کے اسے مالِ وراثت کا مالک بنا دیا۔ جس سے وہ قبل از اسلام سے محروم تھی۔

مہر کے ذریعے حقِ ملکیت:

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

''وَآتُوا النِّسَاءَ صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً فَإِن طِبْنَ لَكُمْ عَن شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوهُ هَنِيئًا مَّرِيئًا''[122]

ترجمہ: ''اور دیا کرو (اپنی) عورتوں کو ان کے مہر خوشی خوشی پھر اگر وہ بخش دیں تمہیں کچھ اس سے خوش دلی سے، تو کھاؤ اسے لذت حاصل کرتے ہوئے خوشگوار سمجھتے ہوئے''۔

اس آیتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے عورت کو حقِ مہر عطا فرمایا اور اسے اختیار دیا کہ وہ مہر کی رقم جہاں چاہے خرچ کر سکتی ہے۔ کسی اور کو مہر کی رقم میں تصرف کا حق نہیں دیا، اگر بیوی خود چاہے تو شوہر کو اس میں تصرف کا حق دے سکتی ہے۔ عورت اپنے مہر کی رقم میں صاحب اختیار ہے جس سے اس کی ملکیت ثابت ہوتی ہے۔

نفقہ میں عورت کا حقِ ملکیت:

دینِ اسلام نے عورت کو نفقے کا حق عطا کیا اور یہ ذمہ داری مرد پر بحیثیت باپ، شوہر اور بیٹا عائد کی کہ وہ

عورت کو شادی سے قبل اور مابعد رخصتی نفقہ فراہم کریں۔ پھر عورت کو اختیار دیا کہ وہ اپنی مرضی سے نفقے میں تصرف کر سکتی ہے۔ مثلاً صدقہ، خرید و فروخت اور ہبہ وغیرہ۔

خرید و فروخت میں عورت کا حقِ ملکیت:

دینِ اسلام میں جس طرح دوسرے معاملات میں عورت کو حقِ ملکیت عطا کیا اسی طرح خرید و فروخت کے معاملات میں بھی عورت کو آزادی دی ہے کہ وہ اپنی مرضی سے خرید و فروخت کر سکتی ہے۔ جس کا ثبوت درج ذیل احادیث ہیں:

"قَالَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا: دَخَلَ عَلَيَّ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَذَكَرْتُ لَهُ،فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اشْتَرِي وَأَعْتِقِي، فَإِنَّمَا الوَلاَءُ لِمَنْ أَعْتَقَ،ثُمَّ قَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ العَشِيِّ، فَأَثْنَى عَلَى اللَّهِ بِمَاهُوأَهْلُهُ،ثُمَّ قَالَ: مَابَالُ أُنَاسٍ يَشْتَرِطُونَ شُرُوطًا لَيْسَ فِي كِتَابِ اللَّهِ، مَنِ اشْتَرَطَ شَرْطًالَيْسَ فِي كِتَابِ اللَّهِ فَهُو بَاطِلٌ، وَإِنِ اشْتَرَطَ مِائَةَ شَرْطٍ شَرْطُ اللَّهِ أَحَقُّ وَأَوْثَقُ" [123]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت محمد ﷺ میرے پاس تشریف لائے۔ میں نے آپ سے (بریرہ کے خریدنے کا) ذکر کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا تم اسے خرید و اور آزاد کر دو، ترکہ اسی کو ملتا ہے جو آزاد کرے پھر شام کو آپ (ممبر پر خطبہ سنانے کے لیے) کھڑے ہوئے، پہلے اللہ تبارک وتعالیٰ کی حمد و ثنا کی جس کا وہ اہل ہے پھر فرمایا لوگوں کو کیا ہو گیا ہے وہ شرائط لگاتے ہیں جو اللہ کی کتاب میں نہیں ہیں۔ جو شخص ایسی شرائط لگائے جن کا اللہ نے حکم نہیں دیا وہ باطل ہیں گو یا وہ سو بار شرائط لگائے اللہ نے جو شرط لگائی وہی سچی اور پائیدار ہے۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نقل کرتے ہیں کہ:

"أَنَّ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَاسَاوَمَتْ بَرِيرَةَ،فَخَرَجَ إِلَى الصَّلاَةِ،فَلَمَّاجَاءَ قَالَتْ: إِنَّهُمْ أَبَوْاأَنْ يَبِيعُوهَاإِلَّاأَنْ يَشْتَرِطُواالوَلاَءَ،فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّمَاالوَلاَءُ لِمَنْ أَعْتَقَ" [124]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بریرہ کا سودا کیا پھر آنحضرت ﷺ نماز کے لیے تشریف لے گئے جب آپ ﷺ لوٹ کر آئے تو حضرت عائشہ نے آپ ﷺ سے کہا بریرہ کے مالکوں نے انکار کر دیا ہے وہ اس کے ترکہ کی شرط لگاتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا ترکہ تو اسی کو ملے گا جو آزاد کرے گا۔

مندرجہ بالا احادیثِ مبارکہ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ ''خرید واور آزاد کرو''۔ لہٰذا آپ ﷺ کے الفاظ اس بات کی قوی دلیل ہیں کہ عورت خرید و فروخت کر سکتی ہے اور عورت تمام تصرفات عامہ میں تصرف کی اہلیت رکھتی ہے مثلاً تجارت، بیع وشرا وغیرہ۔

ملازمت اور تجارت کا حق:

قرونِ اولیٰ میں خواتین اپنی خوشی سے اکتساب رزق کی کوشش وجدوجہد میں شامل ہوتی تھیں۔ علامہ شبلی نعمانی ام المومنین حضرت زینب بنت جحش، کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''نہایت تابع اور فیاض طبع تھیں، خود اپنے دست وبازو سے معاش کرتی تھیں اور اس کو خدا کی راہ میں لٹا دیتی تھیں۔''[125]

ان کے متعلق علامہ حسین باسلامہ لکھتے ہیں:

''حضرت زینب ام المومنین صناع تھیں چنانچہ چمڑا رنگن لیتی تھیں چمڑا میں پیوند لگا لیتی تھیں چمڑے کو سی لیتی تھیں اور جو آمدنی ہوتی اسے صدقہ کر دیتی تھیں''[126]

دینِ اسلام خواتین کو تجارت سے منع نہیں کرتا بلکہ شرعی لحاظ سے عورت اپنے دائرہ کار میں رہتے ہوئے تجارت کر سکتی ہے اور اس کے لیے مضاربت کا طریقہ کار اختیار کر سکتی ہے۔ ہمارے سامنے اس کا ثبوت ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا پیشہ تجارت ہے جو کہ عرب کی مالدار تاجرہ تھیں۔ عورت کو زراعت، صنعت وحرفت، درس وتدریس، صحافت، تصنیف وتالیف، لین دین اور تجارت وغیرہ سب جائز پیشوں کی اجازت دی گئی ہے۔ ان کیلئے وہ گھر سے باہر نکل سکتی ہے لیکن شریعتِ اسلامیہ نے عورت کے لیے چند حدود وقیود کا تعین کر دیا ہے، جن میں رہتے ہوئے عورت ملازمت وتجارت کر سکتی ہے ایک وجہ تو یہ ہے کہ خاندانی نظام میں کسی قسم کا انتشار وخلل پیدا نہ ہو اور دوسری وجہ یہ ہے کہ عورت باعزت وپاکدامنی کی زندگی گزار سکے۔ ہمیں دورِ رسالت مآب ﷺ میں خواتین کی ملازمت وتجارت کی کئی مثالیں ملتی ہیں ان میں سے کچھ خواتین نے بلامعاوضہ رضاکارانہ طور پر کام کیا اور کچھ نے اجرت ومعاوضے کے عوض کام کیا۔

مریضوں کا علاج اور تیمارداری:

دورِ رسالت مآب ﷺ میں خواتین جہاد میں شرکت کرتیں اور مریضوں کا علاج و تیمارداری اور مرہم پٹی کرتیں۔ جس کا ثبوت پیش خدمت ہے۔

ثعلبہ بن ابی مالک فرماتے ہیں کہ:

"إِنَّ عُمَرَبْنَ الخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ،قَسَمَ مُرُوطًابَيْنَ نِسَاءٍ مِنْ نِسَاءِ المَدِينَةِ،فَبَقِيَ مِرْطٌ جَيِّدٌ،فَقَالَ لَهُ بَعْضُ مَنْ عِنْدَهُ: يَاأَمِيرَالمُؤْمِنِينَ،أَعْطِ هَذَاابْنَةَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الَّتِي عِنْدَكَ،يُرِيدُونَ أُمَّ كُلْثُومٍ بِنْتَ عَلِيٍّ،فَقَالَ عُمَرُ: أُمُّ سَلِيطٍ أَحَقُّ،وَأُمُّ سَلِيطٍ مِنْ نِسَاءِ الأَنْصَارِ، مِمَّنْ بَايَعَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ عُمَرُ: فَإِنَّهَاكَانَتْ تَزْفِرلَنَاالقِرَبَ يَوْمَ أُحُدٍ" 127

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مدینہ کی عورتوں میں چادریں تقسیم کیں ایک عمدہ چادر باقی بچی تو جولوگ ان کے پاس بیٹھے تھے ان میں سے کسی نے کہا: اے امیر المومنین یہ چادر آنحضرت ﷺ کی نواسی کو دیجیے انکی مراد حضرت ام کلثوم تھیں جو حضرت علی کی صاحبزادی تھیں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ام سلیط اس کی زیادہ حق دار ہیں، ام سلیط انصاری خواتین میں سے تھیں، انہوں نے آنحضرت ﷺ سے بیعت کی تھی، حضرت عمر کہنے لگے کہ یہ ام سلیط جنگِ احد کے دن ہمارے لیے مشکیں لادلاد کر لاتیں۔

ربیع بنت معوذ سے مروی ہے وہ فرماتی ہیں:

"كُنَّامَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَسْقِي وَنُدَاوِي الجَرْحَى،وَنَرُدُّ القَتْلَى إِلَى المَدِينَةِ" 128

ترجمہ: ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ (جہاد میں) لوگوں کو پانی پلاتیں اور زخمیوں کی مرہم پٹی کرتیں اور جو لوگ مارے جاتے انکی لاشیں مدینہ کی طرف واپس لوٹاتیں۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں:

"كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَغْزُوبِأُمِّ سُلَيْمٍ وَنِسْوَةٍ مِنَ الْأَنْصَارِمَعَهُ إِذَاغَزَا،فَيَسْقِينَ الْمَاءَ،وَيُدَاوِينَ الْجَرْحَى "[129]

ترجمہ: جب رسول کریم ﷺ جہاد کرتے تھے تو حضرت ام سلیم اور انصار کی کچھ عورتیں آپ کے ساتھ موجود ہوتی تھیں وہ پانی پلاتیں اور زخمیوں کو دوا دیتیں۔

ڈاکٹر لیاقت علی خان نیازی اپنی کتاب "اسلام کا نظامِ حیات" میں صحابیات رضی اللہ تعالیٰ عنہن سے متعلق لکھتے ہیں:

"حضرت خولہ اور حضرت اسماء رضی اللہ تعالی عنہما تجارت کرتی تھیں، حضرت سودہ کھالوں کی دباغت کا کام جانتی تھیں، جہاد میں ہنگامی طور پر حضرت ام عمارہ نے غزوۂ احد میں، حضرت صفیہ بنت عبد المطلب نے غزوۂ خندق میں، ام سلیم نے غزوۂ حنین میں اور حضرت کعیبہ بنت سعد نے غزوۂ احزاب اور غزوۂ خیبر میں حصہ لیا تھا، غزوۂ احد کے موقع پر حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بھی خدمات سرانجام دیں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور ام سلیط بھی جنگِ احد میں شامل تھیں۔"[130]

مندرجہ بالا حوالہ جات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ خواتین مریضوں کی تیمارداری اور انکا علاج کر سکتی ہیں، اسکی اشد ضرورت ہے کہ خواتین ڈاکٹر اور نرس وغیرہ کے پیشے اختیار کریں تاکہ خواتین کا علاج با آسانی ممکن ہو سکے۔

گلہ بانی وکاشتکاری:

سہل بن سعد روایت کرتے ہیں:

"كَانَتْ فِينَاامْرَأَةٌ تَجْعَلُ عَلَى أَرْبِعَاءَ فِي مَزْرَعَةٍ لَهَاسِلْقًا،فَكَانَتْ إِذَاكَانَ يَوْمُ جُمُعَةٍ تَنْزِعُ أُصُولَ السِّلْقِ،فَتَجْعَلُهُ فِي قِدْرٍ،ثُمَّ تَجْعَلُ عَلَيْهِ قَبْضَةً مِنْ شَعِيرٍتَطْحَنُهَا،فَتَكُونُ أُصُولُ السِّلْقِ عَرْقَهُ،وَكُنَّانَنْصَرِفُ مِنْ صَلاَةِ الْجُمُعَةِ،فَنُسَلِّمُ عَلَيْهَا،فَتُقَرِّبُ ذَلِكَ الطَّعَامَ إِلَيْنَا،فَنَلْعَقُهُ وَكُنَّانَتَمَنَّى يَوْمَ الْجُمُعَةِ لِطَعَامِهَاذَلِكَ "[131]

ترجمہ: ہم لوگوں میں ایک عورت تھی وہ اپنے کھیت کی نالی پر چقندر بوتی اور جمعہ کے دن وہ چقندر کی جڑیں نکالتی، پھر ایک ہانڈی میں پکاتی، پھر اس کے اوپر سے مٹھی بھر جو کا پیسا آٹا ڈال دیتی، تو چقندر کی جڑیں بہت نرم ہو جاتیں اور ہم

لوگ جمعہ کی نماز پڑھ کر ان کے گھر پر جاتے اور ان کو سلام کرتے، وہ یہ کھانا ہمیں پیش کرتیں، ہم اس کو تناول کرتے اور اس کھانے کے خیال سے ہم جمعہ کے دن کی آرزو کرتے۔

حضرت جابر بن عبد اللہ بیان کرتے ہیں کہ:

"أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ عَلَى أُمِّ مُبَشِّرالْأَنْصَارِيَّةِ فِي نَخْلٍ لَهَا،فَقَالَ لَهَاالنَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ غَرَسَ هَذَاالنَّخلَ؟ أَمُسْلِمٌ أَمْ كَافِرٌ؟ فَقَالَتْ: بَلْ مُسْلِمٌ،فَقَالَ: لَايَغْرِسُ مُسْلِمٌ غَرْسًا،وَلَايَزْرَعُ زَرْعًا،فَيَأْكُلَ مِنْهُ إِنْسَانٌ،وَلَادَابَّةٌ،وَلَاشَيْءٌ،إِلَّاكَانَتْ لَهُ صَدَقَةً"[132]

ترجمہ: نبی کریم ﷺ حضرت ام مبشر انصاریہ کے کھجور کے باغ میں تشریف لے گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے پوچھا یہ کھجور کا درخت کس شخص نے لگایا تھا، وہ شخص مسلمان تھا یا کافر؟ حضرت ام مبشر نے کہا وہ مسلمان تھا (یعنی مسلمان نے لگایا) آپ نے فرمایا: جو مسلمان بھی کوئی درخت لگاتا ہے یا کوئی کھیت اگاتا ہے پس اس درخت یا کھیت سے کوئی انسان یا کوئی چوپایا یا کوئی بھی جانور کھائے تو وہ اس کے لیے صدقہ بن جاتا ہے۔

مندرجہ بالا احادیثِ مبارکہ میں کھیتی باڑی کی فضیلت بیان کی گئی ہے جس کے سبب خواتین کو صحابیات سے کھیتی باڑی کرنے کا درس ملتا ہے۔

درس و تدریس:

دینِ اسلام میں درس و تدریس کی بہت اہمیت ہے۔ دورِ رسالت مآب ﷺ میں بھی خواتین درس و تدریس کے شعبے سے وابستہ رہیں جن میں سے کچھ کا تذکرہ ڈاکٹر ذاکر نائیک نے اپنی کتاب "مسلمان عورت" میں کیا ہے جو پیشِ خدمت ہے:

حضرت عائشہ - عظیم ترین عالمہ اور معلمہ:

اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو پہلے خلیفہ اسلام حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صاحبزادی اور رسول اللہ ﷺ کی زوجہ مطہرہ تھیں اور آپ مسلمان مردوں اور عورتوں کی دینی معاملات میں مسلسل رہنمائی فرماتی تھیں آپ سے رہنمائی حاصل کرنے والوں میں وقت کے خلیفہ اور اکابر صحابہ بھی شامل

تھے۔اروی بنت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان کی ایک ہونہار شاگردہ تھیں ان کا کہنا تھا کہ قرآنی تفہیم یعنی تشریح، فرائض، جائز اور ناجائز معاملات، ادب، شاعری اور عرب کی تاریخ میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بڑا عالم کوئی اور ان کی نظر سے نہیں گزرا۔

حضرت صفیہ-فقہ کی ماہرہ:

آپ ﷺ کی زوجہ محترمہ حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اسلامی فقہ پر خصوصی ملکہ حاصل تھا۔امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے دور میں علم وذہانت میں ممتاز ترین حیثیت کی حامل تھیں۔

امّ سلمہ-۳۲عالموں کی استاد:

امّ المومنین حضرت امّ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی بلند پایہ علمی مقام رکھتی تھیں اور ابن حجر عسقلانی کے مطابق ۳۲سے زائد علماء نے آپ کی رہنمائی میں حصولِ علم کے مراحل طے کئے۔

فاطمہ بنت قیس-مکالمہ بالدلائل کی ماہرہ:

فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت قیس فقہ پر عبور رکھتی تھیں اور انہیں مکالمہ بالدلائل پر خصوصی ملکہ حاصل تھا ایک دفعہ ایک علمی مناقشہ پر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پورا دن بحث کرتی رہیں اور وہ دونوں ان کے دلائل کو غلط ثابت نہ کر سکے۔امام نووی کے مطابق فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اولین ہجرت کرنے والوں میں شامل تھیں اور کتنے ہی علوم پر دسترس رکھتی تھیں۔[133]

مندرجہ بالا حوالہ جات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ایک اسلامی معاشرے میں عورتوں کے لیے درس وتدریس، ڈاکٹر، نرس، سلائی کڑھائی اور دستکاریاں وغیرہ بہت پسندیدہ شعبے ہیں۔عورت چاہے تو وہ گھر کے اندر رہ کر بھی کام کر سکتی ہے۔ اس کے علاوہ وہ ایسی صنعتوں اور فیکٹریوں میں بھی کام کر سکتی ہے جہاں مرد اور عورت کا اختلاط نہ ہو کیونکہ دینِ اسلام میں مردوں اور عورتوں کے آزادانہ میل جول کی ممانعت ہے۔عورت کاروبار بھی کر سکتی ہے اور کاروبار میں جب بھی نامحرم مردوں سے معاملات طے کرنے کی ضرورت پیش آجائے تو وہ اپنے باپ، بیٹے، بھائی اور شوہر کے ذریعے معاملات طے کرواسکتی ہے۔لہٰذا دینِ اسلام عورت کی ملازمت پر پابندی نہیں لگاتا کیونکہ قرآن وحدیث میں کہیں بھی عورت کے کام کرنے پر پابندی نہیں لگائی گئی لیکن شرط یہ ہے کہ کام شرعی تقاضوں کے مطابق ہو، غیر شرعی نہ ہو اور عورت کا لباس اسلامی ستر کے مطابق ہو، کوئی ایسا پیشہ اختیار نہ کیا جائے

جس کا مقصد صرف جسمانی آرائش وزیبائش کی تشہیر ہو مثال کے طور پر ٹی وی ڈراموں اور فلموں میں اداکاری، ماڈلنگ اور اسی سے مشابہت رکھنے والے دوسرے کام بھی ممنوع ہیں۔

فصل پنجم

ا۔ اسلام میں عورت کے سیاسی و قانونی حقوق

دین اسلام نے جہاں عورت کی عزت، عصمت، وقار، عزتِ نفس اور اسکی خواہشات کا احترام کیا ہے وہیں اس کو قانونی حقوق کا تحفظ فراہم کر کے اسے معاشرے کا باعزت شہری بنا دیا، جس طرح عورت عائلی، معاشی اور معاشرتی قوانین کے حصار میں محفوظ ہے بالکل اسی طرح شریعتِ اسلامیہ نے قانوناً بھی اسکے حقوق کو تحفظ فراہم کیا ہے، جس میں حقِ شہادت، حق مشاورت، تنقید واحتساب کا حق، ریاست کی دفاعی ذمہ داریوں میں نمائندگی کا حق وغیرہ شامل ہے، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ قدرت نے عورت میں تخلیقی صلاحیتوں کے ساتھ ساتھ ملکی و قانونی معاملات چلانے کی بھی صلاحیت رکھی ہے۔ عہدِ رسالت مآب ﷺ کے علاوہ خلفائے راشدین اور قرونِ اولیٰ میں بھی ایسی کئی امثال موجود ہیں جن میں عورت کے قانونی حقوق کو تحفظ فراہم کیا گیا۔

حق شہادت:

سب سے پہلے شہادت کی تعریف کا بیان ہو گا، بعد ازاں شہادتِ نسواں کے مقامات کی وضاحت کی جائے گی۔

شہادت (گواہی) کی تعریف:

"هي اخبار بحق للغير على آخر، الاخبارات ثلثة: امابحق للغير على أخر وهو الشهادة، او بحق للمخبر على أخر وهو الدعوى اوبالعكس وهو الاقرار" [134]

ترجمہ: شہادت اس خبر کو کہتے ہیں جو کسی شخص کے خلاف دوسرے کے حق کی وجہ سے دی جائے، پھر یہ خبریں تین طرح کی ہوں گی، پہلی خبر وہ جو دوسرے پر کسی کے حق کی وجہ سے دی جائے وہ گواہی کہلاتی ہے اور دوسری قسم یہ کہ کسی دوسرے شخص کے خلاف اپنے حق میں خبر دیناای دعویٰ کہلائے گا اور تیسری خبر کہ کسی دوسرے شخص کے حق کی وجہ سے اپنے خلاف خبر دینا یہ اقرار کہلاتا ہے۔

شہادت قرآن وحدیث کی روشنی میں:

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

''وَإِنْ كُنْتُمْ عَلَى سَفَرٍ وَلَمْ تَجِدُوا كَاتِبًا فَرِهَانٌ مَقْبُوضَةٌ فَإِنْ أَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِي اؤْتُمِنَ أَمَانَتَهُ وَلْيَتَّقِ اللَّهَ رَبَّهُ وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ وَمَنْ يَكْتُمْهَا فَإِنَّهُ آثِمٌ قَلْبُهُ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ''[135]

ترجمہ: ''اوراگر تم سفر میں ہو اور نہ پاؤ کوئی لکھنے والا تو کوئی چیز گروی رکھ لیا کرو اور اس کا قبضہ دے دیا کرو پھر اگر اعتبار کرے کوئی تم میں سے دوسرے پر پس چاہیے کہ ادا کردے وہ جس پر اعتبار کیا گیا ہے اپنی امانت کو اور ضروری ہے کہ ڈرتا رہے اللہ سے جو اس کا رب ہے اور مت چھپاؤ گواہی کو اور جو شخص چھپاتا ہے اسے تو یقیناً گنہگار ہے اس کا ضمیر اور اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کرتے ہو خوب جاننے والا ہے''۔

احادیثِ مبارکہ میں بھی شہادت کی تلقین کی گئی ہے:

''حَدَّثَنِي زَيْدُ بْنُ خَالِدٍ الْجُهَنِيُّ، أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: خَيْرُالشُّهَدَاءِ مَنْ أَدَّى شَهَادَتَهُ قَبْلَ أَنْ يُسْأَلَهَا'' [136]

ترجمہ: زید بن خالد الجہینی روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: گواہوں میں بہترین گواہ وہ ہے جو قبل از سوال گواہی دے۔

حدیث مبارکہ کی رو سے جھوٹی گواہی کو گناہ کبیرہ شمار کیا گیا ہے۔

''عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ،قَالَ: سُئِلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الكَبَائِرِ،قَالَ: الإِشْرَاكُ بِاللَّهِ،وَعُقُوقُ الوَالِدَيْنِ،وَقَتْلُ النَّفْسِ،وَشَهَادَةُ الزُّورِ''[137]

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا کہ آنحضرت ﷺ سے گناہ کبیرہ سے متعلق سوال کیا گیا (کہ کون سے ہیں) آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک کرنا اور والدین کی

نافرمانی کرنا اور ناحق قتل کرنا اور جھوٹی گواہی دینا۔

دینِ اسلام نے جو قانونِ شہادت پیش کیا ہے اس میں بعض معاملات میں صرف مردوں کی گواہی معتبر ہے بعض میں ایک مرد اور دو عورتوں کی اور بعض معاملات میں صرف عورتوں کی گواہی معتبر مانی جاتی ہے اس قانون شہادت میں دو عورتوں کی گواہی کو ایک مرد کی گواہی کے مساوی قرار دیا گیا ہے۔ اس کی تفصیل پیشِ خدمت ہے:

حدود و قصاص میں شہادت:

کسی شخص پر حد نافذ کرنے کے لئے یا کسی شخص سے قصاص لینے کے لیے دو مردوں کی گواہی لازمی قرار دی گئی جبکہ بدکاری کے ثبوت کے لئے چار مردوں کی شہادت قابل قبول ہے۔ اس کے بغیر نہ تو بدکاری کا الزام ثابت ہو گا اور نہ ہی کوئی حد جاری کی جائے گی۔ قرآن مجید میں بدکاری کے ثبوت کے لیے نصابِ شہادت کا ذکر درج ذیل آیات میں کیا گیا ہے ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

''وَاللَّاتِي يَأْتِينَ الْفَاحِشَةَ مِن نِّسَائِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوا عَلَيْهِنَّ أَرْبَعَةً مِّنكُمْ فَإِن شَهِدُوا فَأَمْسِكُوهُنَّ فِي الْبُيُوتِ حَتَّىٰ يَتَوَفَّاهُنَّ الْمَوْتُ أَوْ يَجْعَلَ اللَّهُ لَهُنَّ سَبِيلًا''[138]

ترجمہ: ''اور جو کوئی ارتکاب کرے بدکاری کا تمہاری عورتوں میں سے تو گواہ طلب کرو (تہمت لگانے والے سے) ان پر چار مرد اپنوں میں سے پھر اگر وہ گواہی دے دیں تو بند کر دو ان عورتوں کو گھروں میں یہاں تک کہ پورا کر دیں ان (کی زندگی) کو موت یا بنا دے اللہ تعالیٰ ان (کی رہائی) کے لیے کوئی راستہ''۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

''وَالَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ فَاجْلِدُوهُمْ ثَمَانِينَ جَلْدَةً وَلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةً أَبَدًا وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ''[139]

ترجمہ: ''اور وہ لوگ جو تہمت لگاتے ہیں پاکدامن عورتوں پر پھر وہ نہ پیش کر سکیں چار گواہ تو لگاؤ (ان تہمت لگانے والوں) کو اسّی درّے اور نہ قبول کرنا ان کی کوئی گواہی ہمیشہ کے لئے اور وہی لوگ فاسق ہیں۔''

مندرجہ بالا آیاتِ مبارکہ میں اربعۃ منکم اور اربعۃ شھداء کے الفاظ اس بات کی عکاسی کر رہے ہیں کہ بدکاری کے ثبوت کے لئے چار گواہوں (مردوں) کی شہادت ضروری ہے۔

مصنف شرح الوقایہ لکھتے ہیں:

"نصابھا لزنا اربعة رجال وللعقود وباقی الحدود رجلان" 140

ترجمہ: زنا کے گواہوں کا نصاب چار مرد ہیں جبکہ دیگر معاملات اور حدود میں دو مرد گواہ کافی ہیں۔

اس حوالے سے سید جلال الدین عمری مشہور تابعی امام زہری کا قول نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"مصنت السنة من لدن النبیﷺ والخلیفتین من بعده ان لاشهادة للنساء فی الحدود والقصاص" 141

ترجمہ: نبی ﷺ اور آپ کے بعد کے دونوں خلفاء (یعنی شیخین) کے عہد سے یہی طریقہ کار رہا ہے کہ حدود و قصاص میں عورتوں کی شہادت قابل قبول نہیں۔

دینِ اسلام میں انسان کی جان و مال اور اس کی عزت و آبرو کے تحفظ کے لئے حدود و قصاص کا نظام قائم کیا ہے تاکہ جرائم کے مرتکب افراد کو سزا دی جاسکے اور اگر کوئی شخص کسی کو قتل کر دے تو قصاص کے نظام کے تحت اس کی جان لی جاتی ہے۔ اگر غیر شادی شدہ شخص بدکاری کا ارتکاب کرے تو اس کے لیے سو (100) کوڑوں کی سزا مقرر کی گئی ہے۔ جب کہ شادی شدہ شخص اس گناہ کا ارتکاب کرے تو اسے سنگسار کر دینے کا حکم ہے اور اگر کسی کی چوری ثابت ہو جائے تو اس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم ہے۔ اسی طرح شراب نوشی اور تہمت بازی کے لیے بھی سزاؤں کے احکامات جاری کیے گئے ہیں۔ ان تمام سنگین جرائم سے عورت کا واسطہ کم پڑتا ہے کیونکہ وہ گھر کی منتظمہ ہے، اس حوالے سے اس کا مشاہدہ اور اس کی معلومات اتنی نہیں ہوتی جتنی مرد کی ہوتی ہیں، عورت کے لئے ان تمام جرائم کو غور سے دیکھنا، ذہن میں محفوظ رکھنا اور پھر عدالت میں بیان کرنا آسان نہیں ہوتا۔ عورت اپنے مزاج میں نرمی، احساس کی شدت، رحم دلی اور شفقت کے جذبات سے بھرپور ہوتی ہے اس لیے وہ حدود وقصاص میں شہادت کی متحمل نہیں ہو سکتی لہذا عورت کو ان معاملات سے دور رکھا گیا ہے جو کہ فطرت کا تقاضا ہے نہ کہ عورت کے ساتھ ناانصافی و غیر مساوی سلوک ہے۔

حقوق و معاملات میں شہادت:

حقوق و معاملات میں عورت کی شہادت قبول کی جائے گی، حقوق و معاملات کا تعلق چونکہ ہمارے روز مرّہ کے مسائل سے ہوتا ہے اور عورت کا ان معاملات سے واسطہ بدستور قائم رہتا ہے اس لیے حقوق و معاملات میں عورت کی گواہی قابلِ قبول ہے۔

سورۃ بقرہ میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

''یَا أَیُّھَا الَّذِینَ آمَنُوا إِذَا تَدَایَنتُم بِدَیْنٍ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوهُ وَلْيَكْتُب بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌ بِالْعَدْلِ وَلَا يَأْبَ كَاتِبٌ أَن يَكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللَّهُ فَلْيَكْتُبْ وَلْيُمْلِلِ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللَّهَ رَبَّهُ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْئًا فَإِن كَانَ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيهًا أَوْ ضَعِيفًا أَوْ لَا يَسْتَطِيعُ أَن يُمِلَّ هُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهُ بِالْعَدْلِ وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِن رِّجَالِكُمْ فَإِن لَّمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ مِمَّن تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ أَن تَضِلَّ إِحْدَاهُمَا فَتُذَكِّرَ إِحْدَاهُمَا الْأُخْرَىٰ وَلَا يَأْبَ الشُّهَدَاءُ إِذَا مَا دُعُوا وَلَا تَسْأَمُوا أَن تَكْتُبُوهُ صَغِيرًا أَوْ كَبِيرًا إِلَىٰ أَجَلِهِ ذَٰلِكُمْ أَقْسَطُ عِندَ اللَّهِ وَأَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَأَدْنَىٰ أَلَّا تَرْتَابُوا إِلَّا أَن تَكُونَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيرُونَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَلَّا تَكْتُبُوهَا وَأَشْهِدُوا إِذَا تَبَايَعْتُمْ وَلَا يُضَارَّ كَاتِبٌ وَلَا شَهِيدٌ وَإِن تَفْعَلُوا فَإِنَّهُ فُسُوقٌ بِكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَيُعَلِّمُكُمُ اللَّهُ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ''[142]

ترجمہ: ''اے ایمان والو! جب تم ایک دوسرے کو قرض دو مدت مقرر تک تو لکھ لیا کرو اسے اور چاہیئے کہ لکھے تمہارے درمیان لکھنے والا عدل و انصاف سے اور نہ انکار کرے لکھنے والا لکھنے سے جیسے سکھایا ہے اس کو اللہ نے پس وہ بھی لکھ دے اور لکھوائے وہ شخص جس کے ذمہ حق (قرضہ) ہے اور ڈرے اللہ سے جو اس کا پرودگار ہے اور نہ کمی کرے اس سے ذرّہ بھر۔ پھر اگر وہ شخص جس پر قرض ہے بے وقوف ہو یا کمزور ہو یا اس کی طاقت نہ رکھتا ہو کہ خود لکھا سکے تو لکھائے اس کا ولی (سرپرست) انصاف سے اور بنا لیا کرو دو گواہ اپنے مردوں سے اور اگر نہ ہوں دو مرد تو ایک مرد اور دو عورتیں ان لوگوں میں سے جن کو پسند

کرتے ہو تم (اپنے لیے) گواہ تاکہ اگر بھول جائے ایک عورت تو یاد کرائے (وہ)ایک دوسری کو اور نہ انکار کریں گواہ جب وہ بلائے جائیں اور نہ اکتایا کرو اسے لکھنے سے خواہ(رقم قرضہ) تھوڑی ہو یا زیادہ اس کی میعاد تک، یہ تحریر عدل قائم کرنے کے لیے بہت مفید ہے اللہ کے نزدیک اور بہت محفوظ رکھنے والی ہے گواہی کو اور آسان طریقہ ہے تمہیں شک سے بچانے کا مگر یہ کہ سودا دست بدستی ہو جس کا تم لین دین آپس میں کرو (اس صورت میں) نہیں تم پر کچھ حرج اگر نہ بھی لکھو اسے اور گواہ ضرور بنا لیا کرو جب خرید و فروخت کرو اور ضرر نہ پہنچایا جائے لکھنے والے کو اور نہ گواہ کو اور اگر تم ایسا کروگے تو یہ نافرمانی ہوگی تمہاری اور ڈرا کرو اللہ سے اور سکھاتا ہے تمہیں اللہ تعالیٰ (آدابِ معاشرت) اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے"۔

اس آیتِ مبارکہ کے حوالے سے سید جلال الدین عمری لکھتے ہیں:

"آیت سے بظاہر یہ شبہ ہوتا ہے کہ عورتوں کی گواہی اسی وقت قبول کی جائے گی جبکہ مرد موجود نہ ہوں لیکن یہ شبّہ صحیح نہیں ہے اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ شہادت میں یا تو دو مرد ہوں یا ایک مرد اور دو عورتیں جن معاملات میں عورت کو حق شہادت حاصل ہے ان میں مردوں کے ہوتے ہوئے بھی ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت قبول کی جائے گی۔۔۔۔۔۔احناف کے نزدیک ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی صرف حدود و قصاص میں قبول نہیں کی جائے گی اس کے سوا تجارت، قرض، مالی لین دین، عاریت، اجارہ، کفالت، نکاح، وکالت، طلاق، وصیت، وراثت وغیرہ تمام حقوق و معاملات میں ان کی شہادت قابل قبول ہوگی۔"[143]

شہادت کی بنیادی شرائط میں سے ایک شرط یہ ہے کہ جس واقعے کے بارے میں شہادت دی جارہی ہو اس کا ٹھیک ٹھیک مشاہدہ کیا جائے، دوسری شرط یہ ہے کہ اسے اچھی طرح ذہن میں محفوظ رکھا جائے اور تیسری شرط یہ ہے کہ واقعہ کو بغیر کسی تحریف کے من وعن بیان کیا جائے۔ قرآن مجید میں عورت کی کمزوری بیان کرتے ہوئے بتایا کہ عورت کے ذہن سے معلومات محو ہوسکتی ہیں۔ لہذا اس کا ازالہ ایک مرد کی جگہ دو عورتیں رکھ کر کر دیا گیا تاکہ ایک اگر بھول جائے تو دوسری اسے یاد دلائے، حدود و قصاص کے علاوہ باقی معاملات میں عورت کی شہادت قابل قبول ہے۔

عورتوں کے مخصوص مسائل میں صرف عورتوں کی گواہی معتبر ہے:

جمہور علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ عورتوں کے مخصوص مسائل و معاملات میں صرف عورتوں کی شہادت معتبر ہے صاحب شرح الوقایہ لکھتے ہیں:

''وللبكارة والولادة وعيوب النساء فيمالايطلع الرجال امرأة'' 144

ترجمہ: بکارت، ولادت اور عورتوں کے مخصوص معاملات میں جن سے مرد آگاہ نہیں ہوسکتے وہاں ایک عورت کی شہادت قبول کی جائے گی۔

امام زہری لکھتے ہیں:

''مضت النسة ان تجوز شهادة النساء فى مالايطلع عليه غيرهن من ولادات النساء وعينوهن'' 145

ترجمہ: سنت یہی رہی ہے کہ عورتوں کی شہادت صرف ان معاملات میں جائز ہے جن سے ان کے علاوہ دوسرا مطلع نہیں ہو تایعنی عورتوں کے بچہ جننے کے وقت کی حالت یا ان کے عیوب (وغیرہ)۔

جن معاملات میں صرف عورت کی گواہی کافی ہے ان کی تفصیل درج ذیل ہے:

بچے کی ولادت اور رونے پر گواہی:

بچے کی ولادت کے وقت چونکہ عورت ہی پاس موجود ہوتی ہے اس لیے اگر ولادت اور بچے کے رونے کے معاملے میں کسی قسم کا اختلاف اور نزاع پیدا ہو جائے تو یہاں صرف ایک عورت کی گواہی معتبر ہوگی صاحب ہدایہ لکھتے ہیں:

''وللبكارة والولادة وعيوب النساء فيمالايطلع الرجال امرأة'' 146

ترجمہ: بکارت، ولادت اور عورتوں کے مخصوص معاملات میں جن سے مرد آگاہ نہیں ہوسکتے وہاں ایک عورت کی شہادت قبول کی جائے گی۔

رضاعت کے متعلق گواہی:

اگر رضاعت کے معاملے میں کسی قسم کا کوئی اختلاف پیدا ہو جائے اور مسئلے کی نوعیت اتنی بڑھ گئی کہ معاملہ

قاضی تک پہنچ جائے تو شریعت مطہرہ نے عورت کو حق دیا ہے کہ وہ گواہی دے کیونکہ یہ مسئلہ عورت کے ساتھ مخصوص ہے۔ عبد اللہ بن ابی ملیکہ سے روایت ہے کہ عقبہ نے کہا:

"تَزَوَّجْتُ امْرَأَةً،فَجَاءَتْنَاامْرَأَةٌ سَـوْدَاءُ،فَقَالَتْ: إِنِّي قَدْ أَرْضَعْتُكُمَا، فَأَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ،فَقُلْتُ: تَزَوَّجْتُ فُلَانَةَ بِنْتَ فُلَانٍ، فَجَاءَتْنَاامْرَأَةٌ سَـوْدَاءُ،فَقَالَتْ: إِنِّي قَدْ أَرْضَعْتُكُمَا،وَهِيَ كَاذِبَةٌ،قَالَ: فَأَعْرَضَ عَنِّي،قَالَ: فَأَتَيْتُهُ مِنْ قِبَلِ وَجْهِهِ،فَأَعْرَضَ عَنِّي بِوَجْهِهِ، فَقُلْتُ: إِنَّهَا كَاذِبَةٌ، قَالَ: وَكَيْفَ بِهَاوَقَدْ زَعَمَتْ أَنَّهَاقَدْ أَرْضَعَتْكُمَا، دَعْهَا عَنْكَ"[147]

ترجمہ: میں نے ایک عورت سے نکاح کیا پس میرے ایک کالی عورت آئی اور اس نے کہا میں نے تم دونوں کو دودھ پلایا ہے سو میں نبی ﷺ کے پاس آیا اور عرض کی کہ میں نے فلاں عورت کی بیٹی سے نکاح کیا ہے پس ہمارے پاس ایک کالی عورت آئی اور اس نے کہا کہ میں نے تم دونوں کو دودھ پلایا ہے جبکہ وہ جھوٹی ہے راوی نے کہا مجھ سے حضرت محمد ﷺ نے منہ پھیر لیا اور پھر میں ان کے سامنے سے آیا اور آپ ﷺ نے اپنا رخ انور مجھ سے پھیر لیا میں نے پھر کہا کہ وہ جھوٹی ہے آپ ﷺ نے فرمایا یہ کیسے ہو سکتا ہے! جب کہ اس نے کہا کہ میں نے تم دونوں کو دودھ پلایا ہے پس تو اس عورت کو چھوڑ دے۔

عورت کے خفیہ عیوب سے متعلق گواہی:

دینِ اسلام نے عورت کی اس عفت و پاکدامنی اور نزاکت کو سامنے رکھتے ہوئے وہ عیوب جو پس پردہ ہوں ان میں عورت کی گواہی کو معتبر قرار دیا ہے اور مرد کو ان معاملات سے دور رکھا ہے۔

مثلاً: فرج میں ہڈی کا نکل آنا وغیرہ جسے رتق کہتے ہیں اسکی گواہی صرف عورت دے سکتی ہے۔

بکارت سے متعلق گواہی:

اگر اس معاملے میں اختلاف و نزاع ہو جائے تو عورت ہی اسے دیکھ کر گواہی دے سکتی ہے کہ یہ عورت کنواری ہے یا ثیّبہ، اور یہ بھی ان معاملات میں سے ہے جو عورت کے ساتھ خاص ہیں۔

مخصوص ایام سے متعلق گواہی:

ماہواری (حیض) کے کسی بھی اختلاف پر بھی گواہی عورت ہی دے سکتی ہے۔

عدت گزرنے سے متعلق گواہی:

جب عورت کی عدت حیض سے ہو تو اس پر بھی گواہی صرف عورت دے سکتی ہے کیونکہ یہ ان امور میں سے ہے جن میں عموماً مردوں کو اطلاع نہیں ہوتی اس لیے صرف عورت کی گواہی معتبر ہے۔[148]

"فقہاء کے درمیان اس میں اختلاف ہے کہ عورتوں کے مخصوص مسائل میں کتنی عورتوں کی شہادت ضروری ہے عام طور پر اس کے لیے چار عورتوں کا نصاب رکھا گیا ہے امام مالک اور ابن ابی لیلیٰ کہتے ہیں کہ اس میں دو عورتوں کی شہادت پر فیصلہ ہو گا امام ثوری اور احناف کے نزدیک ایک عورت کی شہادت بھی کافی ہے۔"[149]

بلاشبہ یہ دینِ اسلام میں عورت کے عزت واحترام کا ثبوت ہے کہ وہ معاملات جن کو مردوں سے پوشیدہ رکھا گیا ہے ان میں نزاع پیدا ہو جانے کی صورت میں مردوں کو ان تک رسائی نہیں دی جا رہی بلکہ عورت کی عفت و پاکدامنی کا لحاظ رکھتے ہوئے عورتوں کی گواہی کو شامل کیا گیا ہے تاکہ عورت کی عزت و آبرو محفوظ رہے۔

تنقید واحتساب کا حق:

دینِ اسلام نے عورت کو تمام امور میں حقِ تنقید و احتساب عطا کیا ہے۔ چاہے ان امور کا تعلق سیاست سے ہو، امت کی اصلاح سے ہو یا دعوت و تبلیغ سے متعلق ہو، عورت اپنی رائے کا اظہار کر سکتی ہے اور مشورہ بھی دے سکتی ہے۔ اللہ رب العزت نے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا حکم دونوں کو دیا ہے اور اسے مومنین و مومنات کی صفت شمار کیا ہے ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَيُطِيعُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُولَٰئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ"[150]

ترجمہ: "نیز مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے مددگار ہیں حکم کرتے ہیں نیکی کا اور روکتے ہیں برائی سے اور صحیح صحیح ادا کرتے ہیں نماز اور دیتے ہیں زکوۃ اور اطاعت کرتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کی، یہی لوگ ہیں جن پر ضرور رحم فرمائے گا اللہ، بے شک اللہ تعالیٰ غالب ہے حکمت والا ہے"۔

اگر سربراہِ مملکت کوئی خلافِ شرع کام کرے یا شریعت کے خلاف کوئی حکم دے تو اس کو رد کیا جاسکتا ہے۔

"عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ،أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: سَتَكُونُ أُمَرَاءُ فَتَعْرِفُونَ وَتُنْكِرُونَ،فَمَنْ عَرَفَ بَرِئَ،وَمَنْ أَنْكَرَسَلِمَ،وَلَكِنْ مَنْ رَضِيَ وَتَابَعَ قَالُوا: أَفَلَانُقَاتِلُهُمْ؟ قَالَ: لَا،مَاصَلَّوْا" [151]

ترجمہ: حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عنقریب تم پر ایسے حکمران مقرر ہوں گے جو اچھے اور برے کام کریں گے سو جس نے برے کاموں کو پہچان لیا وہ بری ہو گیا اور جس نے برے کاموں کو مسترد کر دیا وہ سلامت رہا لیکن جس نے برے کاموں میں رضا مندی ظاہر کی اور ان کی پیروی کی (وہ محفوظ نہیں رہے گا) صحابہ نے عرض کیا، کیا ہم ان سے جنگ نہ کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں جب تک کہ وہ نماز پڑھتے رہیں۔

سیاسی امور میں مردوں کو خواتین کا مشورہ:

قبل از اسلام خواتین کو سماجی یا سیاسی معاملات میں مشاورت کا اہل نہیں سمجھا جاتا تھا لیکن حضور ﷺ نے خواتین سے مشاورت کی تعلیم دی اس کا ثبوت ہمیں صلح حدیبیہ کے موقع پر ملتا ہے جب صحابہ کرام معاہدہ کی ظاہری صورت حال کے پیش نظر غمگین تھے تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"قُومُوافَانْحَرُواثُمَّ احْلِقُوا" [152]

ترجمہ: اٹھو اونٹوں کو نحر کرو، سر منڈواؤ۔

صحابہ کرام میں سے کوئی بھی اس حکم کی تعمیل میں کھڑا نہ ہوا تو آپ ﷺ نے اس موقع پر حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مشورہ فرمایا:

"فَوَاللَّهِ مَاقَامَ مِنْهُمْ رَجُلٌ حَتَّى قَالَ ذَلِكَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ،فَلَمَّالَمْ يَقُمْ مِنْهُمْ أَحَدٌ دَخَلَ عَلَى أُمِّ سَلَمَةَ،فَذَكَرَلَهَامَالَقِيَ مِنَ النَّاسِ،فَقَالَتْ أُمُّ سَلَمَةَ: يَانَبِيَّ اللَّهِ،أَتُحِبُّ ذَلِكَ،اخْرُجْ ثُمَّ لاتُكَلِّمْ أَحَدًامِنْهُمْ كَلِمَةً،حَتَّى تَنْحَرَبُدْنَكَ،وَتَدْعُوحَالِقَكَ فَيَحْلِقَكَ،فَخَرَجَ فَلَمْ يُكَلِّمْ أَحَدًامِنْهُمْ حَتَّى فَعَلَ ذَلِكَ نَحَرَبُدْنَهُ،وَدَعَاحَالِقَهُ فَحَلَقَهُ،فَلَمَّارَأَوْاذَلِكَ قَامُوا، فَنَحَرُوا وَجَعَلَ بَعْضُهُمْ يَحْلِقُ بَعْضًاحَتَّى كَادَ بَعْضُهُمْ يَقْتُلُ بَعْضًاغَمًّا" [153]

ترجمہ: اللہ کی قسم کوئی یہ بات سن کر نہ اٹھا یہاں تک کہ آپ ﷺ نے تین بار یہی فرمایا جب کوئی نہ اٹھا تو آپ ﷺ بی بی ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تشریف لائے اور ان سے لوگوں کی شکایت کی ام سلمہ نے عرض کی اے اللہ کے نبی ﷺ کیا آپ پسند کرتے ہیں کہ لوگ ایسا کریں تو ایسا کیجیئے کہ آپ اٹھیے اور کسی سے کچھ نہ کہیے، آپ اپنے اونٹوں کو نحر کر ڈالیئے اور حجام کو بلوا کر حجامت بنوایئے پس آپ ﷺ تشریف لے گئے اور کسی سے گفتگو نہ کی یہاں تک کہ آپ نے اپنے اونٹوں کو نحر کیا اور حجام کو بلا کر سر منڈوایا جب لوگوں نے آپ ﷺ کو ایسا کرتے ہوئے دیکھا تو سب اٹھے اور نحر کیا اور ایک دوسرے کا سر مونڈنے لگے قریب تھا کہ ہجوم کی وجہ سے ایک دوسرے کو ہلاک کریں۔

آپ ﷺ نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مشورے پر عمل کیا جو مفید ثابت ہوا آپ ﷺ کی اسی سنت مبارکہ پر خلفائے راشدین بھی عمل پیرا رہے اور عسکری خدمات میں خواتین کو مشاورت میں شامل کرتے رہے۔

ریاست کی دفاعی ذمہ داریوں میں نمائندگی کا حق:

دینِ اسلام عورت کی عسکری خدمات کا بھی قائل ہے اگر خواتین اپنی حدود ودائرہ کار میں رہتے ہوئے اور پردے کی پابندی کے ساتھ عسکری امور میں شرکت کریں تو دینِ اسلام اس کی ممانعت نہیں کرتا۔ دورِ رسالت مآب ﷺ میں اس کی کئی مثالیں موجود ہیں کہ صحابیات رضی اللہ عنہن نے جہاد میں شرکت کی اور زخمیوں کی تیمارداری اور مرہم پٹی بھی کی، اس کا ثبوت درج ذیل روایات ہیں:

”قَالَتْ: كَانَ النَّبِيُّ صَـلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَـلَّمَ إِذَاأَرَادَ أَنْ يَخْرُجَ أَقْرَعَ بَيْنَ نِسَائِهِ،فَأَيَّتُهُنَّ يَخْرُجُ سَهْمُهَاخَرَجَ بِهَاالنَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ،فَأَقْرَعَ بَيْنَنَافِي غَزْوَةٍ غَزَاهَا،فَخَرَجَ فِيهَاسَـهْمِي،فَخَرَجْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَـلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ مَاأُنْزِلَ الحِجَابُ “ 154

ترجمہ: انہوں (یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنھا) نے کہا کہ نبی کریم ﷺ جب سفر کا ارادہ فرماتے تو اپنی بیویوں پر قرعہ ڈالتے، جس کا نام قرعہ میں نکلتا اس کو آپ ﷺ اپنے ساتھ لے جاتے، ایک غزوہ (غزوہ بن مصطلق) میں

ایسا ہوا کہ آپ ﷺ نے ہم پر قرعہ ڈالا اس میں میرا نام نکلا میں نبی ﷺ کے ساتھ روانہ ہوئی اور یہ حجاب کے احکامات کے نزول کے بعد کا واقعہ ہے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

"لَمَّاكَانَ يَوْمُ أُحُدٍ،انْهَزَمَ النَّاسُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ،قَالَ: وَلَقَدْ رَأَيْتُ عَائِشَةَ بِنْتَ أَبِي بَكْرٍ،وَأُمَّ سُلَيْمٍ وَإِنَّهُمَالَمُشَمِّرَتَانِ،أَرَى خَدَمَ سُوقِهِمَا تَنْقُزَانِ القِرَبَ،وَقَالَ غَيْرُهُ: تَنْقُلاَنِ القِرَبَ عَلَى مُتُونِهِمَا،ثُمَّ تُفْرِغَانِهِ فِي أَفْوَاهِ القَوْمِ،ثُمَّ تَرْجِعَانِ فَتَمْلَآَنِهَا،ثُمَّ تَجِيئَانِ فَتُفْرِغَانِهَافِي أَفْوَاهِ القَوْمِ" 155

ترجمہ: جب احد کی لڑائی ہوئی تو مسلمان شکست پا کر حضور ﷺ سے جدا ہو گئے مگر میں نے اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور ام سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو دیکھا وہ دونوں پنڈلیاں کھولے ہوئے (کپڑا اوپر اٹھائے ہوئے) جلدی جلدی پانی کی مشکیں اپنی پیٹھ پر لاد کر لاتی تھیں اور مسلمانوں کو پلا کر پھر لوٹ کر جاتیں اور پھر مشکیں بھر کر لاتیں اور پھر مسلمانوں کو پانی پلاتیں اور میں ان کے پاؤں کی پازیبیں دیکھ رہا تھا۔

ربیع بنت معوذ سے مروی ہے وہ فرماتی ہیں:

"كُنَّامَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَسْقِي وَنُدَاوِي الجَرْحَى،وَنَرُدُّ القَتْلَى إِلَى المَدِينَةِ" 156

ترجمہ: ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ (جہاد میں) لوگوں کو پانی پلاتیں اور زخمیوں کی مرہم پٹی کرتیں اور جو لوگ مارے جاتے انکی لاشیں مدینہ کی طرف واپس لوٹاتیں۔

عورت کی آمارت وامامت

عورت بحیثیت سربراہِ مملکت:

عورت اسلامی ریاست کی سربراہ بن سکتی ہے یا نہیں اس کے متعلق اختلاف پایا جاتا ہے قرآن مجید میں صراحتاً ایسی کوئی آیت مبارکہ موجود نہیں جس میں عورت کی سربراہی کو ممنوع قرار دیا گیا ہو لیکن احادیثِ مبارکہ

میں آپ ﷺ نے عورتوں کی سربراہی کو موجب فلاح قرار نہیں دیا اس کے ثبوت میں چند احادیثِ مبارکہ ذیل میں بیان کی جاتی ہیں:

''عَنْ أَبِي بَكْرَةَ، قَالَ: لَقَدْ نَفَعَنِي اللَّهُ بِكَلِمَةٍ سَمِعْتُهَا مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيَّامَ الجَمَلِ، بَعْدَ مَا كِدْتُ أَنْ أَلْحَقَ بِأَصْحَابِ الجَمَلِ فَأُقَاتِلَ مَعَهُمْ، قَالَ: لَمَّا بَلَغَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ أَهْلَ فَارِسَ، قَدْ مَلَّكُوا عَلَيْهِمْ بِنْتَ كِسْرَى، قَالَ: لَنْ يُفْلِحَ قَوْمٌ وَلَّوْا أَمْرَهُمُ امْرَأَةً''[157]

ترجمہ: ابو بکرہ سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے مجھے اس بات سے فائدہ دیا جو میں نے جنگِ جمل کے دن رسول اللہ ﷺ سے سنی تھی ورنہ قریب تھا کہ میں جمل والوں کے ساتھ یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لشکر میں شامل ہو کر مسلمانوں سے لڑتا، آپ (ابو بکرہ) نے کہا وہ بات یہ تھی کہ جب رسول اللہ ﷺ کو یہ خبر پہنچی کہ ایران والوں نے کسریٰ کی بیٹی کو تخت پر بٹھایا تو آپ ﷺ نے فرمایا وہ قوم ہرگز فلاح نہیں پاسکتی جو اپنے امور ایک عورت کے سپرد کردے۔

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''إِذَا كَانَ أُمَرَاؤُكُمْ خِيَارَكُمْ، وَأَغْنِيَاؤُكُمْ سُمَحَاءَكُمْ، وَأُمُورُكُمْ شُورَى بَيْنَكُمْ فَظَهْرُ الأَرْضِ خَيْرٌ لَكُمْ مِنْ بَطْنِهَا، وَإِذَا كَانَ أُمَرَاؤُكُمْ شِرَارَكُمْ وَأَغْنِيَاؤُكُمْ بُخَلَاءَكُمْ، وَأُمُورُكُمْ إِلَى نِسَائِكُمْ فَبَطْنُ الأَرْضِ خَيْرٌ لَكُمْ مِنْ ظَهْرِهَا''[158]

ترجمہ: جب تمہارے حکام نیک ہوں اور تمہارے اغنیاء (دولت مند افراد) سخی ہوں اور تمہاری حکومت (یعنی تمہارے امور) باہمی مشورے سے ہوں تو تمہارے لیے زمین کے اوپر کا حصہ اس کے نچلے حصے سے بہتر ہے اور جب تمہارے حکام بدکار ہوں اور تمہارے اغنیاء (یعنی دولت مند افراد) بخیل ہوں اور تمہارے معاملات تمہاری عورتوں کے سپرد ہوں تو تمہارے لیے زمین کا نچلا حصہ اس کے اوپر کے حصے سے بہتر ہے۔

'' عَنْ أَبِي بَكْرَةَ، رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتَاهُ

بَشِـيرٌيُبَشِّـرُهُ بِظَفَرِخَيْلٍ لَهُ وَرَأْسُـهُ فِي حِجْرِعَائِشَـةَ رَضِـيَ اللَّهُ عَنْهَافَقَامَ فَخَرَلِلَّهِ تَعَالَى سَـاجِدًافَلَمَّاانْصَـرَفَ أَنْشَـايَسْـأَلُ الرَّسُـولَ فَحَدَّثَهُ فَكَانَ فِيمَاحَدَّثَهُ مِنْ أَمْرِالْعَدُووَكَانَتْ تَلِيهُمُ امْرَأَةٌ فَقَالَ النَّبِيُّ صَـلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَـلَّمَ: هَلَكَتِ الرِّجَالُ حِينَ أَطَاعَتِ النِّسَـاءَ هَذَاحَدِيثٌ صَـحِيحُ الْإِسْنَادِ وَلَمْ يُخَرِّجَاه'' 159

ترجمہ: حضرت ابو بکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کسی مقام پر لشکر روانہ کیا تھا وہاں سے خوش خبری سنانے والا فتح کی خوشخبری لے کر آیا جبکہ اس وقت آپ ﷺ کا سر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی گود میں تھا آپ یہ خوشخبری سن کر سجدہ شکر میں گر گئے پس جب آپ سجدہ شکر سے فارغ ہوئے تو آپ ﷺ نے اس شخص سے فتح کی تفصیلات معلوم کیں ان تفصیلات میں اس شخص نے یہ بھی بتایا کہ دشمن کی سربراہی ایک عورت کر رہی تھی نبی کریم ﷺ نے فرمایا مرد تباہ وبرباد ہو جائیں گے جب وہ عورتوں کی اطاعت کرنے لگیں گے۔

مندرجہ بالا احادیثِ مبارکہ سے واضح ہو گیا کہ دینِ اسلام کی رو سے عورت کو سربراہ مملکت بنانا جائز نہیں۔

فقہاء کی آراء:

امام بغوی اس حوالے سے رقم طراز ہیں:

'' اتفقوا على أن المرأة لا تصـلح أن تكون إماما ولا قاضـيا، لأن الإمام يحتاج إلى الخروج لإقامة أمر الجهاد، والقيام بأمور المسـلمين، والقاضي يحتاج إلى البروز لفصل الخصومات، والمرأة عورة لا تصلح للبروز'' 160

ترجمہ: اس بات پر امت مسلمہ کا اتفاق ہے کہ عورت سربراہِ حکومت نہیں بن سکتی اور نہ ہی قاضی بن سکتی ہے کیونکہ سربراہ مملکت کو جہاد قائم کرنے اور مسلمانوں کے معاملات نمٹانے کے لیے گھر سے باہر نکلنا پڑتا ہے اور قاضی کو مقدمات کا فیصلہ کرنے کے لیے باہر جانے کی ضرورت پیش آتی ہے جبکہ عورت واجب الستر ہے اور اس کا گھر سے باہر نکلنا جائز نہیں ہے۔

علامہ ابن العربی مالکی اور علامہ قرطبی مالکی کا یہ جملہ قابل غور ہے:

"أن المرأة لا تكون خليفة، ولا خلاف فيه"[161]

ترجمہ: عورت خلیفہ نہیں بن سکتی اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

فقہاء کی آراء سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ عورت کا سربراہ مملکت بننا جائز نہیں۔

ملکہ بلقیس کی سربراہی اور اس پر استدلال کا جواب:

جو علماء عورت کی سربراہی کو جائز سمجھتے ہیں وہ ملکہ بلقیس کی سربراہی کو جواز بناتے ہیں حالانکہ جس وقت وہ ملک سبا کی ملکہ تھیں اس وقت وہ دینِ اسلام کی دولت سے محروم تھیں۔ قرآن مجید میں اسکی طرف یوں اشارہ کیا گیا۔

"إِنِّي وَجَدتُّ امْرَأَةً تَمْلِكُهُمْ وَأُوتِيَتْ مِن كُلِّ شَيْءٍ وَلَهَا عَرْشٌ عَظِيمٌ ﴿٢٣﴾ وَجَدتُّهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُونَ لِلشَّمْسِ مِن دُونِ اللَّهِ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ أَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيلِ فَهُمْ لَا يَهْتَدُونَ ﴿٢٤﴾"[162]

ترجمہ: "میں نے ایک عورت دیکھی کہ ان پر بادشاہی کر رہی ہے اور اسے ہر چیز میں سے ملا ہے اور اس کا بڑا تخت ہے۔ میں نے اسے اور اس کی قوم کو پایا کہ اللہ کو چھوڑ کر سورج کو سجدہ کرتے ہیں اور شیطان نے ان کے اعمال ان کی نگاہ میں سنوار کر ان کو سیدھی راہ سے روک دیا تو وہ راہ نہیں پاتے"۔

مندرجہ بالا آیتِ مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ملکہ بلقیس چونکہ کافروں کی ملکہ تھیں، اس لیے ان کی حکمرانی کو بطور حجت پیش کرنا درست نہیں۔

جنگِ جمل کے واقعے سے عورت کی سربراہی پر کیے گئے استدلال کا جواب:

علامہ غلام رسول سعیدی شرح صحیح مسلم میں لکھتے ہیں:

"بعض متجدد علماء جنگ جمل میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شرکت سے عورت کی سربراہی کے جواز پر استدلال کرتے ہیں لیکن یہ استدلال قطعاً باطل ہے۔ اول تو حضرت عائشہ امارت اور خلافت کی مدعیہ نہیں تھیں ہاں وہ امت میں اصلاح کے قصد سے اپنے گھر سے باہر نکلیں لیکن یہ ان کی اجتہادی خطا تھی وہ اس پر تاحیات نادم رہیں۔"[163]

تحقیق کار کی رائے:

عورت ایک چھوٹی سی ریاست جسے گھر کہا جاتا ہے اس کی منتظمہ ہے لہٰذا عورت کو سربراہی مملکت کی اجازت نہ دینا اس کے ساتھ ناانصافی وغیر مساوی سلوک نہیں ہے بلکہ اسے مزید ذمہ داریوں کے بوجھ سے نجات دلانا ہے۔ اگر عورت کو سربراہِ مملکت بنادیا جائے تو اسے امامت یعنی باجماعت نماز ادا کروانے کا بھی اہل ہونا چاہیئے لیکن عورت کی امامت میں نماز کی ادائیگی سے نماز کے حقیقی مقاصد حاصل ہونے کے بجائے نماز میں یکسوئی اور توجہ بٹ جائے گی سربراہ مملکت کو دوسرے غیر ملکی سربراہان حکومت سے مذاکرات بھی کرنے پڑتے ہیں ان سے علیحدگی میں ملاقاتیں بھی کرنی پڑتی ہیں جن کی دینِ اسلام عورت کو اجازت نہیں دیتا سیاسی حیثیت کے علاوہ عورت کی عائلی زندگی بھی ہوتی ہے، عورت بیک وقت بیوی بھی ہوتی ہے اور ماں بھی۔ ماں بننے کے تمام مراحل سے گزرتے وقت عورت کیسے سربراہ مملکت کی ذمہ داریاں سنبھال سکتی ہے عورت کو سربراہ مملکت بننے کی اجازت نہ دینا اس کی ذمہ داریوں کے بوجھ کو ہلکا کرنا ہے۔

عورت کی امامت:

جمہور علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ عورت نماز میں مردوں کی امامت نہیں کر سکتی اس کے ساتھ ساتھ عورت کے لئے جماعت کے ساتھ نماز کی ادائیگی لازم نہیں لیکن عورت کو اس بات کی اجازت دی گئی ہے کہ اگر وہ عیدین کی نماز، نمازِ جمعہ یا دیگر نمازوں میں سے کوئی بھی نماز باجماعت ادا کرنا چاہے تو وہ کر سکتی ہے جبکہ عورت نماز میں عورتوں کی امام بھی بن سکتی ہے اس کا ثبوت درج ذیل احادیثِ مبارکہ سے ملتا ہے:

ریطہ حنفیہ رحمۃ اللہ علیہا بیان کرتی ہیں:

"أَنَّ عَائِشَةَ أَمَّتْهُنَّ وَقَامَتْ بَيْنَهُنَّ فِي صَلَاةٍ مَكْتُوبَةٍ" 164

ترجمہ: سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرض نمازوں میں عورتوں کی امامت کے فرائض انجام دیئے اور وہ ان کے درمیان کھڑی ہوئیں۔

عتیمہ بنت سلمہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کرتی ہیں:

"أَنَّهَا أَمَّتْ نِسَاءً فِي الْفَرِيضَةِ فِي الْمَغْرِبِ، وَقَامَتْ وَسَطَهُنَّ، وَجَهَرَتْ بِالْقِرَاءَةِ" 165

ترجمہ: کہ انہوں (ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا) نے مغرب کی

نماز میں عورتوں کی امامت کے فرائض انجام دیئے،پس آپ عورتوں کے درمیان کھڑی ہوئیں اور جہری (بلند آواز سے) قراءت فرمائی۔

"أَنَّهُ كَانَ يَأْمُرجَارِيَةً لَهُ تَؤُمُّ نِسَاءَهُ فِي رَمَضَانَ" 166

ترجمہ: آپ اپنی باندیوں کو حکم دیتے تھے پس وہ رمضان المبارک میں عورتوں کو باجماعت نماز پڑھاتی تھیں۔

تابعین وآئمہ مجتہدین کی آراء:

حضرت سفیان ثوری، امام ابراہیم نخعی اور امام شعبی رحمہم اللہ تعالی سے روایت کرتے ہیں:

"لَابَأْسَ أَنْ تُصَلِّيَ الْمَرْأَةُ بِالنِّسَاءِ فِي رَمَضَانَ،تَقُومُ فِي وَسَطِهِنَّ" 167

ترجمہ: کہ عورت کے لیے رمضان میں خواتین کی جماعت کروانے میں کوئی حرج نہیں پس وہ عورتوں کے درمیان ہی کھڑی ہوگی۔

شیخ عبد الرحمن الجزیری شرائطِ امامت کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ امام کا مرد ہونا ضروری ہے اگر مقتدی مرد ہوں خواتین ساتھ ہوں یا نہ ہوں، لیکن مقتدی اگر خواتین ہوں تو:

"فلا تشـــترط الذكورة في إمامتهن، بل يصـــح أن تكون المرأة إماما لامرأة مثلها، باتفاق ثلاثة من الأئمة؛ وخالف المالكية" 168

ترجمہ: خواتین کی امامت کے لیے مرد امام کا ہونا شرط نہیں بلکہ عورتوں کی امام عورت ہوسکتی ہے اس پر تین آئمہ (امام اعظم، امام شافعی، امام احمد) متفق ہیں جبکہ مالکیہ اس کے خلاف ہیں۔

مندرجہ بالا دلائل سے ثابت ہوتا ہے کہ عورت، عورتوں کی امامت کرواسکتی ہے۔

خلاصہ کلام:

اللہ تبارک وتعالیٰ کی نگاہ میں مرد وعورت دونوں برابر ہیں۔ اس نے دونوں کو انسان ہونے کے ناطے یکساں حقوق عطا فرما کر جینے کا حق دیا۔ لیکن دینِ اسلام سے قبل اگر زمانۂ جاہلیت کی طرف نظر دوڑائی جائے تو عورت بے بسی و مجبوری کی تصویر بنی ہوئی تھی، لڑکی کی پیدائش کو انتہائی معیوب اور باعثِ عار سمجھا جاتا تھا، اگر کسی کے ہاں لڑکی کی پیدائش ہوتی تو وہ شرم کے مارے دوسروں سے منہ چھپاتا پھرتا اور اسے زندہ درگور کر دیتا، جو بچیاں موت کے

بھینٹ چڑھنے سے بچ جاتیں انکی حیثیت محض مال و متاع، کنیز اور خادمہ سے زیادہ کچھ نہ تھی۔ عورت معاشرتی و معاشی حقوق سے محروم تھی، لڑکی کو شادی کے معاملے میں اپنی رضامندی کا کوئی حق حاصل نہ تھا۔ شوہر اپنی بیوی کو کئی بار طلاق دینے کا مجاز تھا، وہ جتنی دفعہ چاہتا طلاق دے دیتا اور پھر رجوع کر تارہتا، شوہر کے مرنے کے بعد اس کا بیٹا اسکی بیوی کا مالک بن جاتا اور عورت جائیداد کی مانند منتقل ہوتی رہتی۔ عورت کو مالِ میراث سے محروم رکھنا، بیوہ کے مال پر ناجائز قبضہ کرنا، یتیم لڑکیوں سے بغیر مہر کی ادائیگی کے نکاح کرنا وغیرہ اہل عرب کا عام دستور تھا۔ لیکن جب دینِ اسلام کی شمع جہالت کی تاریکیوں میں روشن ہوئی اور اس کی ضیاء پاش کرنوں نے مظلوم و مقہور انسانیت کو ضیاء بخشی تو خصوصاً خواتین کو وہ معزز مقام ملا جس سے وہ عرصہ دراز سے محروم تھی۔ دین اسلام نے خاندان کی بنیادی اہمیت کے پیش نظر حقوق و فرائض کا ایک متوازن اور عادلانہ نظام تشکیل دیا تاکہ دونوں اصناف میں سے کسی کے ساتھ زیادتی و ناانصافی نہ ہو۔ دین اسلام نے مذہبی، اخلاقی، معاشرتی، معاشی اور سیاسی شعبہ ہائے زندگی میں حقوقِ انسانی کا ایسا منشور عطا فرمایا جسکی مثال دوسرے مذاہب میں نہیں ملتی۔ دینِ اسلام نے عورت کو بحیثیتِ ماں، بیوی، بیٹی، بہن، مطلقہ، بیوہ، ہر حیثیت میں حقوق عطا فرما کر اس کے مرتبے کو بلند کر دیا اور مردوں کو اس بات کا حکم دیا کہ وہ عورتوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئیں اور احسن طریقے سے انکے حقوق ادا کریں۔

حوالہ جات

[1] ۔ افتخار مریدی، عورت، مجلس نشریات اسلام، کراچی، سن ندارد، ص24۔

[2] ۔ القرآن سورة النحل 58/16۔

[3] ۔ القرآن سورة النحل 59/16۔

[4] ۔ الازہری، پیر محمد کرم شاہ، تفسیر ضیاء القرآن، ضیاء القرآن پبلیکیشنز، لاہور، 1402ھ، ج2، ص577۔

[5] ۔ القرآن سورة الزخرف: 17/43۔

[6] ۔ تفسیر ضیاء القرآن، ج4، ص406۔

[7] ۔ القرآن سورة التكوير: 8/81– 9۔

[8] ۔ تفسیر ضیاء القرآن، ج5، ص501۔

[9] ۔ الدارمي، أبو محمد عبد الله بن عبد الرحمن ،مسند الدارمي المعروف بـــ (سنن الدارمي)، دارالمغني للنشـــروالتوزيع، المملكة العربية الســـعودية، الطبعة الأولى: 1412 ھ، بَابُ مَا كَانَ عَلَيْهِ النَّاسُ قَبْلَ مَبْعَثِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْجَهْلِ وَالضَّلَالَةِ، رقم الحديث: 2، ج1، ص153۔

[10] ۔ مودودی، سید ابوالاعلی، تفہیم القرآن، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، ج1، ص320۔

[11] ۔ ایضاً، ص 345۔

[12] ۔ بدر الدین، قاری، قرون اولی کی خواتین اوران کی علمی ودینی خدمات، مکتبہ حکیم الامت، کراچی، 1431ھ، ص80۔

[13] ۔ بخاری، أبو عبـدالله محمـد بن إسمـاعيـل، صـــحيح البخـاري، دار طوق النجـاة، دمشـــق، الطبعةالأولى: 1422هـــ، كتاب النكاح، بَابُ مَنْ قَالَ لاَ نِكَاحَ إِلَّا بِوَلِيٍّ، رقم الحديث: 5127، ج7، ص15۔

[14] ۔ القرآن سورة البقرة: 2/ 229۔

[15] ۔ القرآن سورة الاسراء: 17/ 31۔

[16] ۔ القرآن سورة القصص: 11/28۔

[17] ۔ القرآن سورة القصص: 28/ 26۔

[18] ۔ أبو داؤد، سليمان بن الأشعث بن إسحاق، سنن أبي داؤد، المكتبة العصرية، بيروت، سن ندارد،

كتاب الادب،بَابٌ فِي فَضْلِ مَنْ عَالَ يَتِيمًا،رقم الحديث:5147، ج4،ص338-

[19]- القرآن سورة احقاف:46/ 15-

[20]- القرآن سورة الاسراء:17/ 23-

[21]- صحيح البخاري،كتاب الادب،بَابُ قَوْلِ اللَّهِ تَعَالَى وَوَصَّيْنَا الإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا،رقم الحديث:5970، ج8،ص2-

[22]- ايضاً،كتاب الادب،بَابٌ عُقُوقُ الوَالِدَيْنِ مِنَ الكَبَائِرِ،رقم الحديث:5975،ج8،ص4-

[23]- ايضاً،كتاب الادب،بَابٌ مَنْ أَحَقُّ النَّاسِ بِحُسْنِ الصُّحْبَةِ،رقم الحديث:5971،ج8،ص2-

[24]- القرآن سورة الروم:30/ 21-

[25]- القرآن سورة النساء:4/ 19-

[26]- تفسير ضياء القرآن،ج1،ص330-

[27]- القرآن سورة المجادله:58/3-

[28]- صحيح البخارى،كتاب النكاح،بَابُ الأَكْفَاءِ فِي الدِّينِ،رقم الحديث:5090،ج7،ص7-

[29]- القرآن سورة النساء:4/ 34-

[30]- تفسير ضياء القرآن،ج1،ص341-

[31]- القرآن سورة البقرة:2/ 240-

[32]- القرآن سورة البقرة:2/ 234-

[33]- القشيري،مسلم بن الحجاج،صحيح المسلم،دار إحياء التراث العربي،بيروت،سن ندارد،كِتَابُ الزُّهْدِ وَالرَّقَائِقِ،بَابُ الْإِحْسَانِ إِلَى الْأَرْمَلَةِ وَالْمِسْكِينِ وَالْيَتِيمِ،رقم الحديث: 2982، ج4، ص2286-

[34]- القرآن سورة البقرة:2 /241-

[35]- سنن أبي داؤد،كتاب الطلاق،بَابٌ فِي كَرَاهِيَةِ الطَّلَاقِ،رقم الحديث:2177،ج2،ص254-

[36]- القرآن سورة الانعام:6/151-

[37]- القرآن سورة هود:11/ 6-

[38]- القرآن سورة الشوریٰ:42/49-

[39]- الطبرانى،سليمان بن أحمد أبوالقاسم،المعجم الكبير،مكتبة ابن تيمية،القاهرة،1415 ھ،

رقم الحدیث: **10447**،ج **10**،ص **197**۔

[40]۔ القرآن سورۃ البقرۃ:**233/2**۔

[41]۔ القرآن سورۃ العلق:**96/5،4،3**۔

[42]۔ صحیح البخاری،کِتَابُ العِلْمِ،بَابُ تَعْلِيمِ الرَّجُلِ أَمَتَهُ وَأَهْلَهُ،رقم الحدیث:**97**،ج**1**،ص**31**۔

[43]۔ المعجم الکبیر، رقم الحدیث:**10447**،ج **10**،ص **197**۔

[44]۔ صحیح البخاري،کِتَابُ النِّكَاحِ،بَابُ لاَ يُنْكِحُ الأَبُ وَغَيْرُهُ البِكْرَ وَالثَّيِّبَ إِلَّا بِرِضَاهَا،رقم الحدیث:**5137**، ج**7**،ص**14**۔

[45]۔ صحیح المسلم،کِتَابُ النِّكَاحِ،بَابُ اسْتِئْذَانِ الثَّيِّبِ فِي النِّكَاحِ بِالنُّطْقِ،وَالْبِكْرِ بِالسُّكُوتِ،رقم الحدیث:**1420**، ج**2**،ص**1037**۔

[46]۔ ایضا،رقم الحدیث:**1421**، ج**2**،ص**1037**۔

[47]۔ القرآن سورۃ النور:**24/4–5**۔

[48]۔ البیهقي، أحمد بن الحسين بن علي ، السنن الکبری، دار الکتب العلمیة، بیروت، الطبعة الثالثة، **1424** ھ، کِتَابُ الصَّدَاقِ، بَابُ لَا وَقْتَ فِي الصَّدَاقِ كَثُرَ أَوْ قَلَّ ،رقم الحدیث: **14336**، ج**7**،ص**380**۔

[49]۔ القرآن سورۃ الحجرات:**49/ 13**۔

[50]۔ القرآن سورۃ آل عمران:**3/195**۔

[51]۔ القرآن سورۃ النحل:**16/97**۔

[52]۔ القرآن سورۃ المائدۃ:**5/38**۔

[53]۔ القرآن سورۃ النور:**24/2**۔

[54]۔ القرآن سورۃ النور:**24/4**۔

[55]۔ *محمد بلتاجي،ڈاکٹر،خواتین قرآن وسنت کی روشنی میں،مترجم اہلیہ دانش کمال،دارالاشاعت کراچی، مارچ 2006ء،ص127۔*

[56]۔ الزمخشري،أبو القاسم محمود بن عمرو بن أحمد،الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل،دار الکتاب العربي، بیروت،الطبعة الثالثة:**1407** ھ،ج**1**،ص**490**۔

[57]۔ القرآن سورۃ النساء:**4/ 4**۔

[58]- تفسیرضیاء القرآن، ج 1،ص 319۔

[59]- سنن أبي داؤد، كِتَاب النِّكَاحِ،بَابُ قِلَّةِ الْمَهْرِ،رقم الحديث:2109، ج2،ص235۔

[60]- صــحيح البخاري، كِتَابُ النِّكَاحِ،بَابُ المَهْرِ بِالعُرُوضِ وَخَاتَمٍ مِنْ حَدِيدٍ،رقم الحديث:5150، ج7،ص20۔

[61]- الشـامى،حاشـية ابن عابدين،رد المختارعلى درالمختار،المكتبة الرشـيديه،كوئٹه،الطبعة الثانية 1404ھ، ج2،ص 499۔

[62]- الغرناطي،أبو القاسـم محمد بن أحمد بن محمد بن عبد الله،التسـهيل لعلوم التنزيل،شـركة دار الأرقم بن أبي الأرقم،بيروت،الطبعة الأولى:1416 ھ، ج1،ص178۔

[63]- تنزیل الرحمن، مجموعہ قوانین اسلام، مرکزی ادارہ تحقیقات اسلامی، کراچی، جولائی1965ء، ص279۔

[64]- محمد کلیم، عورت اور قرآن، نگارشات پبلشرز، لاہور، 2006ء، ص174۔

[65]- مجموعہ قوانین اسلام، ص281۔

[66]- القرآن سورة النساء:20/4۔

[67]- الشـيباني،أبو عبد الله أحمد بن محمد بن حنبل،مسـند الإمام أحمد بن حنبل،مؤسـسـة الرسالة،الطبعة الأولى:1421 هـ،مسند النساءمُسْنَدُ الصِّدِّيقَةِ عَائِشَةَ بِنْتِ الصِّدِّيقِ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا، ج41،ص75۔

[68]- المرغينانى،برهان الدين ابوالحسـن على ابن ابى بكرالفرغانى،الهداية مع الدراية،مكتبة شـركة علمية، ملتان،سن ندارد،ص324۔

[69]- القدوري،أحمد بن محمد بن أحمد بن جعفر،مختصر القدوري في الفقه الحنفي،دار الكتب العلمية، بيروت،الطبعة الأولى،1418ھ، كتاب النكاح، ج1،ص147۔

[70]- الشـافعي،شمس الدين،محمد بن أحمد الخطيب الشـربيني،مغني المحتاج إلى معرفة معاني ألفاظ المنهاج،دار الكتب العلمية،بيروت،الطبعة الأولى،1415ھ، كِتَابُ النَّفَقَاتِ، ج5،ص151۔

[71]- سعیدی، غلام رسول، نعم الباری فی شرح صحیح البخاری، ضیاء القرآن پبلیکیشنز، کراچی، جنوری2013ء، ج 11، ص87۔

[72]- القرآن سورة الطلاق:7/65۔

[73]- القرآن سورة البقرة:236/2۔

[74]- ابن ماجة،أبو عبد الله محمد بن يزيد القزويني،سنن ابن ماجه،دار الرسالة العالمية،الطبعة الأولى: **1430ھ**، أَبْوَابُ النِّكَاحِ،بَابُ حَقِّ الْمَرْأَةِ عَلَى الزَّوْجِ،رقم الحديث:**1850**،ج**1**،ص**593**-

[75]- ایضاً، بَابُ حَقِّ الْمَرْأَةِ عَلَى الزَّوْجِ،رقم الحديث: **1851**، ج**1**،ص**593**-

[76]- نعم الباری فی شرح صحیح البخاری،ج11،ص84۔

[77]- حامی،عبد اللہ مرعی بن محفوظ،اسلام اور دیگر مذاہب ومعاشروں میں عورت کے حقوق ومسائل،مترجم مفتی ثناء اللہ محمود،دار الاشاعت،کراچی،اپریل 2001ء،ص122۔

[78]- نعم الباری فی شرح صحیح البخاری،ج10،ص45۔

[79]- ایضاً،ص **81**-

[80]- القرآن سورة البقرة:**229/2**-

[81]- تفسیر ضیاء القرآن،ج1،ص158۔

- النسائی، أبو عبد الرحمن أحمد بن شعيب، سنن النسائی،مكتب المطبوعات الاسلامية، حلب،الطبعة الثانية:**1406ھ**، كتاب الطلاق، باب ما جاء في الخلع،رقم الحديث: **3462**، ج**6**،ص**169**-

[83]- ایضاً،كتاب الطلاق، باب ما جاء في الخلع،رقم الحديث: **3463** ، ج**6**، ص**169**-

[84]- سعیدی، غلام رسول،شرح صحیح المسلم،رومی پبلی کیشنز،لاہور،شعبان1417ھ،کتاب الطلاق،ج3، ص1006۔

[85]- الهداية مع الدراية،كتاب الطلاق، ج**2**،ص**404**-

[86]- ایضاً-

[87]- اسلام اور دیگر مذاہب ومعاشروں میں عورت کے حقوق ومسائل،ص172۔

[88]- سنن النسائی، كتاب النكاح، جهاز الرجل ابنته،رقم الحديث:**3384**، ج**6**،ص**135**-

[89]- سنن أبي داوٗد، كِتَاب الطَّلَاقِ، بَابُ مَنْ أَحَقُّ بِالْوَلَدِ،رقم الحديث: **2276**، ج**2**،ص**283**-

[90]- ایضاً،رقم الحديث:**2278**، ج**2**،ص**284**-

[91]- ایضاً،رقم الحديث:**2279**-

[92]- مولوی الیاس،شرح النقاية،سعید ایچ ایم کمپنی،کراچی، فصل الخضانة، الجزء الاول،**1326ھ**، ص**677**-

[93]- ایضاً ۔

[94]- محمد عاشق الٰہی، مولانا، تحفۂ خواتین، ادارہ اسلامیات، کراچی، 2007ء، ص379۔

[95]- الهداية مع الدراية، كتاب الطلاق، ج2، ص445۔

[96]- ایضاً۔

[97]- ایضاً، ص447۔

[98]- القرآن سورة النساء :7/4۔

[99]- قرطبی، امام ابوعبد الله محمد بن احمد بن ابوبکر، تفسیرقرطبی مترجم الازهری، پیرمحمدکرم شاہ، ضیاء القرآن پبلیکشنز ،لاہور، 2012ء، ج3، ص66۔

[100]- سنن أبي داؤد، كِتَاب الْفَرَائِضِ، بَابُ مَا جَاءَ فِي تَعْلِيمِ الْفَرَائِضِ، رقم الحديث: 2885، ج3، ص119۔

[101]- الترمذي، أبو عيسى محمد بن عيسى بن سَوْرة بن موسى بن الضحاك، سنن الترمذي، شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابي الحلبي ،مصر، الطبعةالثانية، 1395ھ، أَبْوَابُ الْفَرَائِضِ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، بَابُ مَا جَاءَ فِي تَعْلِيمِ الفَرَائِضِ، رقم الحديث: 2091، ج4، ص413 ۔

[102]- صحيح البخاري، كِتَابُ الفَرَائِضِ، رقم الحديث: 6723، ج8، ص148۔

[103]- الشوكاني ،محمد بن علي بن محمد بن عبد الله، الدّر رالبهيّه، فقه الحديث، مترجم ناصرالدین البانی، نعمانی کتب خانہ، لاہور، 2004ء، کتاب المواریث، ج2، ص707۔

[104]- ایضاً، ص707۔

[105]- القرآن سورة النساء: 11/4۔

[106]- القرآن سورة النساء: 4/ 11۔

[107]- سنن الترمذي، أَبْوَابُ الْفَرَائِضِ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، بَابُ مَا جَاءَ فِي مِيرَاثِ البَنَاتِ، رقم الحديث: 2092، ج4، ص414۔

[108]- القرآن سورة النساء :11/4۔

[109]- عمری، جلال الدین، سید، مسلمان عورت کے حقوق اوران پر اعتراضات کا جائزہ، اسلامک ریسرچ اکیڈمی، کراچی، مئی 2015ء، ص161۔

[110]- القرآن سورة النساء :11/4۔

[111]۔ تفسیر ضیاء القرآن، ج1،ص324۔

[112]۔ القرآن سورۃ النساء :11/4۔

[113]۔ القرآن سورۃ النساء :12/4۔

[114]۔ ندوی، مجیب اللہ، اسلامی فقہ، پروگریسو بکس، لاہور، سن ندارد، ص695۔

[115]۔ القرآن سورۃ النساء :12/4۔

[116]۔ اسلامی فقہ، ص695۔

[117]۔ القرآن سورۃ النساء :176/4۔

[118]۔ سعیدی، غلام رسول ،تبیان القرآن، فرید بک سٹال،لاھور،2000ء،ص894۔

[119]۔ القرآن سورۃ البقرۃ:2/ 267۔

[120]۔ القرآن سورۃ الاحزاب:33/33۔

[121]۔ القرآن سورۃ النساء :7/4۔

[122]۔ القرآن سورۃ النساء :4/4۔

[123]۔ صحیح البخاري، كِتَابُ البُيُوعِ، بَابُ البَيْعِ وَالشِّرَاءِ مَعَ النِّسَاءِ،رقم الحدیث:2155، ج3،ص71۔

[124]۔ ایضاً، رقم الحدیث:2156، ج3،ص71۔

[125]۔ شبلی نعمانی، علامہ، سیرت النبی ﷺ، دارالاشاعت، کراچی، طبع اول: مئی 1985ء، ج2، ص250۔

[126]۔ نصیر شاہ، سید، اسلام میں خواتین کے حقوق، نیاز نامہ پبلیکیشنز، لاہور، 2011ء، ص297۔

[127]۔ صحیح البخاری، كِتَابُ الجِهَادِ وَالسِّيَرِ، بَابُ حَمْلِ النِّسَاءِ القِرَبَ إِلَى النَّاسِ فِي الغَزْوِ،رقم الحدیث:2881، ج4،ص33۔

[128]۔ ایضاً، كِتَابُ الجِهَادِ وَالسِّيَرِ، بَابُ مُدَاوَاةِ النِّسَاءِ الجَرْحَى فِي الغَزْوِ ،رقم الحدیث:2882، ج4، ص34۔

[129]۔ صحیح المسلم، كِتَابُ الْجِهَادِ وَالسِّيَرِ،بَابُ غَزْوَةِ النِّسَاءِ مَعَ الرِّجَالِ،رقم الحدیث:1810، ج3، ص1443۔

[130]۔ لیاقت علی خان نیازی، ڈاکٹر، اسلام کا نظامِ حیات، سنگ میل پبلیکیشنز، لاہور 2007ء، ص333۔

[131]۔ صحیح البخاري، كِتَابُ الجُمُعَةِ، بَابُ قَوْلِ اللَّهِ تَعَالَى: فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلاَةُ فَانْتَشِرُوا فِي

الأَرْضِ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللَّهِ،رقم الحديث:938، ج2،ص13۔

[132]۔ صحیح المسلم، كِتَاب الْمُسَاقَاةِ، بَابُ فَضْلِ الْغَرْسِ وَالزَّرْعِ،رقم الحديث:1552، ج3، ص1188۔

[133]۔ ذاکرنائیک،ڈاکٹر،مسلمان عورت،مترجم سید خالد جاوید مشہدی،بیکن بکس،لاہور،2007ء،ص47۔

[134]۔ المدراسی،محمد عبد العلی،شرح الوقاية مع حاشية عُمدة الرعاية، سعید ایچ ایم کمپنی، کراچی، 1403ھ،ص152۔

[135]۔ القرآن سورة البقرة:2/ 283۔

[136]۔ سنن أبي داؤد، كِتَاب الْأَقْضِيَةِ، بَابٌ فِي الشَّهَادَاتِ،رقم الحديث: 3596 ،ج3،ص304۔

[137]۔ صحيح البخاري، كِتَابُ الشَّهَادَاتِ، بَابُ مَا قِيلَ فِي شَهَادَةِ الزُّورِ،رقم الحديث: 2653، ج3، ص171۔

[138]۔ القرآن سورة النساء :4/ 15۔

[139]۔ القرآن سورة النور:24/ 4۔

[140]۔ شرح الوقاية مع حاشية عُمدة الرعاية ،ص153۔

[141]۔ مسلمان عورت کے حقوق اوران پر اعتراضات کاجائزہ،ص192۔

[142]۔ القرآن سورة البقرة:2 /282۔

[143]۔ مسلمان عورت کے حقوق اوران پر اعتراضات کاجائزہ،ص194۔

[144]۔ شرح الوقاية مع حاشية عُمدة الرعاية، ص153۔

[145]۔ مسلمان عورت کے حقوق اوران پر اعتراضات کاجائزہ،ص194۔

[146]۔ شرح الوقاية مع حاشية عُمدة الرعاية، ص153۔

[147]۔ سنن الترمذي، أَبْوَابُ الرَّضَاعِ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ،بَابُ مَا جَاءَ فِي شَهَادَةِ المَرْأَةِ الوَاحِدَةِ فِي الرَّضَاعِ،رقم الحديث:1151،ج3،ص449۔

[148]۔ اسلام اوردیگر مذاہب ومعاشروں میں عورت کے حقوق ومسائل،ص98۔

[149]۔ مسلمان عورت کے حقوق اوران پر اعتراضات کاجائزہ،ص196۔

[150]۔ القرآن سورة التوبة :9 /71۔

[151]- صـحيح المسـلم، كِتَابُ الْإِمَارَةِ،بَابُ وُجُوبِ الْإِنْكَارِ عَلَى الْأُمَرَاءِ فِيمَا يُخَالِفُ الشَّـرْعَ، وَتَرْكِ قِتَالِهِمْ مَا صَلَّوْا، وَنَحْوِ ذَلِكَ،رقم الحديث: 1854،ج3،ص1480-

[152]- صـحيح البخاري، كِتَابُ الشُّرُوطِ، بَابُ الشُّـرُوطِ فِي الجِهَادِ وَالمُصَـالَحَةِ مَعَ أَهْلِ الحَرْبِ وَكِتَابَةِ الشُّرُوطِ، رقم الحديث: 2731، ج3،ص193-

[153]- ايضاً-

[154]- ايضـاً، كِتَابُ الجِهَادِ وَالسِّـيَرِ،بَابُ حَمْلِ الرَّجُلِ امْرَأَتَهُ فِي الغَزْوِ دُونَ بَعْضِ نِسَـائِهِ،رقم الحديث: 2879،ج4،ص33-

[155]- ايضاً، كِتَابُ الجِهَادِ وَالسِّيَرِ، بَابُ غَزْوِ النِّسَاءِ وَقِتَالِهِنَّ مَعَ الرِّجَالِ،رقم الحديث:2880، ج4، ص33-

[156]- ايضاً،بَابُ مُدَاوَاةِ النِّسَاءِ الجَرْحَى فِي الغَزْوِ ،رقم الحديث:2882،ص34-

[157]- ايضاً، كِتَابُ المَغَازِي، بَابُ كِتَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى كِسْرَى وَقَيْصَرَ،رقم الحديث: 4425 ،ج6،ص8-

[158]- سنن الترمذي، أَبْوَابُ الْفِتَنِ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ،رقم الحديث: 2266، ج4، ص529-

[159]- الطبراني، سـليمان بن أحمد بن أيوب، المعجم الأوسـط، دار الحرمين القاهرة،سـن ندارد،رقم الحديث: 425، ج1،ص135-

[160]- البغوي، أبو محمد الحسين بن مسعود بن محمد بن الفراء، شـرح السـنة، المكتب الإسـلامي، دمشـق، الطبعة الثانية: 1403هـــ ، كِتَابُ الإِمَارَةِ وَالْقَضَـاءِ، بَابُ عَقْدِ الْبَيْعَةِ وَالاسـتِخْلافِ، ج10،ص77-

[161]- ابن العربي، القاضـي محمد بن عبد الله أبو بكر ، أحكام القرآن، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الثالثة، 1424 هـ،ج3،ص482-

[162] القرآن سورة النمل:27/ 23، 24-

[163]- *شرح صحيح مسلم، كتاب الجهاد،ج5،ص689-*

[164]- الحميري ،أبو بكر عبد الرزاق بن همام بن نافع، المصنف، المكتب الإسلامي ،بيروت، كِتَابُ الصَّلَاةِ،بَابُ الْمَرْأَةِ تَؤُمُّ النِّسَاءَ، رقم الحديث:5086،ج3،ص140-

[165]- الأندلسـي، أبومحمد علي بن أحمد بن سـعيد بن حزم، المحلى بالآثار، دارالفكر، بيروت، ج2، ص168-

[166]- ايضاً، ج3،ص137-

[167]- المصنف، كِتَابُ الصَّلَاةِ،بَابُ الْمَرْأَةِ تَؤُمُّ النِّسَاءَ، رقم الحديث: 5083، ج3،ص140-

[168]- الجزيري، عبد الرحمن بن محمد عوض ، الفقه على المذاهب الأربعة، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الثانية: 1424هـ، ج1،ص372-

باب پنجم

عصر حاضر میں حقوقِ نسواں کے حوالے سے تحاریک و قانون سازی

فصل اول: تحریکِ نسواں کا تعارف، ارتقاء اور وسعت

فصل دوم: پاکستان میں حقوقِ نسواں کی تحاریک و قانون سازی

فصل اول

تحریکِ نسواں کا تعارف، ارتقاء اور وسعت

تاریخ کے مطالعے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ عورت عرصہ دراز سے ظلم و ستم کا نشانہ بن رہی تھی، یونانی تہذیب ہو یا رومی تہذیب، مصری تہذیب ہو یا عراقی تہذیب، ہندومت ہو یا بدھ مت، چینی تہذیب ہو یا جاپانی تہذیب، خطہ عرب میں بھی ہر جگہ عورت کے ساتھ حیوانوں سے بدتر سلوک ہو رہا تھا۔ اس پر کئے گئے ظلم و ستم کی دادرسی بھی نہیں ہوتی تھی مگر جب دینِ اسلام کی شمع روشن ہوئی تو عورت کو اس ظلم و ستم کے گرداب سے نجات ملی اور اسے معاشرے میں معزز مقام حاصل ہوا لیکن وہ قومیں جو اسلام کے زیرِ سایہ نہ آسکیں، انہیں اس نعمتِ عظمیٰ کی برکات حاصل نہ ہو سکیں۔ چنانچہ ان میں عورت کے حقوق کی پامالی ہوتی رہی اور اس کے ردعمل کے طور پر آزادی نسواں کا تصور ابھرا، دلائل سے یہ بات ثابت کرنے کی کوشش کی گئی کہ عورت اور مرد میں کسی قسم کا امتیاز نہیں ہے۔ عورت بالکل آزاد اور خود مختار ہے اور وہ کسی بھی منصب پر فائز ہو سکتی ہے۔ لہذا اسے وہ سارے حقوق حاصل ہونے چاہئیں جو مرد کو حاصل ہیں۔ بظاہر یہ تصور عورت کے لئے بڑا دلفریب و خوش آئند تھا، اس نے اسے فوراً قبول کر لیا اور معاشی، معاشرتی اور سماجی امور میں اس کی شریک بنتی چلی گئی۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ حقوقِ نسواں، آزادیٔ نسواں، ترقیٔ نسواں، نظریۂ مساواتِ مرد وزن ایک نمایاں شکل اختیار کرتا چلا جا رہا ہے۔ یہ درحقیقت مغرب کی پیداوار ہے لیکن مغربی دنیا کے علاوہ تمام اسلامی ممالک پر بھی اس کے کسی حد تک گہرے اثرات مرتب ہو رہے ہیں۔ دنیا کا کوئی بھی ملک حقوقِ نسواں و آزادیٔ نسواں کی تحریکوں، نعروں اور تقریروں سے خالی نہیں۔

بیسویں صدی کی اصطلاح Muslim Feminism:

بیسویں صدی میں ایک نئی اصطلاح "Muslim Feminism" ابھر کر سامنے آئی ہے۔ جس کے تحت مسلمان خواتین نے مساواتِ مرد وزن کا دعویٰ کرتے ہوئے اسلامی تعلیمات کی تشریحات پر عدمِ اعتماد کا اظہار کیا۔ اس کے باوجود وہ خود کو مسلمان کہلوانے پر مُصر ہیں۔ امین احسن اصلاحی نے اپنی کتاب میں ایسی خواتین کے لیے "مُترّجلات" کی اصطلاح استعمال کی:

> "یعنی وہ عورتیں جو رَجُلٌ (یعنی مرد بننے) میں زیادہ دلچسپی رکھتی ہیں"۔[1]

تحریک نسواں کی علمبر دار خواتین کے لیے موزوں اصطلاح کا تعین:

تحریک نسواں کی علمبر دار خواتین کے لیے کونسی اصطلاح و موزوں لفظ کا انتخاب کیا جائے، یہ مسئلہ ان کے حامی و مخالفین دونوں کو درپیش رہا ہے۔ محمد عطاء اللہ صدیقی اس حوالے سے لکھتے ہیں:

"تحریک نسواں کی علمبر دار خواتین کو "عورت" کہنا لفظ عورت کی توہین، بلکہ معنوی تحریف ہے۔ عورت کا لغوی مطلب چھپی ہوئی، مجسم حیا ہے۔ مغربی عورت نے پردہ اور حجاب سے بہت پہلے آزادی حاصل کرلی تھی مذکورہ تحریک کے زیر اثر شرم وحیا کا چولا بھی اتار پھینکا ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ایسی عورتوں کے لئے کون سا لفظ یا اصطلاح استعمال کی جائے۔ یہ ذمہ داری تو دراصل ان بیگمات کی تھی جو مغربی فکر کے زیر اثر ہیں کہ وہ نسوانی تشخص سے جان چھڑانے کے بعد اپنے لیے نیا نام ایجاد کریں۔ ویسے تو ان کا ذہن مختلف جدت طرازیوں اور روایتی اصطلاحات کی بجائے نت نئی جدت پسندیوں کی تحقیق کرتا رہتا ہے لیکن لفظ "عورت" کے متعلق ان کی تخلیقی صلاحیت ابھی تک سامنے نہیں آئی، وہ نجانے "عورت" جیسی شرمناک اور دقیانوسی اصطلاح اپنے لئے ابھی تک کیوں گوارا کیے ہوئے ہیں؟ وہ "محجوب و مستور" ہونے کو اپنے لئے توہین آمیز تصور کرتی ہیں، انہیں چاہیے کہ وہ "عورت" کے لفظ کو استحصالی معاشرے کی اصطلاح سمجھتے ہوئے کوئی نئی اصطلاح وضع کریں۔ لگتا ہے اس معاملے میں وہ خود خاصی روایت پسند واقع ہوئی ہیں"۔ [2]

مختلف زبانوں میں صنفِ نازک کے لیے مختلف الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔ مثلاً عربی زبان میں عورت کیلئے "المرأة" اور "النساء" کے الفاظ رائج ہیں، فارسی میں "زن" اور "خاتون" کے الفاظ وضع کیے گئے۔ جبکہ برصغیر پاک وہند میں عورت کی عفت، حیا و پاکدامنی کے پیشِ نظر "مستورات" کی اصطلاح بھی رائج ہے۔ لیکن یہ تمام الفاظ تحریکِ نسواں کی علمبر دار خواتین، مغرب کی مادر پدر آزاد خواتین اور ان کی اندھی تقلید میں پاکستانی خواتین کے لئے استعمال کرنا موزوں نہیں۔

علامہ اقبال کی اصطلاح:

علامہ اقبال نے کئی سال پہلے مسلمان خواتین کو "مغرب سے اٹھنے والی تحریکِ نسواں" کے نتائج سے خبردار کردیا تھا، جدید مغربی تعلیم میں آپ نے مسلمان خواتین کے لیے خطرہ محسوس کیا اس لیے علامہ نے فرمایا:

جس علم کی تاثیر سے زن ہوتی ہے نازن
کہتے ہیں اسی علم کو اربابِ نظر موت [3]

اس شعر میں آپ نے فرمایا کہ وہ علم جس کے حصول کے بعد عورت اپنا تشخص کھو بیٹھتی ہے، وہ علم عورت کی نسوانیت کے لیے موت ہے۔ علامہ اقبال نے مغربی تہذیب کی دلدادہ خواتین کے لیے اس شعر میں لفظ ''نازن'' استعمال کیا، اس کی تشریح کرتے ہوئے محمد عطاء اللہ صدیقی لکھتے ہیں:

''نازن ان عورتوں کو کہا جاتا ہے جن کا گھریلو امور میں دل نہیں لگتا۔ ان کی دلچسپیوں کا محور و مرکز بازار کا ماحول ہی ہوتا ہے۔ گھر گرہستن ہونا ان کے نزدیک ایک ایسا عیب ہے جسے وہ کبھی بھی اپنے نام کے ساتھ لکھنا پسند نہیں کرتیں یہ درحقیقت معتدل مزاج تعلیم یافتہ خواتین کی تحریک نہیں وہ تو مغرب میں بھی خود کو "Feminist" کہلوانا پسند نہیں کرتیں ۔ یہ تحریک اعصابی ونفسیاتی، جنونی اور انتہا پسند عورتوں کی تحریک ہے جو مردوں کے مقابلے میں احساسِ کمتری کا شکار تھیں اور جنہیں مردوں کے ہر میدان میں برابری کا خبط اور مالیخولیا لاحق تھا۔ اس لیے اسے تحریک نسواں کی بجائے تحریک نازن کہنا چاہیے''۔[4]

آزادی نسواں کی علمبردار خواتین کے لیے ''نازن'' سے بہترین اور جامع اصطلاح نہیں ہو سکتی۔

تحریک آزادی نسواں کے آغاز کے اسباب:

اٹھارویں صدی کے اوائل میں جب یورپ میں صنعتی دور کا آغاز ہوا تو جدید ذہنیت کے حامل افراد نے قدیم نظامِ تہذیب و تمدن کے خلاف آواز بلند کی اس کے نتیجے میں حریت فکر و عمل کے دور کا آغاز ہوا۔ اس حوالے سے سید محمد قطب لکھتے ہیں:

''صنعتی انقلاب کے ساتھ ہی کیا شہر اور کیا دیہات سب جگہ صورت حال بالکل بدل گئی، خاندانی زندگی بالکل تباہ ہو گئی اور خاندان کے افراد کو جوڑنے والا رشتہ بھی ختم ہو گیا، کیوں کہ صنعتی انقلاب کی لائی ہوئی تبدیلی کے بعد مردوں کے ساتھ ساتھ عورتوں اور بچوں کو بھی گھر چھوڑ کر کارخانوں کی راہ لینی پڑی تا کہ ملازمت کر کے اپنا پیٹ پال سکیں۔ مزدوری پیشہ طبقے رفتہ رفتہ دیہات کو خیر آباد کہہ کر شہروں میں آنے لگے، دیہات کی زندگی میں باہمی ذمہ داری اور تعاون اشتراک کی روح پائی جاتی تھی مگر اب جس شہری زندگی سے دوچار ہوئے اس میں کوئی کسی کا پرسان حال نہ تھا۔ نہ کسی کو دوسرے لوگوں سے حتیٰ کہ اپنے ہمسایوں سے کوئی دلچسپی تھی اور نہ وہ اپنے سوا کسی اور کا بوجھ برداشت کرنے کے لیے ہی تیار تھے۔ شہروں میں نہ کوئی اخلاقی اصول تھا اور نہ کسی کو اخلاقی اصولوں کی پابندی کا خیال تھا، چنانچہ صنفی انارکی کی ایسی وبا پھیلی کہ مرد و عورت اپنے جنسی جذبات کی تسکین کا جو موقع پاتے اس سے بلا تکلف فائدہ اٹھاتے اور اخلاقی بند شیں منہ دیکھتی رہ جاتیں۔ اس کا ایک اور نتیجہ یہ ہوا کہ لوگوں میں شادی کرنے اور گھر بسانے کی خواہش کمزور پڑ گئی یا اگر کچھ لوگوں میں یہ خواہش باقی رہی، تو وہ بھی یہی چاہنے لگے کہ یہ مصیبت چند

سال اور ٹل جائے تو بہتر ہے"۔[5]

معاش کی دوڑ کا اثر صنف نازک پر بھی ہوا اور عورت کسبِ معاش میں مرد کے شانہ بشانہ چلنے لگی۔ اس معاشی دوڑ سے جو مادی معاشرہ وجود میں آیا وہاں اخلاقیات کا فقدان تھا اور توقیرِ انسانیت ناپید ہو گئی۔ عورت جسے معاشرے میں باعزت مقام حاصل تھا اور جس کی فضیلت ماں بننے میں تھی، اب اس کے تقاضے بدل گئے۔ اس لئے اہلِ مغرب کو انسانی حقوق کی تحریکیں چلانی پڑیں۔

تحریکِ آزادی نسواں کی بانی:

میری وولسٹن کرافٹ* کو تحریک آزادی کا بانی شمار کیا جاتا ہے۔ پہلی دفعہ 1792ء میں میری وولسٹن کرافٹ نے اپنی کتاب "A Vindication of the rights of women" کے ذریعے اپنی آواز بلند کی اور عورتوں کے مساوی حقوق کا مطالبہ کیا۔ میری وولسٹن کرافٹ کا نظریہ یہ تھا کہ مرد و عورت دونوں کو یکساں تعلیم کے مواقع میسر ہونے چاہئیں، ان کے درمیان کسی قسم کا امتیاز نہیں ہونا چاہیے، دونوں کے لیے ایک جیسے اخلاقی اصول وضع کئے جائیں۔ وہ اپنی کتاب میں لکھتی ہیں:

"تعلیم، روزگار اور سیاست کے میدان میں عورتوں کی وہی حیثیت تسلیم کی جائے جو مردوں کو حاصل ہے مزید دونوں صنفوں کے لیے اخلاقی معیار بھی یکساں ہونا چاہیئے"۔[6]

اس کتاب میں انہوں نے عورتوں کے لیے مساوات کے عنصر پر اس حد تک زور دیا کہ یہ نظریہ عورتوں کا حسین خواب بن گیا۔ اس حوالے سے "David Bouchier" اپنی کتاب "The Feminist challenge" میں رقمطراز ہیں:

"بعد ازاں یہ نظریہ آہستہ آہستہ پھیلنے لگا اسکے حق میں دلائل بھی فراہم ہونے لگے، جلد ہی یہ تحریک یورپ اور امریکہ میں پھلنے پھولنے لگی۔ پھر زندگی کے ہر شعبے میں مساوات حاصل کرنے کا نظریہ ترقی پسندانہ نظریہ کی حیثیت اختیار کر گیا اور اس کے خلاف کوئی بات کرنا پسماندگی کی علامت قرار دیا جانے لگا۔ ساتھ ساتھ فیملی پلاننگ کی تحریک بھی پھلنے پھولنے لگی، فیملی پلاننگ کی تحریک کے تحریکِ آزادی نسواں کے ہم نوا ہونے کی بڑی وجہ یہ تھی

---

*میری وولسٹن ای کرافٹ برطانوی انگریزی مصنفہ، فلاسفر اور عورتوں کے حقوق کی وکیل تھیں۔

کہ عورت کی خوشی اورآزادی میں حائل جہاں مرد ہیں وہاں کے بچے عورت کو کمزور کرنے کا سب سے بڑا باعث ہیں، عورت کی خودی اور ترقی کے قاتل ہیں اور مردانہ تسلط کو عورت کی آزادی پر غالب کر کے عورت کی معاشی راہیں مسدود کرتے ہیں"۔[7]

تحریکِ آزادی نسواں کے حامیوں کے پیش کردہ دلائل میں سے ایک دلیل یہ ہے کہ عورت اور مرد کے درمیان جو فرق ہے اس کی بنیاد فطرت نہیں ہے بلکہ سماج ہے۔ سماج کی مجبوریوں کی وجہ سے دونوں کے درمیان تفاوت کیا گیا اگر عورت کو سماجی دباؤ سے آزاد کر دیا جائے تو وہ ہر میدان میں مرد کے مساوی کام کر سکتی ہے۔

تحریکِ آزادی نسواں کا آغاز:

آزادی نسواں کی تحاریک کا آغاز امریکہ سے ہوا پھر آہستہ آہستہ اس کی فضا یورپ اور دوسرے ممالک میں پھیلنے لگی۔اس کے متعلق "David Bouchier" لکھتے ہیں:

"There have been two great waves of feminist activity in recent history. The first began in the USA in the 1830s, spread rapidly to Europe and ended when women achieved the vote in the 1920s. The second wave also appeared first in the USA in the early 1960s. and has had its major cultural impacts there soon afterwards a new feminist movement appeared in Britain which took some of its inspiration from the American experience, but developed along very different lines. At the same time in many other countries, women launched campaigns for their own equality which took their forms from their different cultural sellings".[8]

ترجمہ: حالیہ تاریخ میں تحریکِ نسواں کی دو مہمات سامنے آرہی ہیں۔ پہلی کا آغاز 1830ء کی دہائی کے اوائل میں امریکہ میں ہوا۔یورپ میں یہ تحریک تیزی سے پھیلی اور اس وقت ختم ہوئی جب 1920ء میں ووٹ کا حق حاصل ہوا۔

دوسری مہم بھی سب سے پہلے 1960ء کی دہائی میں امریکہ میں شروع ہوئی اور وہاں اس کے بڑے ثقافتی اثرات مرتب ہوئے۔ جس کے فوراً بعد ہی برطانیہ میں ایک نئی تحریکِ نسواں نمودار ہوئی جو امریکی تحریک سے بہت متاثر ہوئی لیکن اس کی ترقی بہت مختلف خطوط پر ہوئی۔ عین اسی وقت پر دوسرے ممالک میں خواتین نے اپنی مساوات کے لیے مہمات چلائیں جو ان کی مختلف ثقافتی ترتیبات کے مطابق تشکیل پائیں۔

چنانچہ 1830ء کی دہائی میں پورے زوروشور کے ساتھ اس تحریک نے اپناسیاسی رنگ جمایا۔ اس وقت ایک اور تحریک "غلامی کے خاتمے کی تحریک" بھی اپنے عروج پر تھی اس میں بھی عورتوں نے بھرپور شرکت کی۔ سارااور انجلینا گرمکی* دونوں بہنیں ایک غلام خاندان سے تعلق رکھتی تھیں، انہوں نے اس تحریک میں بہت فعال کردار ادا کیا لیکن اس وقت کی ایک جماعت جو کہ چرچ کے پادریوں پر مشتمل تھی، اس نے اعلان کیا:

"عورت کا مقام اور ذمہ داریاں بائبل پہلے ہی مقرر کر چکی ہے عورت کی طاقت اس کی کمزوری اور مجبوری میں ہے جو خدا نے اسے عنایت کی ہے، جب وہ مردوں کی طرح کام کرتی ہے اور معاشرے کی فلاح چاہتی ہے تو وہ اپنی حقیقت بھول رہی ہوتی ہے"[9]

دونوں بہنوں نے عورتوں اور غلاموں کے مسائل میں یکسانیت ثابت کرنے کی کوشش کی، جس کی وجہ سے ان دونوں کو قاتلانہ حملوں کا نشانہ بھی بنایا گیا۔ ان کے مطابق مذہب اور شادی نے عورتوں کو نقصان پہنچایا اور انہوں نے اس بات کو بھی چیلنج کیا کہ فطرت کے اعتبار سے مرد، عورتوں سے بہتر ہیں۔

عورتوں کے حقوق کا کنونشن Woman's Rights Convention1848AD:

1848ء میں امریکہ کے شہر نیویارک کے قریب ایک مقام "سنیکا فالز" میں ایک کنونشن کا انعقاد کیا گیا:

"The Seneca Falls Convention was the first women's rights convention in the United

---

*سارا اور انجلینا گرمکی دونوں (Grimke Sisters) کے نام سے جانی جاتی ہیں۔ یہ دونوں پہلی امریکن خواتین تھیں جو انسدادِ غلامی اور حقوقِ نسواں کی وکیل تھیں۔ یہ دونوں فنِ تقریر، درس و تدریس اور تحریر میں ماہر تھیں۔

States, Held in July 1848AD in Seneca Falls, New York".[10]

ترجمہ: سنیکا فالز کنونشن امریکہ میں منعقد کردہ عورتوں کے حقوق کا وہ پہلا کنونشن تھا جو جولائی 1848ء میں سنیکا فالز نیویارک میں منعقد کیا گیا۔

متذکرہ بالا کنونشن "عورتوں کے حقوق کا کنونشن" "Woman's Rights Convention" کے نام سے موسوم کیا گیا۔ اس کے شرکاء کی تعداد 300 کے قریب تھی۔ اس میں شریک خواتین نے ایک منشور پیش کیا جس کا خلاصہ "David Bouchier" نے درج ذیل الفاظ میں بیان کیا ہے:

"The convention issued an alternative declaration calling for reforms such as property rights for married women and greater access to education, trades and professions, including the church. An under-current of more radical demands for the transformation or abolition of the family and for free love were an embarrassment to the movement in a puritanical and restrictive age, and only effectively resurfaced a century later.In general, the conventional wisdom that women had special duties and responsibilities to home and family was accepted. Though this doctrine of separate spheres for men and women later became a source of division between moderate and more radical feminists".[11]

ترجمہ: کنونشن کے جاری کردہ اور متبادل اعلامیہ میں شادی شدہ خواتین کے لیے جائیداد کے حقوق اور چرچ سمیت تعلیم، تجارت اور پیشوں تک زیادہ سے زیادہ رسائی جیسی اصلاحات کا مطالبہ کیا گیا ہے۔ بنیادی محبت کے لیے خاندانی نظام کی تبدیلی یا خاتمے کے لیے ایک بنیادی فعل عصمت فروشی کے پابند عہد میں اس تحریک کا نفاذ تھا اور عام طور پر خواتین کو خاص فرائض اور ذمہ داریاں حاصل

تھیں۔ گھر اور کنبہ کو تسلیم کیا گیا۔ مرد اور خواتین کے فرقہ وارانہ دائرے کا یہ نظریہ بعد میں اعتدال پسند اور زیادہ بنیاد پرست خواتین کے مابین تفریق کا ذریعہ بن گیا۔

اس منشور کی منظوری کے لیے خواتین نے مستقل جدوجہد کی اور مظاہرے کیے، آخرکار وہ اس کی منظوری میں کامیاب ہو گئیں۔

1869ء تا 1890ء کے دورانیے میں مختلف تنظیموں کا قیام:

1869ء میں "National Woman Suffrage Association" کی بنیاد رکھی گئی:

"National Woman Suffrage Association (NWSA), American organization, founded in 1869 and based in New York city, that was created by Susan B.Anthony and Elizabeth Cady Stantion".[12]

ترجمہ: "National Woman Suffrage Association" ایک امریکن تنظیم ہے جو 1869ء، نیویارک میں وجود میں آئی۔ جسکی روحِ رواں سوزن انتھنی اور الزبتھ کیڈی سٹینٹن تھیں۔

تقریباً چھ ماہ کا عرصہ گزر جانے کے بعد لوسی سٹون نے اپنی ساتھیوں کے ہمراہ "American Woman Suffrage Association" قائم کی:

"American political organization that worked from 1869 to 1890 to gain for women tha right to vote. Based in Boston, the AWSA was created by Lucy Stone, Henry B.Blackwell, Julia Ward Howe, T.W.Higginson and others".[13]

ترجمہ: امریکن سیاسی تنظیم جس نے 1869ء تا 1890ء کی دہائی میں عورتوں کے لیے حقِ رائے دہی (ووٹ) کے حصول کے لیے فعال کردار ادا کیا۔ جس کی بنیاد بوسٹن میں رکھی گئی۔ اس تنظیم کی روحِ رواں لوسی سٹون، ہینری بلیک ویل،

جولیاوارڈہو، ٹی ڈبلیو ہیگنسن اور دیگر خواتین تھیں۔

اسی دوران ایک رسالہ، انقلاب "Revolution" بھی تحریر کیا گیا۔ ان تمام کاوشوں کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ عورتوں کو ووٹ کا حق حاصل ہو جائے۔ 1890ء میں دونوں جماعتیں ایک دوسرے میں ضم ہو گئیں۔ جس سے ایک نئی جماعت وجود میں آئی جس کا نام "National American Woman Suffrage Association (NAWSA)" رکھا گیا۔

عورت کی انجیل (The Woman's Bible) کی اشاعت:

الزبتھ کیڈی سٹینٹن نے اپنی تمام تر توجہ چونکہ عورتوں کے مسائل کی طرف مرکوز رکھی ہوئی تھی، اس لیے انہوں نے عورتوں کے نکتہ نگاہ کو پیش کرنے کے لئے اپنی ہم خیال خواتین کے گروہ کے تعاون سے ایک کتاب لکھی جس کا نام "The Woman's Bible" تجویز کیا گیا۔ اور یہ دو حصوں پر مشتمل ہے:

> "*The Woman's Bible* is a two-part non-fiction book, written by Elizabeth Cady Stanton and a committee of 26 women, published in 1895 and 1898 to challenge the traditional position of religious orthodoxy that woman should be subservient to man. By producing the book, Stanton wished to promote a radical liberating theology, one that stressed self-developmen." [14]

> ترجمہ: ویمن بائیبل دو حصوں کی غیر افسانوی کتاب ہے جسے الزبتھ کیڈی سٹینٹن اور 26 خواتین کی ایک کمیٹی نے لکھا ہے۔ جو قدامت پرست مذہب کی روایتی پوزیشن کو چیلنج کرنے کے لیے 1895ء اور 1898ء میں شائع ہوئی تھی کہ خواتین کو مرد کے تابع رہنا چاہیئے۔ کتاب کے ذریعے اسٹینٹن نے ایک سرخ رنگ کے آزادئ الہیات کو فروغ دینے کی خواہش کی۔ جس نے خود کی ترقی (Self Respect) پر زور دیا۔

اس کتاب کی اشاعت نے عورتوں کی تحریک میں مزید جوش وخروش پیدا کر دیا اور حقوقِ نسواں کی تعبیرِ نو

نے جنم لیا۔

1913ء میں Congressional Union کی تشکیل:

1913ء میں دو خواتین الائس پال (Alice Paul) اور لوسی برنس (Lucy Burns) نے خواتین کے حقوق کے لئے ایک جماعت کی تشکیل دی:

> "The Congressional Union for woman Suffrage (CV) was founded in 1913 by Alice Paul. Other prominent members of the organization included Lucy Burn, Mary Beard, Dora Lewis and Crystal Eastman".[15]

> ترجمہ: عورتوں کے حقِ رائے دہی (ووٹ) کے لیے (Congressional Union) کا قیام 1913ء میں الائس پال (Alice Paul) کے ذریعے عمل میں لایا گیا۔ تنظیم کے نمایاں ممبران میں لوسی برنس (Lucy Burn)، میری برڈ (Mary Beard)، ڈورالیوس (Dora Lewis) اور کرسٹل ایسٹ مین (Crystal Eastman) شامل تھے۔

جس میں شامل اراکین نے مظاہروں اور بھوک ہڑتالوں کے ذریعے اپنی جدوجہد کو جاری رکھا۔ دوسرے مطالبات کے ساتھ ساتھ ووٹ کا مطالبہ بھی سرفہرست رہا۔ جو اس سے قبل 1878ء میں بھی پیش کیا گیا تھا۔ آخرکار مسلسل دشواریوں اور مستقل محنت کا سامنا کرتے کرتے اس تحریک کا جوش وخروش برقرار نہ رہا اور چالیس سال یعنی 1920ء تا 1960ء تک اس نے خاموشی اختیار کرلی۔

1961ء میں "Commission on the Status of Women" کا قیام:

1961ء میں عورتوں کے مسائل کو حل کرنے کے لیے قومی سطح پر ایک کمیشن تشکیل دیا گیا۔

> "The President's Commission on the Status of Women (PCSW) was established to advise the President of the United States on issues concerning the status of women. It was created by John F. Kennedy's Executive Order 10980 signed December 14, 1961." [16]

ترجمہ: خواتین کی حیثیت سے متعلق امور پر ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے صدر کو مشورہ کے لیے صدر کمیشن برائے خواتین کی حیثیت (پی سی ایس ڈبلیو) قائم کی گئی تھی۔ اسے جان ایف کینڈی نے 14 دسمبر 1961ء میں دستخط کیے ایگزیکٹو آرڈر 10980 نے بنایا تھا۔

اس کمیشن کی وجہ سے تحریک کو دوبارہ رہنمائی ملی اور ایک دفعہ پھر یہ تحریک خواب سے انگڑائیاں لیتی ہوئی بیدار ہوئی۔ آخر کار عورت کو ووٹ حق بھی دے دیا گیا۔ اس حوالے سے ثریا بتول رقمطراز ہیں:

"امریکہ میں یہ حق 1920ء میں، برطانیہ میں 1918ء میں سوئیٹزر لینڈ میں 1917ء میں اور فرانس میں 1946ء میں مل گیا۔ جبکہ یو این او کی طرف سے یہ حق خواتین کو 1952ء میں ملا۔ انہیں ذاتی ملکیت رکھنے کا حق بھی مل گیا۔ جنس کی بنا پر مرد و عورت کا امتیازی سلوک ممنوع قرار پایا عورتوں کے لئے مردوں کے مساوی قوانین بنے اور یکساں حقوق بھی تسلیم کیے گئے۔ عورت کو طلاق دینے کا حق بھی مل گیا۔ اب عورت آزاد فضا میں آزادی اور خود اعتمادی محسوس کرنے لگی۔ وہ شانہ بشانہ مرد کے ساتھ ہر جگہ کام کرنے لگی، حتیٰ کہ وہ اقوام متحدہ کے چارٹر میں یہ شق رکھوانے میں بھی کامیاب ہو گئی کہ عورت اور مرد کے تمام حقوق یکساں اور برابر ہیں، پھر اس نے اسقاط حمل کا حق بھی مانگا جو 1970ء میں اسے مل گیا"۔[17]

اس کمیشن کی بدولت اتنی بڑی تبدیلی رونما ہوئی کہ جس کے بارے میں سوچا بھی نہیں جا سکتا تھا اور "حقوقِ نسواں" کی آڑ میں "آزادیٔ نسواں" کو وہ حقوق حاصل ہو گئے کہ جن کی بدولت وہ مکمل خود مختار ہو گئی اور مردوں کے تسلط سے آزاد ہو گئی کیونکہ اندرونِ خانہ کوئی ایسا معاملہ اب نہیں رہا تھا جس کا اختیار عورت کے ہاتھ میں نہ دے دیا گیا ہو۔ یعنی حقِ ملکیت، حقِ ووٹ اور حقِ طلاق سے لے کر اسقاطِ حمل تک کا فیصلہ عورت کی مرضی و منشاء پر منحصر کر دیا گیا۔

1966ء میں National Organization for Women (NOW) کا قیام:

1966ء میں بٹی فریڈن نامی خاتون نے "National Organization for Women" کی بنیاد رکھی۔ پھر اس کے بعد کئی بڑی اور چھوٹی جماعتیں وجود میں آتی گئیں۔ بٹی فریڈن کی کتاب "Feminine mystique" نے اس تحریک کے افکار کو فروغ دیا:

" The Feminine Mystique is a book by Betty Friedan that is widely credited with sparking the beginning of second-wave feminism in

the United States. It was published on February 19, 1963." [18]

ترجمہ: فیمینائن میسٹک(Feminine Mystique)بیٹی فریڈن کی لکھی ہوئی ایک کتاب ہے۔ جسے امریکہ میں دوسری لہر حقوقِ نسواں کے آغاز کے ساتھ بڑے پیمانے پر بھیجا جاتا ہے۔ یہ 19 فروری 1963ء میں شائع ہوئی تھی۔

اس کتاب نے عورتوں کی تحریک کو پھر سے شدت کے ساتھ جنم دیا۔ اس کتاب میں موجود مواد کی وجہ سے عورتوں میں بغاوت کا عنصر فروغ پانے لگا اور مردوں سے تصادم کے نظریات پیدا ہونے لگے۔

اس بار حقوقِ نسواں تحاریک کے مسلم ممالک پر بھی اثرات پڑے۔ یہ ایک سیکولر تنظیم تھی لیکن اس وقت یہ مسلمان ممالک میں زیادہ خرابی پیدا نہ کر سکی۔ بہر حال ان تجربات کی روشنی میں مسلم ممالک میں ایک سوال گردش کرنے لگا کہ آج تک اسلامی مآخذ کی جو تعبیر بیان کی جاتی رہی ہے کیا اس میں عورت کی ذہنی فکر کو مد نظر رکھا گیا ہے یا نہیں؟ اکثر خواتین نے اس کا جواب نفی میں دیا۔ ان کی رائے کے مطابق تمام تفاسیر چونکہ مردوں کی تحریر کردہ ہیں اس لیے ان میں اس پہلو سے صرف نظر کیا گیا ہے۔ یہ وہ لمحہ تھا جب مسلم ممالک میں حقوقِ نسواں کی تعبیر نو کی بنیاد پڑی۔

یو۔این۔او (UNO) کے تحت ابتدائی کمیشن کا قیام:

صنعتی انقلاب اور سائنسی عروج کے بعد مغربی ممالک نے اپنے حقوق اور تہذیب وثقافت کے تحفظ کے لئے اقوام متحدہ کا ادارہ قائم کیا۔ اس ادارے کے قیام سے حقوق نسواں کی تحریک میں اور تیزی پیدا ہوئی۔ یو این او نے ابتداہی میں عورتوں کو مردوں کے مساوی حقوق دینے کے لیے ایک باقاعدہ کمیشن تشکیل دیا۔ اس کمیشن کے قیام کا مقصد خواتین کی حیثیت کا جائزہ لینا اور ان کے حقوق کا تحفظ کرنا تھا۔ 30 سال کام کرنے کے بعد اس کمیشن نے ایک دستاویز تیار کی۔

"The Convention on the Elimination of All Forms of Discrimination against Women (CEDAW), adopted in 1979 international bill of rights for women. Consisting of a preamble and 30 articles, it defines what constitutes discrimination against women and sets up an agenda for national action to

end such discrimination."[19]

ترجمہ: اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی کے ذریعے 1979ء میں خواتین کے خلاف امتیازی سلوک کے تمام اقسام کے خاتمے کے کنونشن (سی ای ڈی اے ڈبلیو) کو، اکثر خواتین کے حقوق کے بین الاقوامی بل کے طور پر بیان کیا جاتا ہے۔ ایک تجویز اور 30 مضامین پر مشتمل ہے۔ یہ اس بات کی وضاحت کرتی ہے کہ خواتین کے ساتھ امتیازی سلوک کیا گیا ہے۔ اور اس طرح کے امتیازی سلوک کو ختم کرنے کے لیے قومی کاروائی کا ایجنڈا مرتب کیا گیا ہے۔

''یعنی خواتین سے ہر قسم کے امتیاز کے خلاف یو این او کا کنونشن'' (اس کو مختصر کرکے ''CEDAW'' کا نام دیا گیا) اسی ''سی ڈا'' کی دستاویز کو 18 دسمبر 1979ء میں اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے تسلیم کیا۔ 1981ء میں یو این او کے بیس ممالک نے اس دستاویز پر رضامندی اختیار کی۔ جبکہ اس کنونشن کی دسویں سالگرہ کے موقع پر یو این او کے 100 ممالک اس پر دستخط کر چکے تھے۔ جن میں دس مسلمان ممالک بھی شامل تھے۔ کمیشن نے خواتین سے ہر قسم کے امتیاز کے خلاف آواز اٹھائی۔ ہر پہلو سے مرد اور عورت کے درمیان مساوات قائم کرنے کے لئے تجویزیں اور سفارشات پیش کیں۔ کنونشن نے اپنے تمام ممبر ممالک پر لازم کیا کہ وہ قانون سازی کے ذریعے سے مردوں و عورتوں کا ہر قسم کا امتیاز ختم کریں۔ تعلیم، سیاست، ملازمت، معاشی، اخلاقی اور معاشرتی غرض ہر میدان میں عورت برابر کے حقوق کی مستحق ہے''۔[20]

یہ دستاویز کل 30 دفعات پر مشتمل تھی۔ جن میں پہلی سولہ دفعات اپنے اپنے ممالک میں مرد و عورت کے مابین مساوی حقوق کے قیام سے متعلق تھیں جبکہ باقی چودہ دفعات کا تعلق اس کمیٹی سے تھا جس کو کنونشن پر عملدرآمد کی رفتار کا جائزہ لینے کے لئے تشکیل دیا گیا تھا۔

یو۔این۔او (UNO) کے تحت بین الاقوامی خواتین کانفرنسوں کا انعقاد:

یو۔این۔او کا ادارہ اپنے طے شدہ پروگرام کو عملی جامہ پہنانے کے لیے وقتاً فوقتاً مختلف ورکشاپ، سیمنار، کنونشن اور کانفرنسوں کا انعقاد کرتا رہتا ہے۔ وہ تمام ممالک جو بطور ممبر اس ادارے کا حصہ ہیں، انہیں مجبور کیا جاتا ہے کہ وہ ان سفارشات پر عمل درآمد کو ہر حال میں یقینی بنائیں۔ عورتوں کے حقوق کے حوالے سے یہ ادارہ کئی بین الاقوامی کانفرنسوں کا انعقاد کر چکا ہے۔ چند کا تذکرہ حسبِ ذیل ہے:

خواتین کی پہلی عالمی کانفرنس (میکسیکو):

اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے 1975ء کے سال کو عالمی خواتین کا سال قرار دیا اور 1975ء میں میکسیکو شہر میں خواتین کی عالمی کانفرنس کا انعقاد کیا گیا۔ اس کانفرنس میں 133 ممالک کے وفود نے شرکت کی جن میں 113 وفود کی سربراہان خواتین تھیں۔ اس کانفرنس کے قیام کا مقصد عورتوں کی ترقی اور حقوق کی بحالی کی طرف عالمی دنیا کی توجہ مبذول کروانا تھا۔ اس کانفرنس میں خواتین کے حقوق مثلاً تعلیم، طبی سہولیات کی فراہمی، سیاست میں عورتوں کی شرکت جیسے مطالبات پیش کیے گئے۔

خواتین کی دوسری عالمی کانفرنس (کوپن ہیگن):

یہ کانفرنس کوپن ہیگن میں 1980ء میں منعقد ہوئی یہ بنیادی طور پر میکسیکو کانفرنس میں تیار کردہ عالمی لائحہ عمل کے جائزہ کے لیے منعقد کی گئی۔ جس میں تقریباً 145 ممالک کے وفود نے شرکت کی۔

خواتین کی تیسری عالمی کانفرنس (نیروبی):

یہ کانفرنس خواتین کے حقوق کے لیے منعقد کی جانے والی تیسری بڑی کانفرنس تھی جو کہ 1985ء میں نیروبی میں منعقد کی گئی۔ اس کانفرنس میں مختلف نمبر سرکاری تنظیموں سے تعلق رکھنے والے تقریباً 15000 افراد نے شرکت کی جس کا مقصد ان تنظیموں کے ذریعے خواتین کے حقوق کے فروغ کے لیے سیمینار، لیکچرز، ورکشاپس کا انعقاد کرنا تھا۔

خواتین کی چوتھی عالمی کانفرنس (بیجنگ):

یہ کانفرنس 15 ستمبر 1995ء کو بیجنگ میں منعقد کی گئی اس کانفرنس میں تقریباً 30000 خواتین نے شرکت کی۔ اس کانفرنس میں بنیادی تبدیلی یہ دیکھنے میں آئی کہ عورتوں کے مسائل سے توجہ ہٹا کر عورتوں اور مردوں میں مساوات کے نظریے پر توجہ مرکوز کی گئی نیز یہ بھی تسلیم کیا کہ معاشرے کے پورے ڈھانچے اور اس میں عورتوں اور مردوں کے تعلقات کا دوبارہ جائزہ لیا جائے کیونکہ تشکیل نو کے ذریعے ہی عورت کو مکمل اختیارات مل سکتے ہیں۔[21]

اس کانفرنس کا ایجنڈا اسی ڈاکی دستاویز کی روشنی میں تیار کیا گیا تھا" جس میں تقریباً دنیا کے دو سو ملکوں کے پچاس ہزار نمائندے شامل ہوئے، تیس ہزار کے قریب سرکاری جبکہ بیس ہزار کے قریب این-جی-اوز (یعنی غیر سرکاری تنظیمیں) اس کانفرنس کے ایجنڈے کا نام "بیجنگ ڈرافٹ تھا" 121 صفحات پر مشتمل اس بیجنگ ڈرافٹ کی چیدہ چیدہ دفعات درج ذیل ہیں:

1۔ مرد و عورت میں کوئی فطری فرق موجود نہیں ہے۔

2۔ عورت کے روایتی کردار (یعنی بحیثیت ماں، بیٹی، بیوی وغیرہ) کو اس ڈرافٹ میں تنقید کا نشانہ بنایا گیا۔

3۔ اسمبلیوں اور دیگر منتخب اداروں میں خواتین کا کوٹہ 50٪ ہونا چاہیے۔

4۔ معاشرے کے ڈھانچے کو اس طرح تبدیل کیا جائے کہ مرد و عورت میں برابری وجود میں آسکے۔

5۔ ملازمتوں میں 50٪ کوٹہ عورتوں کے لیے مخصوص کیا جائے۔

6۔ بچے پیدا کرنے کا حق عورت کو ملنا چاہیے یعنی اس پر خاوند یا کسی اور کا دباؤ نہ ہو۔ اپنی مرضی اور اختیار ہو، چاہے تو بچے کو جنم دے اور چاہے تو نہ دے۔

7۔ اسقاط حمل کو جائز قرار دیا جائے اور اس کا حق عورت کے پاس ہونا چاہیے۔

8۔ عورتوں کو بھی ہم جنس پرستی کی قانونی اجازت دی جائے۔ اسی طرح جسم فروشی کی بھی قانونی اجازت ہونی چاہیے۔

9۔ اس ڈرافٹ میں شادی نکاح وغیرہ کی حوصلہ شکنی کی گئی ہے۔

10۔ اس میں بنیاد پرستی پر بھی تنقید کی گئی ہے اسی طرح خود مذھب پر بھی تنقید کی گئی ہے کہ یہ عورت کی آزادی کی راہ میں رکاوٹ ہیں۔[22]

یو این او کے تحت منعقد ہونے والے اجتماعات میں یہ خواتین کا سب سے بڑا اجتماع تھا۔ مندرجہ بالا نکات جن کو خواتین نے اپنے حقوق سمجھتے ہوئے مطالبات کی صورت میں پیش کیا یہ ان عورتوں کے مطالبات نہیں ہو سکتے جو گھر میں باعزت و پر سکون زندگی گزار رہی ہوں۔ یہ نکات پیش کرنے والی وہی خواتین ہیں جنہیں گھریلو سکون میسر نہیں۔ کئی خواتین نے بیجنگ کانفرنس کے مطالبات کو تنقید کا نشانہ بناتے ہوئے غیر معقول و غیر مناسب قرار دیا۔ پروفیسر ثریا بتول اس حوالے سے تبصرہ کرتے ہوئے لکھتی ہیں:

"اس سے بھی زیادہ افسوسناک امر یہ ہے کہ مسلم ممالک کی خواتین بھی اس میں شامل ہوئیں، البتہ سوڈان اور ایران کی خواتین نے اس حیاباختہ ایجنڈے کی مخالفت کی۔ سعودی عرب نے اس میں شرکت ہی نہ کی مگر پاکستان کی وزیر اعظم اس کی چیئر پرسن بنیں اور پاکستان کی طرف سے اس ننگِ نسواں ایجنڈے پر دستخط کر دیئے غور کیا جائے تو اس کانفرنس کے اثرات بہت زیادہ دوررس اور تباہ کن ہیں۔"[23]

نظریہ مساواتِ مرد وزن کی وجہ سے خاندانی نظام بالکل تباہ ہو گیا۔ ایک معزز و مہذب معاشرے کا دارومدار

خاندانی نظام پر ہوتا ہے۔ اگر خاندانی نظام ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جائے افراد خانہ کے مابین محبت والفت کے سارے رشتے ناتے ٹوٹ جائیں، بچے ماؤں کی تربیت سے محروم ہو جائیں تو پورا معاشرہ درہم برہم ہو جاتا ہے۔

بہبود آبادی کانفرنس:

یو۔ این۔ او کی طرف سے ستمبر 1994ء میں قاہرہ میں بہبود آبادی کانفرنس کا انعقاد کیا گیا، جس میں درج ذیل مطالبات پیش کئے گئے:

1۔ بچوں کو تولیدی تعلیم (Reproduction Education) کے نام سے جنسی تعلیم دی جائے یہ تعلیم پرائمری سطح سے ہو۔

2۔ کنڈوم کلچر کو رائج کیا جائے ہر جگہ سے کنڈوم با آسانی دستیاب ہو۔

3۔ والدین بچوں کے جنسی عمل میں کوئی رکاوٹ نہ ڈالیں بالفاظِ دیگر بچوں کو زنا کے عملی مواقع مہیا کیئے جائیں۔

4۔ اسقاط حمل قانوناً جائز ہو۔[24]

بہبود آبادی کانفرنس کے تمام مطالبات تذلیل نسواں کی عکاسی کرتے ہیں ۔ پاکستان کی طرف سے جن خواتین نے بیجنگ کانفرنس میں شرکت کی در حقیقت ان کا اصل مقام مغرب ہی ہے۔ کیونکہ وہ خواتین جو دین اسلام کی تعلیمات پر عمل پیرا ہو کر پُر اطمینان وپر سکون کی زندگی گزار رہی ہیں وہ اس کانفرنس کے مطالبات کی حامی تو بہت دور کی بات وہ اس میں شرکت کا سوچ بھی نہیں سکتیں۔

اس کانفرنس کا مقصد چونکہ ایک مادر پدر آزاد معاشرے کا قیام تھا اس لئے علماء ودانش ورافراد نے حکومت پاکستان کی اس کانفرنس میں شرکت کی سخت مخالفت کی۔ اس میں پیش کیے گئے تمام مطالبات دین اسلام کی تعلیمات کے خلاف ہیں۔

خواتین کی پانچویں اور چھٹی عالمی کانفرنس (بیجنگ)5+ اور10+:

اقوام متحدہ کے تحت خواتین کی پانچویں عالمی کانفرنس کا انعقاد 2000ء میں شہر بیجنگ میں کیا گیا جبکہ خواتین کی چھٹی عالمی کانفرنس 2005ء میں امریکہ کے شہر نیویارک میں منعقد ہوئی۔

''بیجنگ پلس فائیو اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کے خصوصی اجلاس کے طور پر 5 سے 9 جون 2000ء میں منعقد ہوا تھا۔ ان 12 نکات پر جو کہ بیجنگ میں لائحہ عمل کے طور پر دیے گئے تھے اس کا جائزہ لینے کے لئے اس

کانفرنس کا انعقاد کیا گیا اس کانفرنس کو عنوان دیا گیا:

"Women 2000, gender, equality, development and peace in the twenty first century "

(دوہزار کی خواتین اور 21ویں صدی میں صنفی مساوات امن اور ترقی)

اس کانفرنس کی خاص بات یہ تھی کہ اس میں بیجنگ کانفرنس کے طے شدہ نکاتی ایجنڈے کی توثیق کو اقوامِ متحدہ کی جانب سے تمام ممبر ممالک پر حکماً نافذ کرنا تھا نیز خلاف ورزی کرنے پر اقوامِ عالم مجرم ملک کے خلاف ایکشن لینے کی مجاز قرار پائی تھیں۔ اس کانفرنس کی تیاریاں 1995ء میں ہونے والی بیجنگ کانفرنس کے فوراً بعد شروع ہوئیں تاہم 1999ء اور 2000ء میں تیاریاں عروج پر پہنچیں۔ اس کے لیے دنیا کے مختلف علاقوں میں گاہے بگاہے علاقائی کانفرنسیں منعقد کروائی جاتی رہیں۔ ان میں نیویارک میں 15 مارچ 1999ء تک ہونے والی (Pre-Com) کے علاوہ 27 فروری سے 17 مارچ تک نیویارک میں ہونے والی کانفرنس کھٹمنڈو، بنکاک اور دیگر ممالک میں ہونے والی علاقائی کانفرنسیں شامل ہیں"۔[25]

بیجنگ 5+ کانفرنس کے بعد دس برس کی کارکردگی کا جائزہ لینے کے لیے نیویارک میں اجلاس منعقد ہوا۔ یہ اجلاس 28 فروری 2005ء تا 11 مارچ 2005ء تک جاری رہا۔ اس کانفرس میں کئی مختلف تنظیموں نے شرکت کی جن میں 184 سرکاری تنظیمیں جبکہ 2500 غیر سرکاری تنظیمیں شامل تھیں۔ اس اجلاس میں تحریک حقوق نسواں کی کارکردگی اور ترقی کی رفتار کا جائزہ لیا گیا۔ اس کانفرنس میں یہ تجویز بھی پیش کی گئی کہ 2007ء سے 2010ء کے دورانیے میں خواتین کی ساتویں عالمی کانفرنس منعقد کی جائے۔ اس کے ساتھ ساتھ تمام این جی اوز کو اس بات کی تلقین کی گئی کہ علاقائی سطح پر بھی کانفرنسوں کا انعقاد کریں جو بین الاقوامی کانفرنس کے لیے تقویت کا باعث ہوں۔

اس کانفرنس میں مسلمان عورتوں کے حوالے سے خصوصی گفتگو کی گئی اور ان کی زندگی میں مذہب کے کردار کو موضوع بحث بنایا گیا۔ اس کانفرنس میں پاکستان کی نمائندگی فریدہ شہید نے کی جو پاکستان کی تحریکِ نسواں کی علمبردار تھیں اور اس تحریک کے چلانے میں ملائیشیا کی رشیدہ محمد شعیب نے ان کی معاونت کی۔ ترکی کی نمائندگی شہناز، انڈونیشیا کی نمائندگی فروا موہیٰ اور ایران کی نمائندگی محبوبہ عباس نمالیز ادے نے کی۔ اس کانفرنس میں شامل تمام مقررین نے اس بات پر زور دیا کہ مسلم معاشروں میں دین اسلام کو عورت کے خلاف سیاسی ہتھیار کے طور پر استعمال کیا جا رہا ہے۔ سیکولر فکر کی نمائندہ خواتین نے مثالوں کے ذریعے اس بات کو ثابت کرنے کی کوشش کی

کہ اسلامی معاشروں میں عورتوں کی جنسیت پر پہرے لگائے جا رہے ہیں۔ خواتین کو پردہ کرنے پر مجبور کیا جا رہا ہے اوران کے اظہار رائے کے حق کو دبایا جارہا ہے۔

بیجنگ پلس ٹین(10+)کے اثرات:

اس کانفرنس میں حقوقِ نسواں کے مسئلے کو جو نئی سمت دی گئی وہ اسلامی ممالک میں مذہب کی تعبیر نو تھی۔ مردوعورت کے مابین مساوات قائم کرنے کے لیے ضروری ٹھہرا کہ اسلام کے سب سے بڑے مراکز یعنی مساجد (کے منبرومحراب) پر قبضہ کیا جائے۔ اس کا عملی ثبوت ڈاکٹر امینہ ودوداوراسرٰی نعمانی نے پیش کیا، اس سے ان کا مقصد مساجد میں مردوزن کی تفریق کو ختم کرنا تھا:

"On march 18, Amina wadud, a professor of Islamic studies at Virginia commonwealth University in New York, became the first Muslim woman to lead a mixed-gender congregational prayer. Predictably, it has stirred indignation and debate across all spectrums of the Muslim World."

"Feminism agenda may harmful to Muslim women's interests by Faisal Sanai".[26]

ترجمہ: 18مارچ کو امینہ ودود، نیویارک میں ورجینیاکامن ویلتھ یونیورسٹی میں اسلامک اسٹڈیز کی پروفیسر مخلوط صنف کی اجتماعی نماز کی امامت کرنے والی پہلی مسلمان خاتون بن گئیں۔ واضح طور پر، اس نے پوری دنیامیں مسلم دنیاکے تمام شعبوں میں غم وغصے اور بحث ومباحثے کو تیز کر دیا ہے۔ مسلم خواتین کی دلچسپی کے لیے نسوانیت کاایجنڈا نقصان دہ ہو سکتا ہے(بذریعہ فیصل صنائع)۔

کئی مسلم تنظیموں اور علماء حضرات نے ڈاکٹر امینہ ودود کے اس عمل کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی اوران کو اس عمل سے باز رکھنا چاہامگر انہوں نے پھر بھی نیویارک کے ایک گرجاگھر میں نمازِ جمعہ کی امامت کروائی اس دوران انہیں امریکی پولیس نے تحفظ فراہم کیا۔

ڈاکٹر امینہ ودود کے بعد دوسرا نام اسرٰی نعمانی کا سر فہرست ہے:

"Asra Quratulain Nomani (born 1965) is an American author and former Geogetows University Professor ".[27]

ترجمہ: اسریٰ قرۃ العین نعمانی (پیدائش 1965ء) ایک امریکی نژاد مصنفہ اور سابق جارگیٹا یونیورسٹی پروفیسر ہیں۔

اسریٰ نعمانی مسجد میں مخلوط نماز کی قائل تھیں اور انہوں نے کئی بار امریکی پولیس کے تحفظ میں مسجد میں مخلوط نماز ادا کی اسریٰ نعمانی نے "Standing Alone in Mecea, An American Women's struggle for the soul of Islam" کے نام سے ایک کتاب لکھی۔ اس میں وہ خواتین کے درج ذیل حقوق بیان کرتی ہیں:

"1. Women have an Islamic right to respectful and pleasurable sexual experience.

2. Women have an Islamic right to make independent decisions about their bodies including the right to say no to sex.

3. Women have an Islamic right to make independent decisions about their partner, including their to say no to a husband marrying a second wife.

4. Women have an Islamic right to make independent decisions about their choice of a partner.

5. Women have an Islamic right to make independent decision about contraception and reproduction.

6. Women have an Islamic right to protection from physical, emotional and sexual abuse.

7. Women have an Islamic right to sexual privacy.

8. Women have an Islamic right to exemption from criminalization or punishment for consensual adult sex".[28]

ترجمہ: 1۔ عورتوں کو یہ اسلامی حق حاصل ہے کہ ان کے جنسی تعلقات احترام پر مبنی ہوں اور خوش کن ہوں۔

2۔ عورتوں کو یہ اسلامی حق حاصل ہے کہ وہ اپنے جسم کے فیصلوں کے معاملے میں خود مختار ہوں جس میں ہمبستری سے انکار کا حق بھی شامل ہے۔

3۔ عورتوں کو یہ اسلامی حق حاصل ہے کہ وہ اپنے شریک حیات کا انتخاب اپنی مرضی سے کریں جبکہ انہیں شوہر کو دوسری شادی سے روکنے کا حق بھی حاصل ہے۔

4۔ عورتوں کو یہ اسلامی حق حاصل ہے کہ وہ اپنے شریک حیات کے انتخاب کا فیصلہ اپنی مرضی سے کریں۔

5۔ عورتوں کو یہ اسلامی حق حاصل ہے کہ وہ مانع حمل ادویات استعمال کرنے اور افزائش نسل کے بارے میں آزادانہ فیصلہ کریں۔

6۔ عورتوں کو یہ اسلامی حق حاصل ہے کہ انہیں جسمانی، جذباتی اور جنسی استحصال سے تحفظ حاصل ہو۔

7۔ عورتوں کو یہ اسلامی حق حاصل ہے کہ انہیں جنسی امور میں رازداری حاصل ہو۔

8۔ عورتوں کو یہ اسلامی حق حاصل ہے کہ انہیں باہمی رضامندی سے ہمبستری کی صورت میں مجرم بنائے جانے یا سزا یابی سے استثناء دیا جائے۔

مندرجہ بالا تمام دفعات میں مغربی ثقافت کو فروغ دیا گیا ہے اس کے ساتھ ساتھ یہ دفعات اسلامی ممالک میں رائج معاشرت و ثقافت کے افکار کو اجاگر کر رہی ہیں۔ ان میں عورتوں کو ناجائز فعل یعنی بدکاری کی اجازت دی

جارہی ہے اوراس بات کا مطالبہ کیاجارہاہے کہ بدکاری کے ارتکاب پر سزا بھی نہ دی جائے۔ گویا مسلمان عورت کو مغربی طرز فکر کی حامل عورت کی طرح آزاد ہونے پر اکسایاجارہاہے جو بچوں کی پیدائش کے معاملے میں بھی آزاد ہو اور شوہر کو دوسری شادی کی اجازت بھی نہ دے۔ اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا خاتون ان حقوق کا مطالبہ کرہی نہیں سکتی جو اسے پاک دامنی سے بے حیائی کی طرف لے جائیں۔ ستم بالائے ستم یہ ہے کہ ان تمام حقوق کو جن میں اسلامی تعلیمات کی یکسر خلاف ورزی کی گئی ہے اور بے حیائی کی کھلی چھوٹ دی گئی ہے انہیں اسلامی حقوق کہاجارہاہے۔

اسریٰ نعمانی نے "Islamic Bill of Rights for Women in the Mosque" کے نام سے ایک بل پیش کیاجس میں انہوں نے خواتین کے مسجد سے متعلق درج ذیل حقوق بیان کئے:

1. Women have an Islamic right to enter a Mosque.

2. Women have an Islamic right to enter through the main door.

3. Women have an Islamic right to visual and auditory access to the musalla (main sanctuary)

4.Women have an Islamic right to pray in the musalla without being separated by a barrier, including in the front and in mixed-gender congregational lines.

5. Women have an Islamic right to address any and all members if the congregation.

6. Women have an Islamic right to held leadership positions, including positions as prayer leaders or imams and as members of the board of directors and management committees.

7. Women have an Islamic right to be full participants in all congregational activities.

8. Women have an Islamic right to lead and

participate in meetings, study sessions, and other community activities without being separator by a barrier.

9. Women have an Islamic right to be greeted and addressed cordially.

10. Women have an Islamic right to respectful treatment and exemption from gossip and slanders.[29]

ترجمہ: 1۔ عورتوں کو مسجد میں داخل ہونے کا حق حاصل ہے۔

2۔ عورتیں بڑے دروازے سے مسجد میں داخل ہونے کا حق رکھتی ہیں۔

3۔ عورتوں کو مصلیٰ پر کھڑے امام کو بلاواسطہ دیکھنے اور سننے کا حق حاصل ہے۔

4۔ عورتوں کو یہ اسلامی حق حاصل ہے کہ وہ مردوں کی صفوں میں شامل ہو کر نماز ادا کریں اس کے ساتھ ساتھ وہ جماعت میں پہلی صف یا مردوں کے ساتھ مخلوط صف میں کھڑے ہونے کا حق رکھتی ہیں۔

5۔ عورتوں کو یہ اسلامی حق حاصل ہے کہ وہ تمام جماعت کے مردوں سے خطاب کریں۔

6۔ عورتیں امامت پر مبنی عہدے سنبھالنے کا اسلامی حق رکھتی ہیں وہ مسلمانوں کی جماعت کی امامت بھی کرواسکتی ہیں اور انتظامی، تنظیمی عہدوں پر فائز بھی ہو سکتی ہیں۔

7۔ عورتوں کو یہ اسلامی حق حاصل ہے کہ وہ تمام جماعتی امور میں پوری طرح شریک ہوں۔

8۔ عورتوں کو یہ اسلامی حق حاصل ہے کہ وہ تمام تعلیمی، معاشرتی اور فیصلہ جاتی سرگرمیوں میں بلاواسطہ شامل ہوں، انہیں مردوں سے الگ نہ کیا جائے۔

9۔ عورتوں کو پرجوش خطابت کرنے کا حق حاصل ہے۔

10۔ عورتوں کو یہ اسلامی حق حاصل ہے کہ ان سے معزز و معتبر سلوک کیا جائے
اوران کے بارے میں بیہودہ گفتگو نہ کی جائے اوران کا مذاق نہ اڑایا جائے۔

اسریٰ نعمانی جب حج کر کے واپس آئیں تو انہوں نے مساجد میں خواتین سے متعلق یہ بل پیش کیا۔ اسریٰ نعمانی کا تعلق پاکستان اورانڈیا سے تھا لیکن چونکہ انہوں نے امریکہ میں پرورش پائی لہذا ان کے نظریات میں اس کا عکس نظر آتا ہے۔ ڈاکٹر امینہ ودود اور اسریٰ نعمانی نے اسلام کی جو تصویر پیش کی، اس سے مسلمانوں میں غصے کی لہر دوڑ گئی کیونکہ انہوں نے مغربی ایجنڈے کو آگے بڑھایا جس کے پیچھے ایک سوچی سمجھی سازش اور منظم منصوبہ بندی تھی۔

حصولِ حقوق کی جدوجہد کے معاشرتی اثرات:

اللہ تبارک وتعالیٰ نے مرد وزن کو اپنی اپنی فطرت وجسمانی طاقت کے مطابق حقوق وفرائض عطا فرمائے لیکن انسان اگر فطری روش چھوڑ کر مصنوعی طریقے اپنانے پر لگ جائے تو وہ دنیاوی واخروی نقصانات کا شکار ہو جاتا ہے۔ مغرب میں تحریکِ نسواں اور نظریہ مساوات مرد وزن سے معاشرے پر کئی اثرات مرتب ہوئے۔ ان نظریات سے خاندانی نظام بالکل تباہ ہو کر رہ گیا۔ خاندان کی عمارت جن رشتوں ناطوں سے مضبوط ہوتی ہے ان میں دراڑیں پڑ گئیں اور انسان وہ سکون حاصل نہ کر سکا جو صرف خاندان ہی فراہم کر سکتا ہے۔ کیونکہ اس جد و جہد سے قبل عورت اپنی جو ذمہ داریاں ادا کر رہی تھی، اب ان سے صرفِ نظر کر لیا۔ اب مرد بھی عورت کے تحفظ اوراس کی ذمہ داری سے آزاد ہو گئے۔ اللہ رب العزت نے میاں بیوی کو ایک دوسرے کا لباس قرار دیا، لیکن اب اس بندھن میں دوری پیدا ہو گئی اور دونوں ایک دوسرے کی تکمیل کے بجائے ایک دوسرے سے مقابلہ کرنے لگے، یوں گھر کا سکون تباہ وبرباد ہو گیا۔

اس جدوجہد کی بدولت عورت نے جب معاشی ذمہ داری اپنے سر اٹھالی تو اس نے مادرانہ وظائف سے بھی انکار کر دیا۔ بچوں کی پرورش نوکرانیاں کرنے لگیں اور وہ ماں کی تربیت سے محروم ہو گئے۔ یوں ماں اور بچوں کے رشتے میں بھی دوریاں پیدا ہو گئیں۔ نوکرانیاں گھروں کی مالکن بن گئیں اور تحریکِ آزادئ نسواں کی پیروکاروں کے گھر اجڑ گئے۔

عورت کو معاشی استقلال کے جن نتائج کا سامنا کرنا پڑا ان کا تذکرہ کرتے ہوئے سید ابوالاعلیٰ مودودی لکھتے ہیں:

"عورت کے معاشی استقلال نے اس کو مرد سے بے نیاز کر دیا ہے وہ قدیم اصول کہ مرد کمائے اور عورت گھر کا انتظام کرے۔ اب اس نئے قاعدہ سے بدل گیا ہے کہ عورت اور مرد دونوں کمائیں اور گھر کا انتظام بازار کے سپرد کر دیا جائے۔ اس انقلاب کے بعد دونوں کی زندگی میں بجز ایک شہوانی تعلق کے اور کوئی ربط ایسا باقی نہیں رہا جو ان کو ایک دوسرے کے ساتھ وابستہ ہونے پر مجبور کرتا ہو اور ظاہر ہے کہ محض شہوانی خواہشات کا پورا کرنا کوئی ایسا کام نہیں ہے جسکی خاطر مرد اور عورت لامحالہ اپنے آپ کو ایک دائمی تعلق ہی کی گرہ میں باندھنے اور ایک گھر بنا کر مشترک زندگی گزارنے پر مجبور ہوں۔ جو عورت اپنی روٹی آپ کماتی ہے، اپنی تمام ضروریات کی کفیل ہے، اپنی زندگی میں دوسرے کی حفاظت اور اعانت کی محتاج نہیں ہے، وہ آخر محض اپنی شہوانی خواہش کی تسکین کے لیے کیوں ایک مرد کی پابند ہو؟ کیوں اپنے اوپر بہت سی اخلاقی اور قانونی بندشیں عائد کرے؟ کیوں ایک خاندان کی ذمہ داریوں کا بوجھ اٹھائے؟ خصوصاً جبکہ اخلاقی مساوات کے تخیل نے اس کی راہ سے وہ تمام رکاوٹیں بھی دور کر دی ہوں جو اسے آزاد شہوت رانی کا طریقہ اختیار کرنے میں پیش آسکتی تھیں تو وہ اپنی خواہشات کی تسکین کے لیے آسان اور پُر لطف اور خوشنما راستہ چھوڑ کر قربانیوں اور ذمہ داریوں کے بوجھ سے لدا ہوا پرانا دقیانوسی (Old Fashioned) راستہ کیوں اختیار کرے، گناہ کا خیال مذہب کے ساتھ رخصت ہوا۔ سوسائٹی کا خوف یوں دور ہو گیا کہ سوسائٹی اب اسے فاحشہ ہونے پر ملامت نہیں کرتی بلکہ ہاتھوں ہاتھ لیتی ہے"۔[30]

اسی کو سوسائٹی نے مساوات اور روشن خیالی کا نام دے دیا، یہی وہ تمام اسباب ہیں جنہوں نے مغربی تہذیب و معاشرت کی جڑیں ہلا کر رکھ دیں۔ تحریکِ آزادیٔ نسواں کے نتیجے میں طلاق کی شرح میں بھی اضافہ ہوا۔ شادی کے بعد چونکہ عورت نے معاشی ذمہ داری خود سنبھال لی اور مرد کو اس ذمہ داری سے آزاد کر دیا لہٰذا جو مرد قبل از طلاق خرچ اٹھانے کا عادی نہیں تھا، وہ طلاق کے بعد عورت کو بچوں کے اخراجات پورے کرنے کے لیے خرچ کیوں دیتا؟ اس کے علاوہ مرد و زن میں شادی سے نفرت کا رجحان پیدا ہوا اور دونوں نے شادی کو اپنے لیے قید تصور کر لیا۔

جیسے جیسے تحریکِ آزادیٔ نسواں کو فروغ حاصل ہوا اس کے نتیجے میں سروس سیکٹر میں عورتوں کی تعداد میں بھی اضافہ ہونے لگا۔ جبکہ مردوں میں بے روزگاری کی شرح بڑھنے لگی۔ عورت نے اپنے مسائل کے حل کے لیے جس تحریک کا آغاز کیا اور آزادی کا نعرہ لگایا اسے آزادی حاصل ہونے کے بجائے اس کے لیے مزید مشکلات پیدا ہوتی گئیں۔ جو عورت اپنے شوہر کی محکومیت سے آزادی چاہتی تھی اب اسکی حیثیت دفتروں اور کارخانوں میں خادم و محکوم کی سی تھی۔ اس مخلوط معاشرت کی وجہ سے عورت اپنی نسوانیت کھونے لگی چنانچہ اہل علم و دانش نے عورت کو ایک مفید مشورہ دیا:

"عورت کو چاہیئے کہ وہ عورت رہے، ہاں عورت کو چاہیئے کہ وہ عورت ہی رہے۔ اسی میں اس کے لیے فلاح ہے اور یہی وہ صفت ہے جو اس کو سعادت کی منزل تک پہنچا سکتی ہے۔ یہی قدرت کا قانون ہے یہی قدرت کی ہدایت ہے، اسی لیے جس قدر عورت اس سے قریب تر ہو گی اسکی حقیقی قدر و منزلت بڑھے گی اور جس قدر دور ہو گی اس کے مصائب میں اضافہ ہو گا"۔[31]

عورت آزادی و نجات کے حصول کی ظاہر چمک دمک میں کھو گئی کہ اس نے یہ بھی نہ سوچا کہ اس کے لیے اسکے نتائج کتنے نقصان دہ ہو سکتے ہیں عورت نے مرد بننے کی کوشش میں اپنی ذمہ داریوں کے بوجھ میں مزید اضافہ کر لیا۔ عورت کے لیے اس سے بڑا اعزاز اور کیا ہو سکتا ہے کہ اسے ماں کا رتبہ دیا گیا، جس کے بطن سے وہ شخصیات پیدا ہوتی ہیں جو اس کاروانِ زندگی کو آگے بڑھاتی ہیں۔ لہٰذا عورت کو چاہیئے تھا کہ وہ بحیثیتِ ماں اپنے حقوق طلب کرتی لیکن اس نے اپنا وہ روپ اور وجود منوانا چاہا جو اس کا تھا ہی نہیں۔

تحریکِ آزادیٔ نسواں اور مسلم ممالک:

تحریکِ آزادیٔ نسواں سے مسلم ممالک متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ انیسویں صدی کے وسط میں اسلامی ممالک کو بہت سی پیچیدگیوں کا سامنا کرنا پڑا۔ مختلف ممالک میں معاشی و سماجی تبدیلیوں کی رفتار مختلف تھی، ان میں ترکی، مصر اور شام سر فہرست تھے۔ یہ وہ ممالک ہیں جہاں یورپی تبدیلی سب سے پہلے پہنچی۔ ترکی میں مساواتِ مرد و زن کے نظریے سے پیدا ہونے والی تبدیلی کا تذکرہ کرتے ہوئے پروفیسر ثریا بتول رقمطراز ہیں:

"مسلمانوں میں اس کا پہلا حامی ترکی کا مصطفیٰ کمال پاشا تھا جس نے ادارہ خلافت توڑنے کے بعد اپنے ملک میں مخلوط معاشرے کو رائج کرنے کی کوشش کی، اس کو اندازہ تھا کہ دینی و مذہبی حلقے مخالفت کریں گے لہٰذا اس نے بے دریغ علماء کو تختہ دار پر لٹکایا۔ دینی تعلیم کو ملک سے ختم کر دیا، قرآن پڑھنے اور اذان و نماز پر پابندی عائد کر دی، ملک کا دستور سیکولر بنا دیا، نئی اور جدید عصری تعلیم کے ذریعے سے لوگوں کا رابطہ اپنے شاندار اور درخشاں ماضی کی روایات سے کاٹ دیا۔ اس وقت سے مسلمانوں میں جدید تعلیم کے ذریعہ دین اور دینی روایات سے بغاوت کا سلسلہ چل رہا ہے۔ نئی نسل کے سامنے مصطفیٰ کمال کو جدید مسلم دنیا کا ہیرو اور "اتاترک" یعنی ترکوں کا باپ قرار دیا گیا۔ اس وقت سے ترکی میں حکمران طبقہ اور جدید تعلیم یافتہ لوگ سیکولرازم کے اتنے عادی ہو گئے ہیں کہ چند سال پہلے ترکی کی چند طالبات نے اپنے تعلیمی اداروں میں سر ڈھانپنے کی اجازت مانگی"۔[32]

انیسویں اور بیسویں صدی میں مشرق وسطیٰ کے مسلم معاشروں میں جہاں دوسری تبدیلیاں رونما ہوئیں ان میں "عورت اور پردہ" کے عنوان سے ایک نئے مسئلے نے بھی زور پکڑا۔ اس موضوع پر بحث کا آغاز مصر سے ہوا:

”بیسویں صدی میں مشرق وسطی کے کسی ایک معاشرے میں ہی نہیں بلکہ دوسرے مسلم معاشروں میں بھی عورتوں اور پردے کا مسئلہ (اگرچہ قدرے مختلف روپ میں) بار بار سر اٹھاتا رہا۔ اس بحث میں ہمیشہ دوسرے مسائل بھی شامل ہوتے تھے، جیسے کہ ثقافت اور قوم پرستی، ”مغربی“ بمقابلہ ”مقامی“ یا ”مستند اقدار“ وغیرہ۔ یہ مسائل آخر انیسویں صدی کے مصر میں ایک نازک مرحلے پر عورتوں سے متعلق مباحث کے ساتھ منسلک ہو گئے تھے، مطلب یہ ہے کہ عورتوں اور پردے سے متعلق مباحثے میں ایک اور تاریخ بھی شریک ہے۔ یہ تاریخ ہے استعماری غلبے اور اس کے خلاف جدوجہد اور اس جدوجہد کے گرد ابھرنے والی طبقاتی تقسیموں کی تاریخ۔ یہ ایک ایسی تاریخ ہے جو کسی نہ کسی طرح مشرق وسطی کے تمام معاشروں کو متاثر کرتی ہے اور یہ ایک ایسا مباحثہ ہے جس میں یہ تاریخ اور یہ جدوجہد ابھی تک زندہ ہے“۔ [33]

پردہ درحقیقت عورت کا محافظ ہے اور اخلاق واقدار کے اظہار کا بہترین نمونہ ہے۔ معاشرے کی ترقی کا دارومدار افراد کے باہمی ربط وضبط پر منحصر ہے اس لیے ممکن نہیں کہ مردوزن ایک دوسرے سے بے نیاز ہو کر زندگی گزاریں۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ مردوزن کا اختلاط بغیر کسی ضابطے و قاعدے کے ہو تو معاشرہ بے راہ روی ولاقانونیت کا شکار ہو جاتا ہے۔ اس لیے ایک منظم معاشرے کے قیام اور عورتوں کے کردار کے تعین کی بنیاد ”پردہ“ ہے:

”مصر میں خصوصی طور پر تحریکِ نسواں نے خدیو اسماعیل کے زمانے میں زور پکڑا اور عورتوں کے لیے جدید طرز کے سکول کھلنے لگے۔ آہستہ آہستہ یہ تحریک بہت زور پکڑنے لگی، قاسم امین نے ”تحریر المرأة“ اور ”المرأة الجدیدة“ نامی کتب لکھ کر مغربی تہذیب ومعاشرت کو اختیار کرنے کی زبردست ترغیب دی۔ جس کا نتیجہ ہوا کہ مردانہ زنانہ اختلاط عام ہونے لگے۔ بے حجابی بکثرت ہو گئی، آزادانہ کلچرل پروگرام، تفریحی مشاغل، مخلوط تعلیم کا عام رواج ہوا۔ مصری طالبات برائے حصول تعلیم یورپ وامریکہ کا سفر کرنے لگیں، اس کے تتبع میں ترکی اور ایران نے بھی مغربی معاشرت اختیار کر لی، بعد ازاں شام اور عراق بھی اس رو میں بہہ گئے“۔ [34]

ان دونوں کتب میں قاسم امین نے پردے کو صحت کے لیے مضر قرار دیا اور اسے دین کا حصہ ماننے سے بھی انکار کیا، انہوں نے کہا کہ پردہ دوسری اقوام سے اختیار کیا گیا، جسے مرورِ زمانہ کے ساتھ ساتھ دین کا حصہ سمجھ لیا گیا۔ ”المراۃ الجدیدہ“ میں قاسم امین نے عورت کو مغرب کی تقلید کی دعوت دیتے ہوئے اسے معاشرتی روایات کے خلاف بغاوت پر اکسایا اور شرعی احکامات کی پابندی کو مسلمانوں کے انحطاط وزوال کا سبب قرار دیا۔

”قاسم امین کی کتاب ”تحریر المراء“ (عورت کی نجات 1899ء) واضح سماجی تبدیلی اور فکری ہلچل کے وقت

شائع ہوئی اور شدید اور تند و تیز بحث کا سبب بنی، اس بحث اور کتاب کے اشاعت کے نتیجے میں پیدا ہونے والی مخالفت کا تجزیہ بتاتا ہے کہ عورتوں سے متعلق امین کی تجاویز کی انتہاپسندی نے یہ طوفان کھڑا کیا تھا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اس نے پردہ ختم کرنے کا نہایت شدت سے مطالبہ کیا اور معاشرے اور ثقافت میں بنیادی تبدیلیوں کو مصری قوم اور بالعموم مسلمان ممالک کے لیے لازمی قرار دیا"۔[35]

آزادی کی اس تحریک میں قاسم امین نے بڑا حصہ لیا۔ اسی وجہ سے انہیں: "محررِ المرأۃ" (عورت کو آزادی دلانے والا) کا خطاب بھی ملا۔

شام و عراق کی صورتحال کے بارے میں سید ابوالحسن ندوی لکھتے ہیں:

"یہ دونوں مسلم عرب ممالک مغرب کے گہرے ذہنی واخلاقی و معاشرتی اثرات کی جولان گاہ ہیں، جدید تعلیم یافتہ طبقہ سیاسی رہنماؤں اور اہلِ حکومت کا رجحان برابر عرب نیشنلزم، لامذہبیت (سیکولرازم) و تجدید و مغربیت کی طرف ہوتا جارہا ہے، اگرچہ دونوں ملکوں میں عوام سیدھے سادے سچے مسلمان اور دین سے محبت رکھنے والے ہیں، بہت سی قدیم روایات دونوں جگہ قائم ہیں، خاصی بڑی تعداد میں ایسے جید علماء اور ممتاز فاضل موجود ہیں جن کی نظیر دوسرے ملکوں میں ملنی مشکل ہے لیکن روز بروز عام معاشرہ سے دین کی گرفت ڈھیلی ہوتی جارہی ہے اور علماء اور اہل دین کا اقتدار روبہ زوال ہے، عورتوں میں آزادی اور بے پردگی عام ہوتی جارہی ہے۔ کلچرل پروگرام، آزادانہ تفریحی مشاغل، مردوں، عورتوں کا اختلاط روزافزوں ہے، مخلوط تعلیم کا رواج عام ہورہا ہے اور مذہب بیزار اور لادینی عناصر غالب اور زندگی پر حاوی ہوتے جارہے ہیں"۔[36]

تیونس کی صورتحال کے بارے میں سید ابوالحسن ندوی پیرس کے اخبار (LE MOWDE) کا اقتباس نقل کرتے ہیں:

"صدر حبیب بورقیبہ نے تعدد ازدواج کی آزادی کو محدود و مقید کر دیا ہے۔ اسی طرح سے شوہر کے لیے اپنی بیوی کو خود طلاق دینے کی آزادی پر بھی پابندیاں عائد کر دی گئی ہیں، اسی طرح شوہر کے اختیارات کو بہت کچھ محدود و مقید کر دیا گیا ہے، یہ خاندانی آزادی سیاسی اور معاشرتی آزادی کے ساتھ ملکر دوچند ہو جاتی ہے، اب عورتوں کو حق رائے دہندگی بھی حاصل ہے اور مجالس قانون ساز کا ممبر بننے کی بھی، تمام ملازمتوں کے دروازے ان پر کھلے ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔ پردہ (خصوصیت کے ساتھ نئی نسل میں) کم ہوتا جارہا ہے، باہر نکلنے والی عورتوں کی تعداد روز بروز بڑھ رہی ہے، سیاسی محفلوں میں وہ مردوں کی دوش بروش نظر آتی ہیں"۔[37]

تیونس میں صدر حبیب بورقیبہ نے عورتوں کو ایسی آزادی دلائی کہ وہ گھروں سے نکل کر سیاست اور مردوں کی محافل تک کی زینت بن گئیں اور مردوں کے اختیارات کو اتنا محدود کر دیا کہ وہ اپنی مرضی سے اپنی بیویوں کو طلاق دینے کا حق بھی نہیں رکھتے تھے۔

فصل دوم

پاکستان میں حقوقِ نسواں کی تحاریک و قانون سازی

اسلامی جمہوریہ پاکستان ایک نظریاتی مملکت ہے جسے لازوال قربانیوں اور طویل جدوجہد کے بعد حاصل کیا گیا۔ تاکہ مسلمان اسلامی تعلیمات کے مطابق اپنی زندگی گزار سکیں جہاں مقتدرِ اعلیٰ صرف اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات ہو اور مسلمان اسی کے نائب و خلیفہ کی حیثیت سے احکامات باری تعالیٰ کے تحت ریاست کی باگ ڈور سنبھالیں کیونکہ ہماری کامیابی اسی میں ہے کہ ہم اللہ تعالی اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کریں اور قرآن مجید میں جو احکامات صادر فرمائے گئے ہیں ان پر عمل کریں۔

برصغیر کے مسلمانوں نے پاکستان کے حصول کے لیے بے مثال قربانیاں دیں، صرف مردوں نے نہیں بلکہ خواتین نے بھی تعمیرِ پاکستان کی جدوجہد میں سیاسی وسماجی حوالے سے بھرپور کردار ادا کیا۔ بانئ پاکستان قائد اعظم محمد علی جناح کے متحرک سیاسی کردار کی وجہ سے خواتین کو اپنی صلاحیتوں کے نکھار کے لیے ایک پلیٹ فارم اور نصب العین ملا۔ بانئ پاکستان نے برصغیر پاک وہند میں اپنی جدوجہد کے ذریعے خواتین کی ہمت بندھائی اور انہیں تحریکِ پاکستان میں اپنے ساتھ شانہ بشانہ لیکر چلے۔ قائد اعظم محمد علی جناح نے مسلم یونیورسٹی یونین علی گڑھ میں 10 اپریل 1944ء میں خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

"کوئی قوم اس وقت تک بامِ عروج پر نہیں پہنچ سکتی جب تک کہ اس کی خواتین مردوں کے شانہ بشانہ مصروف کار نہ ہوں۔ ہم ناپسندیدہ اور بری رسوم کا شکار ہیں۔ یہ انسانیت کے خلاف ایک جرم کے مترادف ہے، ہماری خواتین قیدیوں کی طرح چاردیواری میں بند ہیں، میرا مقصد یہ نہیں کہ مغربی طرزِ زندگی کی خامیوں اور برائیوں کو اپنالیں، ہمیں کم ازکم اپنی خواتین کو وہ معیار اور وقار تو مہیا کرنا چاہیئے جو اسلامی نظریات کی روشنی میں انہیں ملنا چاہیئے۔ اسلام میں اس قابل مذمت صورتحال کی کہیں اجازت نہیں جس میں ہماری خواتین اس وقت زندگی گزار رہی ہیں۔ آپ کو چاہیئے کہ آپ مغربی معاشرے کی بداعمالیوں سے دامن بچائیں، لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ آپ اپنی خواتین کو زندگی کے تمام شعبوں میں ایک ساتھی کی طرح کام کرنے کا موقع دیں۔ آپ ایک لاعلم عورت سے ہرگز یہ توقع نہیں رکھ سکتے کہ وہ آپ کے بچوں کی مناسب طریقے پر پرورش کرے گی۔ عورت میں یہ صلاحیت موجود ہے کہ وہ بچوں کو صحیح خطوط پر پروان چڑھائے ہمیں اس صلاحیت کو ضائع ہونے سے بچانا چاہیئے"۔[38]

پاکستان کے حصول کے لیے خواتین نے نامساعد حالات کا ڈٹ کر مقابلہ کیا، لاٹھی چارج کی صعوبتیں برداشت کیں، قید وبند کی اذیتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ ان نامور خواتین میں محترمہ فاطمہ جناح کا نام سرفہرست ہے۔ محترمہ فاطمہ جناح نے قیامِ پاکستان کے لیے خواتین کو بیدار کیا اور اس سلسلے میں قابلِ قدر خدمات سرانجام دیتے ہوئے قائداعظم کے شانہ بشانہ کام کیا۔1942ء میں محترمہ فاطمہ جناح نے خواتین سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

''اب تک ہم مسلم خواتین نے اپنی قوم کی خاص طور پر مدد نہیں کی ہے۔ حالانکہ ہم لوگ بھی اگر چاہتے تو بہت کچھ کام کا حصہ بٹا سکتے۔ اس وقت ہماری ضرورتیں چار ہیں یعنی اقتصادی، معاشرتی، تعلیمی اور سیاسی۔ ہم کو چاہیئے کہ ہم میں سے ہر ایک جس سے جتنا ہوسکے، اپنی قوت اور اپنی حیثیت کے مطابق اپنے خاندان، اپنے ہمسایہ، اپنے دوستوں اور عزیزوں میں عملی قوت کی روح پھونک کر اس میں قومیت کا جذبہ پیدا کرے اس طرح ہم اپنی قوم کی کچھ مدد کرسکتے ہیں''۔[39]

فاطمہ جناح اپنے ارشادات میں اسی طرح مسلم خواتین کی رہبری ورہنمائی کرتیں تھی۔ آپ کی کوششوں سے تعلیم نسواں کے مراکز قائم کیے گئے کیونکہ آپ یہ سمجھتی تھیں کہ معاشرے میں تعلیمی اور سماجی اصلاح نوجوان مسلمان طالبات کے ہی ذریعے ہوسکتی ہے بقول محترمہ فاطمہ جناح:

''میں نے قائداعظم کی قیادت میں، پاکستان کے لیے ایک سپاہی کی طرح دوسرے مسلمانوں کے دوش بدوش کام کیا ہے۔ تحریک پاکستان کے دوران قائداعظم مجھے ہر جگہ اپنے ساتھ رکھتے تھے انہوں نے مجھے کوئی سیاسی عہدہ نہیں دیا تھا۔ انہوں نے اپنے لیے یا اپنی بہن کے لیے پاکستان نہیں بنایا تھا بلکہ پوری قوم کے لیے بنایا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ بیگم محمد علی مسلم لیگ کی مجلس عاملہ میں خواتین کی نمائندگی کرتی تھیں''۔[40]

تحریک خلافت میں محترمہ بی امّاں کا کردار بھی قابل رشک ہے:

''ایک پردہ نشین خاتون جنھوں نے نہ کبھی کسی اسکول سے تعلیم پائی تھی نہ کسی کالج سے مگر بیٹوں کو قوم اور اسلام پر مرنا سکھایا''۔[41]

بیگم نورالصّباح اس حوالے سے لکھتی ہیں:

''تحریکِ خلافت میں محترمہ بی اماں (والدہ مولانا محمد علی جوہر) نے اپنے دونوں بیٹوں کی گرفتاری کے بعد بھی تحریک کو اسی زور شور سے جاری رکھا تھا۔ اسی طرح بیگم مولانا محمد علی نے اسی زمانے سے ملک کی سیاست میں حصہ لیا۔ پردے کی پابندی ان کے کاموں میں مانع نہیں آسکی وہ مسلم لیگ کی کمیٹیوں اور اجلاسوں میں برابر شریک ہوتی

رہیں۔1935ء میں جب قائداعظم نے دوبارہ مسلم لیگ کی تنظیم کی تو خواتین پیش پیش تھیں۔انہوں نے ملک میں دورے کر کے مسلم خواتین کو مسلم لیگ سے روشناس کرایا اور کثیر تعداد میں خواتین مسلم لیگ میں شامل ہو گئیں"[42]

تحریک پاکستان میں بیگم شائستہ اکرام اللہ کے کردار کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ آپ کے والدین عورتوں کی تعلیم کے مکمل حامی تھے اس لیے انہوں نے ابتداء ہی سے بیگم شائستہ اکرام اللہ کی تعلیم کا مکمل اہتمام کیا۔نہ صرف انگریزی تعلیم بلکہ چاردیواری میں مذہبی تعلیم کا بھی اہتمام کیا گیا:

"بیگم شائستہ اکرام اللہ ابتدا ہی سے اپنے بزرگوں کی طرح تعلیم نسواں اور ترقی نسواں کی پرجوش حامی تھیں۔ بیشتر زنانہ انجمنوں ، کانفرنسوں اور کمیٹیوں میں باقاعدگی سے شرکت کرتیں اور مسلمان عورتوں میں تعلیم و تنظیم کا جذبہ وشوق پیدا کرنے میں نہایت جانفشانی سے کام کرتیں۔اس سلسلے میں آپ کی بصیرت افروز، مدلل اور پُر معنی تقاریر نے خاصا کردارادا کیا"۔[43]

ان نامور خواتین میں بیگم رعنا لیاقت علی خان کا نام بھی قابل ذکر ہے۔ تقسیم کے وقت جب ہندوستان سے مسلمان بے کس وبے سہارا ہو کر پاکستان میں داخل ہوئے اور لاہور کے سارے کیمپ ان مظلوموں سے بھر گئے تو اس صورتحال میں بیگم لیاقت علی خان کی مہاجر وبے سہارا اور بے سروسامان وبے بس خواتین کے لئے کی جانے والی کاوشیں لائقِ تحسین ہیں:

"بیگم لیاقت علی خان نے پاکستانی خواتین کی رضاکار سروس کی بنیاد ڈالی تاکہ نادار اور تباہ حال مہاجر خواتین، لاوارث بچوں اور بے سہارا افراد کی امداد کی جاسکے۔ بیگم لیاقت علی خان کی کوششوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ سیکڑوں عورتوں نے رضاکارانہ طور پر قومی خدمت کے لیے اپنے آپ کو پیش کیا۔ان رضاکار خواتین نے بیگم لیاقت علی خان کی رہنمائی میں ہسپتالوں اور کیمپوں میں جاکر مریضوں ،ناداروں اور بے سہارا افراد کی خدمت شروع کی۔ سڑکوں پر جو بے شمار مہاجر کسمپرسی کی حالت میں پڑے ہوئے تھے انہیں سہارا دیا۔گھر گھر جاکر چندے اکھٹے کر کے مہاجروں کی خوراک، آسائش اور آرام کے لیے ہر ممکن ذرائع اختیار کیے"۔[44]

ان کے علاوہ بیگم جہاں آراء شاہنواز، بیگم سلمٰی تصدق حسین، نصرت بیگم ،وقارالنساء اور ان کے ہمراہ دیگر خواتین نے بھی حصول پاکستان کی جدوجہد کے لیے خواتین کو بیدار کیا۔ عورتوں کو سیاسی سرگرمیوں میں حصہ لینے کی ترغیب دی لیکن اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے گھریلو ذمہ داریوں سے بھی صرف نظر نہ کیا۔

پاکستان میں حقوق نسواں کی تحاریک کا آغاز قیامِ پاکستان کے تقریباً ساتھ ہی ساتھ ہوا اور مختلف فلاحی تنظیموں کا قیام عمل میں لایا گیا جن کا مقصد خواتین کی فلاح و بہبود تھا۔ حقوقِ نسواں کے حوالے سے پاکستان میں قائم چند تنظیموں اور قوانین کا تذکرہ درج ذیل ہے:

ویمن نیشنل گارڈ کا قیام:

قیامِ پاکستان کے وقت انسانی تاریخ کی سب سے بڑی ہجرت ہوئی۔ اس وقت بیگم رعنا لیاقت علی خان نے خواتین کی رضاکار سروس کے ساتھ ساتھ ویمن نیشنل گارڈ کی بھی بنیاد رکھی۔ "عورتوں کو اپنا دفاع کرنے کے لیے بیگم رعنا لیاقت علی خان نے ویمن نیشنل گارڈز بنائی اور پاکستانی خواتین فوجی تربیت حاصل کرنے لگیں لیکن رجعت پسند حلقوں کے دباؤ کی وجہ سے اس ادارے کو جلد ہی ختم کر دیا گیا"۔[45]

آل پاکستان ویمنز ایسوسی ایشن کا قیام 1949ء:

اس فلاحی تنظیم کا قیام 22 فروری 1949ء میں عمل میں لایا گیا:

"22 فروری 1949ء کو کراچی میں خواتین کی ایک کل پاکستان کانفرنس منعقد ہوئی جس میں آل پاکستان ویمنز ایسوسی ایشن (اپوا) کا قیام عمل میں آیا۔ اس تنظیم کی سرپرست اعلیٰ بیگم خواجہ ناظم الدین اور محترمہ فاطمہ جناح قرار پائیں اور بیگم رعنا لیاقت علی خان کو اس تنظیم کا پہلا صدر منتخب کیا گیا، اس کانفرنس میں جن خواتین نے شرکت کی ان میں بیگم شائستہ اکرام اللہ، بیگم شاہنواز، بیگم سلمیٰ تصدق حسین، لیڈی نصرت ہارون، بیگم فضل الرحمن اور بیگم شہاب الدین کے نام سرفہرست تھے"۔[46]

حکومت پاکستان نے اس انجمن کی منظوری دیتے ہوئے اس بات کا اعلان کیا کہ عورتوں سے متعلق کوئی بھی قانون اس انجمن کے مشورے کے بغیر نہیں بنے گا۔

بیگم رعنا لیاقت علی خان نے اپوا کے قیام کے فوراً بعد ہی "کارکنوں کو اسکول اور کالج قائم کرنے کی خاص ہدایت کی جسکی وجہ سے اپوا نے متعدد اسکول قائم کیے۔۔۔۔۔۔ اندرون ملک اپوا کی پچاس شاخیں قائم ہیں جن میں اپوا کے عام اراکین کی تعداد سترہ ہزار ہے۔ اس کے علاوہ اپوا کی ایک شاخ لندن میں بھی ہے۔۔۔ اندرونِ پاکستان اپوا کی زیر انتظام ۷۶ اسکول کھلے ہوئے ہیں۔ مغربی پاکستان میں انیس کے جی اسکول، پندرہ پرائمری اسکول اور بارہ

مڈل اور سیکنڈری اسکول ہیں۔ اسی طرح مشرقی پاکستان میں گیاہ پرائمری اور ایک مڈل سیکنڈری اسکول ہیں۔ علاوہ ازیں ایک لڑکیوں کا کالج کراچی میں ہے اور ایک لاہور میں ہے"۔[47]

اس کے علاوہ اس فلاحی تنظیم نے گھریلو دستکاری، سلائی ادارے قائم کیے، سماجی بہبود کے چھ بڑے اداروں کا قیام بھی اس تنظیم کی بدولت عمل میں لایا گیا جہاں محتاج وضرورتمند خواتین کی مدد کی جاتی ہے اور دوسرے مسائل حل کئے جاتے ہیں۔ مثلاً بیماروں کے لیے علاج کی سہولیات، یتیم لڑکیوں کی شادی، بے روزگاروں کو ملازمت کے مواقع وغیرہ۔

شریعت کے اسلامی پرسنل لاء کی منظوری 1948ء، نافذ العمل 1951ء:

1948ء میں قومی اسمبلی کی خواتین ممبران نے خواتین کے معاشی حقوق کے تحفظ کے لیے ایک بل تجویز کیا، بل کو اس وقت تک ایجنڈے میں شامل نہیں کیا گیا جب تک ہزاروں خواتین نے احتجاج کی صورت میں اسمبلی چیمبر تک مارچ نہیں کیا۔ خواتین ممبر اسمبلی کو جب باہر سے خواتین کی مدد ملی تو وہ ویسٹ پنجاب مسلم پرسنل لاء پبلی کیشن ایکٹ 1948ء کا راستہ ہموار ہو گیا جس نے خواتین کی وراثت کے حق کو تسلیم کیا۔[48]

بیگم جہاں آراء شاہنواز اور بیگم شائستہ اکرام اللہ نے پاکستان کی پہلی آئین ساز اسمبلی میں خواتین کی نمائندگی کی جس کے نتیجے میں یہ قانون منظور ہوا۔ اس قانون کی منظوری 1948ء میں ہوئی جبکہ 1951ء میں یہ نافذ العمل ہوا۔ دین اسلام نے عورتوں کو حقِ وراثت دیا لیکن معاشرتی رسوم ورواج نے عورتوں کو ہمیشہ اس حق سے محروم رکھا۔

بزنس اینڈ پروفیشنل ویمنز کلب 1954ء:

1954ء میں ایک اور غیر سیاسی تنظیم "بزنس اینڈ پروفیشنل ویمنز کلب" تشکیل پائی جس نے خواتین کے لیے آمدنی پیدا کرنے کے حوالے سے مسائل پر توجہ دی۔[49]

1956ء کے آئین کی رو سے قومی اسمبلی میں خواتین کی نشستیں:

قومی اسمبلی صدر مملکت اور قومی اسمبلی پر مشتمل تھی، اس کے ارکان کی تعداد 300 ہوتی اور ہر صوبہ کے 150 ارکان منتخب ہوتے تھے۔ اس طرح مساوی نیابت برقرار رکھی گئی تھی۔ دس سال کے لیے قومی اسمبلی میں عورتوں کے لیے دس (10) نشستیں مخصوص کی گئی تھیں اور ہر صوبے سے پانچ عورتیں منتخب کی جاتی تھیں۔[50]

مسلم عائلی قوانین کا آرڈیننس 1961ء:

1955ء میں محمد علی بوگرہ جو اس وقت کے وزیر اعظم تھے، نے دوسری شادی کرلی۔ انکی دوسری شادی نے خواتین کو کثیر الازدواجی کے خلاف احتجاجی تحریک چلانے پر اکسایا۔ چنانچہ 1961ء میں خواتین انجمنوں کے مستقل دباؤ اور احتجاج پر مسلم عائلی قوانین کا آرڈیننس 1961ء نافذ کیا گیا۔ جس میں شادی کی رجسٹریشن (نکاحوں کا اندراج)، کثرتِ ازدواج، حقِ طلاق، تنسیخِ نکاح، نان ونفقہ اور مہر سے متعلق قواعد وضوابط منضبط کیے گئے۔ جن کا مختصر تذکرہ درج ذیل ہے:

نکاحوں کا اندراج:

1961ء کے آرڈیننس میں نکاح کے اندراج مقرر کردہ نکاح نامے کا استعمال ضروری قرار دیا گیا۔ اس سے قبل نکاح تحریری نہیں بلکہ اکثر زبانی ہوتا تھا۔ نکاح کے اندراج کا سلسلہ 1961ء سے شروع ہوا۔ اس کے متعلق چند دفعات درج ذیل ہیں:

1۔ مسلمانوں کے قانون کے تحت باضابطہ عمل میں آنے والے ہر نکاح کا آرڈیننس ہذا کے احکام کے مطابق اندراج کیا جائے گا۔

2۔ آرڈیننس ہذا کے تحت نکاحوں کے اندراج کی غرض سے یونین کونسل ایک یا زیادہ اشخاص کو جنہیں نکاح رجسٹرار کہا جائے گا، لائسنس عطا کرے گی۔

لیکن کسی ایک وارڈ کے لیے کسی صورت میں بھی ایک سے زیادہ نکاح رجسٹرار کو لائسنس نہیں دیا جائے گا۔

3۔ ہر وہ نکاح جو نکاح رجسٹرار کے ذریعے باضابطہ عمل میں نہ آیا ہو، کے آرڈیننس ہذا کے تحت اندراج ہونے کی غرض کے لیے اس شخص کی طرف سے جو باضابطہ طور پر نکاح عمل میں لایا ہو، اسے اطلاع دی جائے گی۔

4۔ ہر وہ شخص جو ضمنی دفعہ (3) کے احکامات کے خلاف ورزی کرے گا اسے قید محض، جس کی میعاد تین ماہ تک ہو سکتی ہے یا جرمانہ جو ایک ہزار روپے تک ہو سکتا ہے یا دونوں سزائیں دی جا سکتی ہیں۔

5۔ نکاح نامہ کا فارم، رجسٹرار جو رجسٹر قائم رکھے گا، ریکارڈ جو یونین کونسل محفوظ رکھے گی، وہ طریقہ جس سے نکاح کا اندراج کیا جائے گا اور نکاح ناموں کی نقول فریقین کو مہیا کی جائیں گی اور انکے لیے قابلِ مواخذہ فیس، وہ ہوں گے جو مقرر کیے جائیں گے۔

6۔ کوئی شخص مقررہ فیس، اگر کوئی ہو، ادا کر کے یونین کونسل کے دفتر میں ضمنی دفعہ (5) کے تحت محفوظ کردہ ریکارڈ کا معائنہ کر سکتا ہے یا اس کے کسی اندراج کی نقل حاصل کر سکتا ہے۔[51]

کثرت ازدواج:

کوئی شخص کسی پہلے کی ہوئی شادی کی موجودگی میں ماسوا ثالثی کونسل کی پیشگی تحریری اجازت کے دوسری شادی نہیں کرے گا۔ نہ ہی ایسی کسی شادی کا، جو ایسی منظوری کے بغیر کی گئی ہو، آرڈیننس ہذا کے تحت اندراج کیا جائے گا۔

ا۔ ضمنی دفعہ (ا) کے تحت اجازت کے لیے کوئی درخواست مقررہ فیس کے ساتھ چیئر مین کو مقررہ طریقہ سے پیش کی جائے گی اور مجوزہ شادی کی وجوہات بیان کی جائیں گی اور آیا موجودہ بیوی یا بیویوں کی رضامندی حاصل کر لی گئی ہے۔

۲۔ ضمنی دفعہ (۲) کے تحت درخواست ملنے پر چیئر مین، درخواست دہندہ اور اس کی موجودہ بیوی یا بیویوں کو ایک ایک نمائندہ مقرر کرنے کے لیے کہے گا اور اس طرح تشکیل کردہ ثالثی کونسل، اگر اس کی تسلی ہو جائے کہ مجوزہ شادی ضروری اور انصاف پر مبنی ہے، تو ایسی شرائط کے تابع، اگر کوئی ہوں، جو مناسب سمجھی جائیں، درخواست کردہ اجازت عطا کرنے کی مجاز ہو گی۔

۳۔ درخواست کا فیصلہ کرتے ہوئے ثالثی کونسل، فیصلہ کے متعلق، اپنی وجوہات قلم بند کرے گی اور کوئی فریق، مقررہ طریقہ سے، مقررہ مدت کے اندر اور مقررہ فیس کی ادائیگی کر کے، مغربی پاکستان کی صورت میں کلکٹر کو اور مشرقی پاکستان (اب بنگلہ دیش) کی صورت میں متعلقہ افسر حصہ ضلع کو نگرانی کی درخواست گزار سکے گا اور اس کا فیصلہ قطعی ہو گا اور اس پر کسی عدالت میں اعتراض نہ کیا جائے گا۔

۴۔ جو ثالثی کونسل کی اجازت کے بغیر دوسری شادی کرے گا وہ:

(الف) مہر کی تمام رقم موجودہ بیوی یا بیویوں کو فوراً ادا کرے گا، خواہ معجل ہو یا موجّل اور ایسی رقم جو اس طرح ادا نہ کی جائے بطور بقایا مال گزاری قابلِ وصول ہو گی، اور

(ب) شکایت پر سزایابی کی صورت میں قید محض جس کی میعاد ایک سال تک ہو سکتی ہے یا جرمانہ جو پانچ ہزار روپے تک ہو سکتا ہے یا دونوں سزاؤں کا مستوجب ہو گا۔[52]

طلاق:(دفعہ نمبر 7)

ا۔ جو شخص اپنی بیوی کو طلاق دینا چاہتا ہو، وہ طلاق کا اعلان، خواہ کسی شکل میں بھی ہو، کرنے کے بعد جس قدر جلد ہو سکے ایسا کرنے کا چیئر مین کو تحریری طور پر نوٹس دے گا اور اس کی ایک نقل بیوی کو مہیا کرے گا۔

۲۔ جو کوئی ضمنی دفعہ (1) کے احکامات کی خلاف ورزی کرے گا وہ قید محض جس کی مدت ایک سال تک ہو سکتی ہے یا جرمانہ جو پانچ ہزار روپے تک ہو سکتا ہے یا دونوں سزاؤں کا مستوجب ہو گا۔

سوائے اس کے کہ جیسا ضمنی دفعہ (5) میں محکوم کیا گیا ہے، کوئی طلاق ماسوا اس کے کہ قبل ازیں، واضح طور پر یا بصورت دیگر، منسوخ کر دی گئی ہو، ضمنی دفعہ (1) کے تحت چیئر مین کو دیے گئے نوٹس سے نوے دن گزرنے تک موثر نہ ہو گی۔

ا۔ ضمنی دفعہ (1) کے تحت نوٹس وصول ہونے کی تاریخ سے تیس (30) دن کے اندر چیئر مین، فریقین میں مصالحت کرانے کی غرض سے، ایک ثالثی کونسل تشکیل دے گا اور ثالثی کونسل ایسی مصالحت کرانے کے لیے تمام ایسے اقدامات اٹھائے گی جو ضروری ہوں۔

۲۔ اگر طلاق کے اعلان کے بعد بیوی حمل سے ہو تو طلاق اس وقت تک مؤثر نہ ہو گی جب تک ضمنی دفعہ (3) میں متذکرہ مدت یا مدت حمل جو بھی موخر ہو، ختم نہ ہو جائے۔

۳۔ ایسی بیوی کے لیے جس کا نکاح دفعہ ہذا کے تحت مؤثر شدہ طلاق سے فسخ ہو چکا ہو کسی دیگر شخص سے کئے بغیر، اسی شوہر سے دوبارہ شادی کرنے میں کوئی امر مانع نہ ہو گا۔ ماسوا اس کے کہ ایسا فسخ تیسری بار اس طرح مؤثر ہو چکا ہو۔[53]

طلاق کے علاوہ تنسیخ نکاح (دفعہ نمبر 8):

جب بیوی کو حسب ضابطہ طلاق کا حق دیا گیا ہو اور وہ اس اختیار کو استعمال کرنا چاہتی ہے یا جب کسی شادی کے فریقین میں سے کوئی طلاق کے علاوہ تنسیخ نکاح چاہتا ہو تو دفعہ کے احکامات مناسب ردوبدل سے اور جہاں تک قابل اطلاق ہوں، اطلاق پذیر ہونگے۔[54]

نان ونفقہ:

ا۔ اگر کوئی شوہر اپنی بیوی کی مناسب کفالت سے قاصر رہے، یا جب ایک سے زیادہ بیویاں ہوں، ان کی منصفانہ کفالت سے قاصر رہے تو بیوی یا تمام یا ان میں سے کوئی بیوی، دیگر دستیاب قانونی چارہ جوئی کرنے کے علاوہ چیئر مین کو درخواست دے سکتی ہے جو معاملہ کے تصفیہ کے لیے ثالثی کونسل تشکیل دے گا اور ثالثی کونسل ایک سرٹیفکیٹ، جس میں خاوند کی طرف سے بیوی کو بطور نان ونفقہ واجب الادا رقم کی تصریح کی گئی ہو، جاری کرنے کی مجاز ہو گی۔

۲۔کوئی شوہر یا بیوی مقررہ طریقہ سے، مقررہ مدت کے اندر اور مقررہ فیس کی ادائیگی پر سرٹیفکیٹ کی نگرانی کی درخواست، مغربی پاکستان میں کلکٹر کو اور مشرقی پاکستان (اب بنگلہ دیش) کی صورت میں متعلقہ افسر حصہ ضلع کو گزار سکتے ہیں اور اس کا فیصلہ قطعی ہو گا اور اس کے خلاف کسی عدالت میں چارہ جوئی نہیں کی جا سکے گی۔

مگر شرط یہ ہو گی کہ ڈویژن کا کمشنر مجاز ہو گا کہ اس ضمن میں درخواست گزارنے پر اور بوجوہات جو قلم بندی کی جائیں گی، کسی سرٹیفکیٹ کی نگرانی کی درخواست، اپنے ڈویژن میں ایک کلکٹر سے کسی دیگر کلکٹر کو یا ڈائریکٹر لوکل گورنمنٹ کو یا کسی ایڈیشنل کمشنر کو منتقل کر دے۔

ضمنی دفعہ (۱) اور (۲) کے تحت واجب الادا کوئی رقم اگر مناسب وقت پر ادا نہ کی گئی ہو تو بطور بقایا مالگذاری قابل وصول ہو گی۔[55]

حق مہر:

جب نکاح نامہ یا معاہدہ شادی میں مہر کی دائیگی کے طریق کار کے متعلق وضاحت نہ ہو تو یہ تصور کیا جائے گا کہ وہ عند الطلب واجب الادا ہے۔[56]

فیملی کورٹس ایکٹ مجریہ 1964ء:

یہ قانون عائلی مقدمات کا جلد فیصلہ کرنے اور انہیں نمٹانے کے لیے عائلی عدالتیں قائم کرنے کی غرض سے بنایا گیا۔[57]

1973ء کے آئین میں خواتین کے لیے خصوصی اقدامات:

بیگم اشرف عباسی اور بیگم نسیم جہاں کی کوششوں سے 1973ء کے آئین میں خواتین کو دوسرے شہریوں کے برابر حقوق دیئے گئے جبکہ قومی زندگی کے ہر شعبے میں خواتین کو شامل کرنے کی یقین دہانی بھی کرائی گئی۔ اس سلسلے میں 1973ء کے آئین کی چند دفعات درج ذیل ہیں:

دفعہ نمبر ۳۴۔ قومی زندگی کے تمام شعبوں میں عورتوں کی مکمل شمولیت کو یقینی بنانے کے لیے اقدامات کیے جائیں گے۔

۳۵۔ مملکت، شادی، خاندان، ماں اور بچے کی حفاظت کرے گی۔

۲۵۔(۱) تمام شہری قانون کی نظر میں برابر ہیں اور قانونی تحفظ کے مساوی طور پر حقدار ہیں۔

(۲) محض جنس کی بناء پر کوئی امتیاز نہیں کیا جائے گا۔

(۳) اس آرٹیکل میں مذکور کوئی امر عورتوں اور بچوں کے تحفظ کے لیے مملکت کی طرف سے کوئی خاص اہتمام کرنے میں مانع نہیں ہو گا۔

(۲۷) کسی شہری کے ساتھ جو باعتبار دیگر پاکستان کی ملازمت میں تقرر کا اہل ہو، کسی ایسے تقرر کے سلسلے میں محض نسل، مذہب، ذات، جنس سکونت یا مقام پیدائش کی بناء پر امتیاز روا نہیں رکھا جائے گا۔

(۳۲) مملکت متعلقہ علاقوں کے منتخب نمائندوں پر مشتمل بلدیاتی اداروں کی حوصلہ افزائی کرے گی اور ایسے اداروں میں کسانوں، مزدوروں اور عورتوں کو خصوصی نمائندگی دی جائے گی۔

(۵۱)(ا) قومی اسمبلی میں خواتین اور غیر مسلموں کے لیے مخصوص نشستوں کے بشمول ارکان کی تین سو بیالیس نشستیں ہو نگی۔[58]

متذکرہ بالا تمام سفارشات خواتین کے حقوق میں اضافے کا باعث بنیں۔

خواتین کے حقوق کا اعلان نامہ 1976ء:

آئینِ پاکستان میں پانچواں ترمیم 5 ستمبر 1976ء میں ذوالفقار علی بھٹو کے دور میں ہوئی۔ خواتین کے حقوق سے متعلق اسکی چند شقیں حسبِ ذیل ہیں:

آرٹیکل 1: عورتوں سے امتیازی سلوک، اسلامی تعلیمات کے منافی اور آئینی ضمانت کی خلاف ورزی ہے، انسانی وقار کے خلاف ایک جرم ہے۔

آرٹیکل 4: عورتوں کے لیے مندرجہ ذیل حقوق بلاکسی امتیاز کے حاصل کرنے کے لیے تمام مناسب اقدامات کیے جائیں گے:

(الف) تمام انتخابات میں ووٹ دینے کا حق اور تمام منتخب اداروں کی رکنیت کے لیے الیکشن لڑنے کا حق۔

(ب) سرکاری عہدے پر فائز ہونے اور تمام عوامی امور سرانجام دینے کا حق۔

آرٹیکل 5: خاندان کسی بھی معاشرے کی بنیادی وحدت ہوتی ہے۔ اس کے اتحاد اور اتفاق کو کسی قسم کا نقصان پہنچائے بغیر قانونِ شخصی کے مطابق عورتوں کے حقوق خصوصاً مندرجہ ذیل حقوق یقینی بنانے کے لیے تمام مناسب اقدامات کیے جائیں گے۔

(الف) جائیداد حاصل کرنے، اس کا انتظام کرنے اوراس سے فائدہ اٹھانے، اسے بیچنے اوروراثت میں حاصل کرنے کا حق، اس میں شادی کے دوران حاصل کی گئی جائیداد بھی شامل ہے۔

(ب) قانونی اعتبار سے برابری کا حق اوراس کا استعمال۔

(ج)شادی کے لیے رضامندی کا حق۔

(د) قانونِ شخصی کے مطابق شادی کے بندھن سے آزادی بشمول خلع کا حق۔

(ر)شادی کے عرصہ میں قانون کے مطابق نان ونفقہ کا حق۔

(س) قانونِ شخصی کے مطابق اپنے بچوں کو اپنی تحویل میں رکھنے کا حق۔

(ص)طلاق کی صورت میں حق مہر(غیر موجّل)اور جہیز کا سامان کم سے کم مقدار میں وصول کرنے کا حق۔

(ط) بچوں کی تحویل، بچوں کا خرچہ اورنان ونفقہ سے محروم کرنے کے لیے خاوند کی طرف سے عورت پر اخلاق باختگی کے الزامات سے تحفظ کا حق۔

(ع)ماں کی تحویل میں آئے بچوں کے خرچے کا حق۔

آرٹیکل 7: ماں، بیوی، بیٹی اور بہن کو تحفہ یا ہبہ کی جانے والی جائیداد یا رقم پر ٹیکس کی معقول رعایت دی جائے گی۔

آرٹیکل 8: ہر سطح پر تعلیم کے حصول کے لیے عورتوں کو برابر کے موقع فراہم کرنے کے لیے مناسب اقدامات کئے جائیں گے۔

آرٹیکل9: عورتوں کے مناسب علاج معالجے کو یقینی بنانے کے لیے ہر ممکن کوشش کی جائے گی۔

آرٹیکل 11: معاشی اور سماجی شعبوں میں عورتوں کو موزوں مواقع فراہم کرنے کے لیے تمام مناسب اقدامات کئے جائیں خصوصاً:

(الف) پیشہ ورانہ تربیت حاصل کرنے، کام کرنے، پیشے کے آزادانہ انتخاب، ملازمت اوراپنے شعبے میں ترقی کا حق حاصل ہو۔

(ب) ایک ہی نوعیت کے کام میں برابری کے سلوک کا حق۔

آرٹیکل 12: کام کرنے کے حق کو مؤثر بنانے کے لیے شادی یا زچگی کے باعث ان کی برطرفی روکنے کے

لیے مناسب اقدامات کیے جائیں گے۔ زچگی کے دوران کی با تنخواہ رخصت اور زچگی کے بعد اسی عہدہ یا حیثیت میں کام کرنے کی ضمانت اور بچوں کی دیکھ بھال کی سہولت سمیت دوسری معاشرتی سہولیات فراہم کی جائیں گی۔[59]

جہیز اور تحائف عروسی پر (پابندی) کا قانون:

جہیز اور تحائف عروسی پر پابندی لگانے کے لیے 1976ء میں ایک قانون بنایا گیا جسے 4 جون 1976ء میں منظوری ملی۔ اس کی دفعہ نمبر 3 کے مطابق:

(1) "نہ تو دلہن کے والدین کی طرف سے دیئے گئے دلہن کے تحائف کی مجموعی مالیت نہ ہی دولہا کو دیئے گئے تحائف عروسی یا تحائف کی مجموعی مالیت پانچ ہزار روپے سے تجاوز کرے گی"۔[60]

حدود آرڈیننس لاء 1979ء:

اسلامی معاشرے کی بنیاد اسلامی نظام حیات پر رکھی گئی ہے۔ اگر ریاست میں اسلامی نظام نافذ نہ کیا جائے اور اسلامی حدود و تعزیرات کا نفاذ نہ کیا جائے تو معاشرے کا امن و سکون تباہ ہو جاتا ہے۔

1979ء میں جنرل ضیاء الحق کے دور حکومت میں اسلامی حدود و تعزیرات کا بل منظور ہوا جو حدود آرڈیننس 1979ء کے نام سے موسوم ہے۔ اس آرڈیننس میں اسلامی تعلیمات کی روشنی میں امتناع منشیات، چوری، حرابہ، زنا، قذف، لعان وغیرہ کے بارے میں مکمل قوانین بنائے گئے۔ حدِ زنا سے متعلق جو قانون سازی کی گئی اس سے متعلق چند دفعات درج ذیل ہیں:

دفعہ نمبر ۵:۔ زنا مستوجب ِحد:

1۔ زنا مستوجب ِحد ہے اگر:

(الف) اس کا ارتکاب ایسا مرد کرتا ہے جو بالغ ہے اور فاتر العقل نہیں ایسی عورت سے، جس سے نہ اس کی شادی ہوئی ہے اور نہ ہی وہ خود کو اس سے شادی شدہ سمجھتا ہے۔

(ب) اس کا ارتکاب ایسی عورت کرتی ہے جو بالغہ ہے اور فاتر العقل نہیں ہے، ایسے مرد سے جس سے نہ تو اس کا نکاح ہوا ہے اور نہ ہی وہ خود کو اس سے شادی شدہ سمجھتی ہے۔

۲۔ جو کوئی زنا مستوجب حد کا ارتکاب کرے گا، آرڈیننس ہذا کے احکام کے تابع:

(الف) اگر وہ مرد / عورت محصن ہے تو کسی جائے عام پر، سنگسار کر کے ہلاک کر دیا جائے گا۔

(ب) اگر وہ مرد / عورت محصن نہیں ہے تو کسی جائے عام پر، کوڑوں کی سزا، جس کی تعداد سو کوڑے ہو گی، دی جائے گی۔

۳۔ ضمنی دفعہ (۲) کے تحت سزا پر اس وقت تک عمل درآمد نہیں کیا جائے گا جب تک سزا کی توثیق اس عدالت سے نہیں ہو جاتی جس میں اس سزا کے حکم کے خلاف اپیل دائر کی جا سکتی ہو اور اگر کوڑوں کی سزا دی گئی ہے تو جب تک اس کی توثیق اور عمل درآمد نہ ہو جائے، مجرم کے ساتھ اسی طرح سلوک کیا جائے گا۔ گویا کہ اسے قید کی سزا دی گئی ہو۔[61]

دفعہ نمبر ۶: زنا بالجبر:

1۔ کسی شخص کو زنا بالجبر کا مرتکب کہا جائے گا اگر مرد یا عورت نے کسی مرد یا عورت سے، جیسی کہ صورت ہو، جس کے ساتھ وہ جائز طور پر شادی شدہ نہ ہو درج ذیل حالتوں میں سے کسی ایک میں مباشرت کی ہو۔

(الف) مفعول کی آمادگی کے بغیر۔

(ب) مفعول کی رضامندی کے بغیر۔

(ج) مفعول کی رضامندی سے جب کہ مجرم جانتا ہو کہ وہ جائز طور پر مفعول سے شادی شدہ نہیں اور یہ کہ رضامندی اس بناء پر دی گئی ہے کہ مفعول یہ سمجھتا ہے کہ مجرم کوئی اور شخص ہے جس کے ساتھ مفعول کی شادی جائز طور پر ہوئی ہے یا مفعول مرد یا عورت جائز طور پر شادی شدہ ہونا باور کرتا ہو یا کرتی ہو۔[62]

دفعہ نمبر ۷:۔ زنا یا زنا بالجبر کے جرم کی سزا:

جبکہ مجرم بالغ نہ ہو:

کوئی شخص جو زنا یا زنا بالجبر کا مرتکب ہوا ہے، اگر بالغ نہ ہو تو اسے ایسی مدت کی کسی ایک قسم کی سزائے قید دی جائے، جو پانچ سال تک ہو سکتی ہے یا جرمانہ یا دونوں سزائیں اور کوڑے مارنے کی سزا بھی دی جا سکتی ہے جو تیس (۳۰) کوڑوں سے زیادہ نہ ہو۔ بشرطیکہ زنا بالجبر کی صورت میں اگر مجرم پندرہ سال سے کم عمر کا نہیں ہے تو کوڑوں کی سزا بمعہ یا بغیر کسی اور سزا کے دی جائے گی۔[63]

دفعہ نمبر ۸: زنا یا زنا بالجبر مستوجبِ حد کا ثبوت:

زنا یا زنا بالجبر مستوجبِ حد کا ثبوت مندرجہ ذیل صورتوں میں سے کسی ایک صورت میں ہو گا یعنی:

(الف) ملزم کسی بااختیار عدالت کے روبرو جرم کا ارتکاب کرے۔ یا

(ب) کم از کم چار بالغ مسلمان مرد گواہان، جن کے متعلق عدالت کو تزکیۃ الشہود کے تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے، اطمینان ہو کر وہ صادق القول اشخاص ہیں اور بڑے گناہوں سے اجتناب کرنے والے ہیں۔ جرم کے لیے لازمی، دخول کے فعل کے بعد، چشم دید گواہان کے طور پر گواہی دیں بشر طیکہ اگر ملزم غیر مسلم ہے تو چشم دید گواہان غیر مسلم ہو سکتے ہیں۔[64]

دفعہ نمبر ۹: وہ صورتیں جن میں نفاذ حد نہیں ہو گا:

1۔ ایسی صورت میں جبکہ زنا یا زنا بالجبر کا جرم صرف مجرم کے اقرار سے ثابت ہو، حد یا اس کے ایسے حصے جن کا ابھی نفاذ ہونا باقی ہو، کا نفاذ نہیں کیا جائے گا۔ اگر مجرم، حد یا اس کے ایسے حصہ کے نفاذ سے قبل، اپنے اقرار سے منحرف ہو جائے۔

2۔ ایسی صورت میں جبکہ زنا یا زنا بالجبر کا جرم صرف شہادتوں سے ثابت ہو، تو حد یا اس کے ایسے حصہ جس کا نفاذ باقی ہو، کا نفاذ نہیں کیا جائے گا۔ اگر حد یا ایسے حصہ کے نفاذ سے قبل کوئی گواہ اپنی شہادت سے منحرف ہو جائے جس سے کہ عینی شاہدوں کی تعداد گھٹ کر چار سے کم ہو جائے۔

3۔ ایسی صورت میں جو ضمنی دفعہ (ا) میں مذکور ہے، عدالت مثل پر موجود شہادت کی بناء پر مجرم پر تعزیر عائد کر سکتی ہے۔[65]

دفعہ نمبر ۱۰: زنا یا زنا بالجبر مستوجبِ تعزیر:

ا۔ دفعہ (۷) کے احکام کے تابع جو کوئی زنا بالجبر جو حد کا مستوجب نہ ہو، کا مرتکب ہو یا جس کے لیے دفعہ (۸) میں مذکور کسی بھی قسم کا ثبوت موجود نہ ہو اور مستغیث کو قذف مستوجب حد کی سزا بھی نہ دی گئی ہو یا جس کے خلاف آرڈیننس ہذا کے تحت حد عائد نہ کی جا سکتی ہو، مستوجب تعزیر ہو گا۔

۲۔ جو کوئی زنا مستوجب تعزیر کا مرتکب ہو گا اس کو ایسی مدت کے لیے قید بامشقت کی سزا دی جائے گی۔ جو دس سال تک ہو سکتی ہے اور کوڑوں کی سزا جس کی تعداد تیس (۳۰) کوڑے ہو گی اور وہ مستوجب جرمانہ بھی ہو گا۔

۳۔ جو کوئی زنا بالجبر مستوجب تعزیر کا مرتکب ہو گا اس کو ایسی مدت کی سزائے قید دی جائے گی، جو وہ نہ تو چار سال سے کم ہو گی نہ پچیس سال سے زیادہ اور اگر سزا قید کی دی گئی ہو تو اسے کوڑوں کی سزا بھی دی جائے گی۔ جس کی تعداد تیس (۳۰) کوڑے ہو گی۔[66]

حدود آرڈیننس میں شامل قوانین کی تدوین میں اسلامی نظریاتی کونسل جو تمام مکاتبِ فکر کے جید علماء پر مشتمل تھی، نے بھی حصہ لیا۔ قومی اسمبلی نے اس کی توثیق کی۔ یہ قوانین چونکہ اسلامی بنیادوں پر بنائے گئے تھے اس لیے ان کے خلاف مغربی دنیا اور ہمارے ہاں کے مغربی زدہ طبقات نے شور شرابہ کیا۔ مگر ان حدود و قوانین کو تبدیل کرنے میں کامیاب نہ ہوسکے۔ اس بات کا واویلا بھی مچایا جاتا رہا کہ ان قوانین سے عورتوں پر مظالم کے پہاڑ ڈھائے جارہے ہیں مگر سزائے یافتہ افراد کے اعداد و شمار اس بات کی تصدیق نہیں کرتے۔ ایک امریکی محقق چارلس کینیڈی نے ایک تحقیقی مقالہ لکھا اس کے مطابق:

"ان قوانین کے تحت 1980ء سے لیکر 1984ء تک (پانچ سال میں) ضلعی عدالتوں سے سزا پانے والے ملزمان میں مرد 798 اور عورتیں 148 ہیں۔ وفاقی شرعی عدالت میں کیس جانے کے بعد یہ تعداد 343 (مرد) اور 38 (خواتین) کی رہ جاتی ہے"۔[67]

ویمن اسٹڈی سینٹرز کا قیام 1989ء:

ویمن ڈویلپمنٹ منسٹری نے "1989ء میں پانچ یونیورسٹیوں اسلام آباد، کراچی، کوئٹہ، پشاور اور لاہور میں ویمن اسٹڈی سینٹرز قائم کیے"۔[68]

معاشی وسائل نہ ہونے کی بناء پر چار سنٹرز فعال نہ ہوسکے لیکن کراچی یونیورسٹی میں قائم ویمن اسٹڈی سینٹر ترقی کی راہ پر گامزن ہے۔

فرسٹ ویمن بینک کا قیام 1989ء:

> "In 1989 the establishment of FWBL was an innovative and bold step step conceived by the then Prime Minister Mohtarma Benazir Bhutto (Shaheed) who envisioned a bank that would undertake the conduct of all forms of business of Banking company in a manner designed to meet the special needs of women and to encourage and assist them in promotion and running of trade and practice of profession".[69]

ترجمہ: 1989ء میں ایف بی ڈبلیو ایل کا قیام ایک جدید اور جرأت مندانہ اقدام تھا جو اس وقت کی وزیرِ اعظم محترمہ بینظیر بھٹو (شہید) نے اٹھایا۔ جس نے بینک سے یہ مطالبہ کیا تھا کہ وہ بینکاری کمپنی کے ہر طرح کے کاروبار کو چلائے گا۔ جسے خصوصی طور پر ڈیزائن کیا گیا تھا خواتین کی ضروریات کو پورا کرنے کیلئے، تجارت اور پیشہ کی مشق میں ان کی حوصلہ افزائی اور انکی مدد کرنے کیلئے۔

اس کے قیام کا بنیادی مقصد عورتوں کی مالی ضروریات کو پورا کرنا تھا۔ اس لیے یہ نہ صرف ایک مالیاتی ادارہ تھا بلکہ اسے سماجی اور فلاحی تنظیم کا درجہ دے دیا گیا۔ اس کا نظم و نسق خواتین کے ہاتھوں میں ہے اور پورے ملک میں اس کی کئی شاخیں کام کر رہی ہیں۔

قومی کمیشن برائے توقیر نسواں 2000ء:

وفاقی حکومت نے خواتین کو تمام شعبہ ہائے زندگی میں ترقی کے مواقع فراہم کرنے کے لیے "17 جولائی 2000ء کو "قومی کمیشن برائے رتبہ خواتین" (National Commission for women Status) کے قیام کا آرڈیننس جاری کیا۔ اس کی چیئرپرسن ایسی خاتون ہو گی جسے قوانین پر دسترس ہو اور خواتین کے سماجی مسائل بہتر طور پر سمجھتی ہو۔ چاروں صوبوں میں سے ایک ایک خاتون اور ایک اقلیتی خاتون کو کمیشن میں شامل کیا جائے گا۔ چیئرپرسن اور ارکان کا تقرر تین سال کے لیے ہو گا"۔[70]

اس کے قیام کا بنیادی مقصد عورتوں کے خلاف ہونے والے مظالم اور تشدد کے واقعات کی تحقیق کرنا اور ان اداروں کی نگرانی کا کام بھی سرانجام دینا جن کا قیام ان خواتین کی مدد کے لیے عمل میں لایا گیا جن کے حقوق ضبط کر لیے جاتے ہیں۔

2000ء تا 2005ء کے دورانیے میں مختلف مطالبات:

اس دورانیے میں خواتین کی طرف سے مختلف مطالبات بل کی صورت میں پیش کیے گئے جن کے ناموں کا تذکرہ درج ذیل ہے:

1۔ تحفظ و بااختیاری خواتین بل 2003ء۔

2۔ غیرت کے نام پر قتل کے معاملے سے متعلق بل 2004ء۔

3۔ برابری کے مواقع کا بل 2005ء۔

4۔ گھریلو تشدد کے خاتمے کا بل 2005ء۔

مندرجہ بالا تمام بل محترمہ شیریں رحمان نے پیش کیے۔

5۔ حدود قوانین منسوخی بل 2005ء۔

6۔ عائلی عدالتیں ترمیمی بل، جرم زنا، نفاذ حدود ترمیمی بل، جرم قذف اور نفاذ حدود ترمیمی بل 2005ء، محترمہ کشمالہ طارق نے پیش کیے۔

7۔ خاتون وفاقی محتسب اعلیٰ ادارے کے قیام کا بل۔

8۔ بزرگ شہریوں کا بل 2005ء محترمہ مہناز رفیع نے پیش کیے۔

9۔ ملازم عورتوں کے تحفظ کا بل 2005ء۔

10۔ عورتوں کے لیے وراثت کا بل 2005ء، محترمہ سمیعہ راحیل قاضی نے پیش کیے۔[71]

تحفظِ نسواں ایکٹ:

جنرل پرویز مشرف کے اقتدار سنبھالتے ہی پاکستان کی قومی اسمبلی نے 15 نومبر 2006ء کو "تحفظ نسواں ایکٹ" کے نام سے ایک بل منظور کیا جس میں حدود اللہ کی صریح خلاف ورزی کی گئی۔ اس بل کی کئی دفعات شرعی سزاؤں میں ترمیم و تخفیف کے گرد گھومتی ہیں جن کا نفاذ حدود آرڈیننس 1979ء میں کیا گیا تھا۔ قرآن و سنت کی روسے زنا ایک سنگین جرم ہے، جس کی سزائیں قرآن و سنت سے ثابت ہیں اور جن کا تفصیلی تذکرہ حدود آرڈیننس 1979ء میں کر دیا گیا ہے۔ ذیل میں چند ترامیم کا تذکرہ کیا جارہا ہے، جن کا نفاذ تحفظِ نسواں ایکٹ 2006ء میں کیا گیا۔

مختصر عنوان اور آغاز کا نفاذ:

"1.Short title and commencement:

This Act may be called the protection of Women (Criminal Laws Amendment) Act, 2006".[72]

ترجمہ مختصر عنوان اور آغاز کا نفاذ۔ یہ ایکٹ، قانونی فوجداری ترمیمی بل (خواتین کے تحفظ) ایکٹ 2006 کے نام سے موسوم ہو گا۔

376۔ زنا بالجبر کی سزا:

376. Punishment for rape:

"(1) Whoever commits rape shall be

punished with death or imprisonment of either description for a term which shall not be less than ten years or more than twenty-five years and shall also be liable to fine".[73]

ترجمہ: 376۔ زنا بالجبر کی سزا۔ جو کوئی زنا بالجبر کا ارتکاب کرتا ہے، اسے سزائے موت یا کسی ایک قسم کی سزائے قید، جو کم سے کم پانچ سال یا زیادہ سے زیادہ پچیس سال تک ہو سکتی ہے اور جرمانے کی سزا کا بھی مستوجب ہو گا۔

اس ترمیم پر تبصرہ کرتے ہوئے مفتی منیب الرحمٰن رقمطراز ہیں:

"مذکورہ بالا سزا، قرآن و سنت کے صریح منافی ہے، کیونکہ اس میں زنا بالجبر کی سزا، سزائے موت یا پانچ سے پچیس سال کی قید بمع جرمانہ رکھی گئی ہے جبکہ قرآن و سنت میں "زنا بالجبر" اگر شرعی معیار کے مطابق ثابت ہو جائے تو اس کی سزا شادی شدہ کے لیے متعین طور پر رجم ہے۔ اور غیر شادی کے لیے سو کوڑے ہیں۔ یہ سزا، سزائے موت یا پانچ تا پچیس سال قید بمع جرمانہ رکھ کر اسے جج کی صوابدید پر چھوڑ دیا ہے یعنی اگر جج چاہے تو زنا بالجبر کے سنگین جرم کے مرتکب شخص کو صرف پانچ سال قید اور جرمانہ کی سزا دیکر بری کر دے"۔[74]

376(2) When rape is committed by two or more persons in furtherance of common intention of all, each of such persons shall be punished with death or imprisonment for life.[75]

ترجمہ: زنا بالجبر کا ارتکاب دو یا زیادہ اشخاص نے بہ تائید باہمی رضامندی سے کیا ہو تو، ان میں سے ہر ایک شخص کو سزائے موت یا عمر قید کی سزا دی جائے گی۔

حد زنا کے ثبوت کے لیے قرآن و سنت کی روشنی میں چار عینی گواہوں کی موجودگی یا ملزم کا اعتراف و اقرار ضروری ہے جبکہ اس بل میں عینی گواہی قطعاً نظر انداز کر دی گئی ہے۔

آرڈیننس نمبر7مجریہ1979ءکی دفعہ 3کاحذف:

(11) Omission of section 3, Ordinance VII of 1979:

" In the offence of Zina (Enforcement of Hudood) Ordinance 1979 (Ordinance No. VII of 1979) section 3 Shall be omitted, [76]

ترجمہ: آرڈیننس نمبر7 مجریہ 1979ء کی دفعہ 3 کاحذف۔ زناکاجرم (نفاذ حدود) آرڈیننس،1979ء (آرڈیننس نمبر7مجریہ1979ء) کی دفعہ ۳ کوحذف کردیاجائیگا۔

مذکورہ بالاترمیم میں حدود آرڈنینس کی دفعہ کوکلی طورپرحذف کردیاگیاہے۔حدود آرڈیننس کی دفعہ درج ذیل ہے:

دفعہ نمبر۳: آرڈیننس دیگر قوانین پر غالب ہو گا:

"آرڈیننس ھذاکے احکام کسی دیگرنافذالوقت قانون میں درج کسی امر کے باوصف مؤثرہونگے"۔[77]

مندرجہ بالادفعہ کے تحت حدود آرڈیننس کوان جرائم کے بارے میں دیگرہر قسم کے قانون پربالادستی دی گئی تھی لیکن اس دفعہ کوتحفظِ نسواں ایکٹ میں حذف کردیاگیا۔ اسے حذف کرنے کے بعد شرعی سزاؤں کی قانونی حیثیت عام تعزیری سزاؤں کے برابر ہوگئی۔

(12) Amendent of section 4 , Ordinance VII of 1979:

"In the offence of Zina (Enforcement of Hudood) Ordinance, 1979 (Ordinance No. VII of 1979), in section 4, the word "Validly" and the explanation at the end of that section shall be omitted". [78]

ترجمہ: آرڈیننس نمبر7 مجریہ 1979ء کی دفعہ 4 کی ترمیم زناء کا جرم (نفاذ حدود) آرڈیننس 1979ء (آرڈیننس نمبر7 مجریہ 1979 ءمیں دفعہ 7 میں لفظ " جائز طور پر" اور مذکورہ دفعہ کے آخر میں تشریح کو حذف کر دیا جائیگا۔

حدود آرڈیننس کی مذکورہ دفعہ 4 جس میں ترمیم کی گئی اور جس سے لفظ جائز کو ختم کر دیا گیا وہ یہ ہے:

دفعہ نمبر4:زنا

''ایک مرد اور ایک عورت زنا کے مرتکب کہلائیں گے اگر وہ باہمی جائز شادی کے بغیر بالارادہ مباشرت کریں گے"۔[79]

اس کے متعلق تبصرہ کرتے ہوئے مفتی منیب الرحمٰن رقمطراز ہیں:

"مذکورہ بالا دفعہ میں لفظ شادی کے ساتھ لفظِ جائز ہے اور اس مقام پر جائز شادی سے مراد وہ نکاح ہے جو شرعی تقاضوں کے مطابق ہو۔ جب اس سے لفظِ جائز کو ختم کر دیا جائے گا، تو مطلق دعوائے نکاح ہی سزا سے بچنے کے لیے کافی ہو گا۔ چاہے وہ دعوائے نکاح شریعت کے معیار کے مطابق جائز ثابت نہ ہو، زبانی دعویٰ یا جعلی کاغذی کاروائی کی بنا پر بھی مجرم چھوٹ جائے گا"۔[80]

آرڈیننس نمبر7 مجریہ 1979ء کی دفعات 6 اور 7 کا حذف کرنا:

13.Omission of section. 6 and 7, Ordinance VII of 1979:

"In the offence of Zina (Enforcement of Hudood) Ordinance, 1979 (Ordinance No.VII of 1979), sections 6 and 7 shall be omitted". [81]

ترجمہ: آرڈیننس نمبر7 مجریہ 1979ء کی دفعات 6 اور7 کا حذف کرنا۔ زنا کا جرم (حدود کا نفاذ) آرڈیننس 1979(آرڈیننس نمبر7 مجریہ 1979ء) کی دفعات 6 اور 7 کو حذف کر دیا جائے گا۔

مندرجہ بالا ترمیم کے مطابق حدود آرڈیننس کی دفعہ 6 اور 7 کو مکمل طور پر منسوخ کر دیا گیا ہے۔ دفعہ نمبر 6 میں زنا بالجبر کے لیے شرعی سزائیں مقرر کی گئی تھیں جن کا حذف کرنا قرآن و سنت کی خلاف ورزی ہے دفعہ نمبر 6 کے مطابق درج ذیل سزائیں نافذ کی گئیں تھیں:

"جو کوئی زنا مستوجب حد کا ارتکاب کرے گا، آرڈیننس ہذا کے احکام کے تابع:

(الف) اگر وہ مرد / عورت محصن ہے تو کسی جائے عام پر، سنگسار کر کے ہلاک کر دیا جائے گا۔

(ب) اگر وہ مرد / عورت محصن نہیں ہے تو کسی جائے عام پر، کوڑوں کی سزا، جس کی تعداد سو کوڑے ہو گی، دی جائے گی"۔[82]

375: زنا بالجبر:

375 Rape:

"A man is said commit rape who has sexual intercourse with a women under circumstances falling under any the five following description:

Against her will.

Without her consent.

with her consent, when the consent has been obtained by putting her in fear of death of hurt.

With her consent, when the man knows that he is not married to her and that the consent is given because she believes that given the man is another person to whom she is or believes herself to be married; or

With or without her consent when she is under sixteen years of age.[83]

ترجمہ:375: زنا بالجبر۔ کسی مرد کو زنا بالجبر کا مرتکب کہا جائے گا جو ماسوائے ان مقدمات کے جو بعد ازاں مستثنیٰ ہوں۔ کسی عورت کے ساتھ مندرجہ ذیل پانچ حالات میں سے کسی میں جماع کرے۔

اس کی مرضی کے خلاف۔

اس کی رضامندی کے بغیر۔

اس کی رضامندی سے، جبکہ رضامندی اس کو ہلاک یا ضرر کا خوف دلا کر حاصل کی گئی ہو۔

اس کی مرضی سے جبکہ مرد جانتا ہو کہ وہ اس کے نکاح میں نہیں ہے اور یہ کہ رضامندی کا اظہار اس وجہ سے کیا گیا ہے کیونکہ وہ یہ باور کرتی ہے کہ مرد وہ دوسرا شخص ہے جس کے ساتھ اس کا نکاح ہونا وہ باور کرتا ہے یا کرتی ہے، یا

اس کی رضامندی سے یا اس کے بغیر جبکہ وہ سولہ سال سے کم عمر کی ہو۔

اس ترمیم پر تبصرہ کرتے ہوئے شیخ عبد المالک لکھتے ہیں:

''بل میں ۱۶ سال سے کم عمر میں بالغ بچی اگر اپنی مرضی سے زنا کرے تو اسکے لیے زنا کوئی قانونی جرم نہیں ہے۔ ایسی صورت میں اس کے لیے وہی حکم ہے جو مجبورہ کے لیے ہے کہ وہ چھوڑ دی جائے گی اور اسے کوئی سزا نہیں دی جائے گی۔ آج کل عام طور پر بچیاں دس بارہ سال میں بالغ ہو جاتی ہیں۔ چنانچہ ۱۲ سال سے لے کر ۱۶ سال کی عمر میں پانچ سال تک ایک خاتون کو زنا کی کھلی چھوٹ دے دی گئی ہے جبکہ اس کی اجازت دینا واضح طور پر قرآن پاک کی رو سے حرام اور دین میں ترمیم ہے''۔[84]

مفتی محمد تقی عثمانی کی رائے:

تحفظِ نسواں ایکٹ کے حوالے سے مفتی محمد تقی عثمانی اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

پہلی بات تو یہ ہے کہ زنا بالجبر کی جو سزا قرآن و سنت نے مقرر فرمائی ہے اور جسے اصطلاح میں ''حد'' کہتے ہیں اسے اس بل میں مکمل طور پر ختم کر دیا گیا ہے، اس کی رو سے زنا بالجبر کے کسی مجرم کو کسی بھی حالت میں وہ شرعی سزا نہیں دی جا سکتی بلکہ اسے ہر حالت میں تعزیری سزا دی جائے گی۔

2۔دوسری بات یہ کہ حدودآرڈیننس میں جس جرم کو زنا موجب تعزیر کیا گیا تھا اسے اب فحاشی (Lewdness)کانام دے کر اس کی سزاکم کر دی گئی ہے اور اس کے ثبوت کو مشکل تر بنادیا گیا ہے۔[85]

تحقیق کار کی رائے:

تحفظ نسواں ایکٹ کی منظوری سے ان تمام طبقات نے خوشی کا اظہار کیا جو پاکستان کو مادر پدر آزاد معاشرے میں تبدیل کرنا چاہتے تھے۔ان طبقات کی قیادت جنرل پرویز مشرف نے کی۔اس بل میں شامل غیر اسلامی دفعات کو تنقید کا نشانہ بنایا گیا، دینی قوتوں نے صدائے احتجاج بلند کی لیکن یہ بل 15 نومبر کو منظور کرالیا گیا، علماء کرام اور سیاسی پارٹیوں کے مابین مکالمات و مذاکرات کا سلسلہ بدستور چلتا رہا تمام علماء کرام نے پوری یکجہتی سے ایک مسودہ تیار کیا جس پر تمام دینی حلقے متحد تھے لیکن اس مسودے کو منظوری دینے کے بجائے پسِ پشت ڈال دیا گیا۔

سال 2014 اور 2015 میں پاکستان میں نسوانی حقوق کی صورتحال:

کسی بھی ملک میں ہونے والے جرائم کا اندازہ اس کی سالانہ رپورٹ کی شرحِ جرائم سے لگایا جاسکتا ہے۔اسی طرح جب وطنِ عزیز میں عورتوں پر ہونے والے مظالم جیسے جنسی زیادتی کے واقعات، تیزاب پھینکنے کے واقعات یا غیرت کے نام پر قتل ہونے والے واقعات کا جب سالانہ تناسب دیکھا جاتا ہے تو نہایت افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ملکِ پاکستان کی صورتحال اس حوالے سے کافی تشویشناک ہے۔

HRCP نے پاکستان میں انسانی حقوق کی صورتحال 2014ء کے نام سے سالانہ رپورٹ شائع کی جس میں خواتین پر ظلم کے حوالے سے لکھا گیا ہے:

پاکستان میں خواتین پر تشدد نفسیاتی اور جسمانی سمیت کئی شکلوں میں موجود ہیں اور بعض صورتوں میں متاثرہ فرد یہ بھی نہیں جانتا کہ اس کے اپنے ساتھ روا رکھے جانے والا سلوک تشدد کے زمرے میں آتا ہے۔ایک غیر سرکاری تنظیم عورت فاؤنڈیشن کے مطابق 2014ء میں روزانہ چھ عورتیں اغوا، چار ریپ اور چھ قتل کی گئیں اور تین خواتین نے خودکشی کی۔

ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان کی جانب سے خواتین کے خلاف جرائم کے اخباری جائزے کے مطابق 2014ء میں 597 خواتین کو جنسی زیادتی اور 823 کو اجتماعی جنسی زیادتی کا نشانہ بنایا گیا۔ایچ آر سی پی کے مطابق 36 خواتین کو برہنہ گھمایا گیا۔

محکمہ داخلہ کے اعداد و شمار کے مطابق ملک میں 18700 افراد جن میں اکثریت خواتین کی تھی اغوا کی گئیں۔ محکمہ داخلہ کے اعداد و شمار کے مطابق ملک بھر میں اجتماعی جنسی زیادتی کے 326 واقعات رپورٹ کئے گئے جن میں سے 263 پنجاب، 35 سندھ، 11 خیبر پختون خواہ اور 17 اسلام آباد میں پیش آئے۔ 3243 کے لگ بھگ جنسی زیادتی کے واقعات بھی رپورٹ کئے گئے جن سے 2734 پنجاب، 191 سندھ، 135 کے پی، 19 بلوچستان، 162 اسلام آباد اور 4 گلگت بلتستان میں رونما ہوئے۔[86]

سال 2015ء میں بھی HRCP کی رپورٹ کے مطابق:

"یو این ویمن پاکستان نے دنیا کی خواتین کی ترقی 2016-2015 معیشیتوں کی تبدیلی، حقوق کی آگاہی کے عنوان سے 29 جولائی کو ایک رپورٹ شائع کی۔ اس رپورٹ میں قوانین اور پالیسیوں میں پائی جانے والی ان خامیوں کو اجاگر کیا گیا جو خواتین کے حقوق محدود کرتی ہیں، اس رپورٹ میں 2015ء کے دور کے ترقیاتی ایجنڈے میں خواتین کے حقوق اور ضروریات کے فروغ اور پائیدار ترقی میں صنفی مساوات کے انضمام کا مطالبہ کیا گیا۔ اس رپورٹ میں 30 سال کے عرصے (2005ء-1975ء) کے دوران عائلی خواتین کی برابری کے حوالے سے 71 ممالک کے مابین موازنہ کیا گیا۔ پاکستان ان 38 ممالک میں شامل تھا جہاں 2005ء تک قوانین کو ضرورت کے لحاظ سے مساویانہ بنانے سے متعلق خاطر خواہ تبدیلی نہیں آئی تھی اور اس نے ایسے قوانین کو برقرار رکھا ہوا ہے شادیوں کے معاملے میں مردوں کی حمایت کرتے ہیں، جائیداد پر مردوں کو زیادہ حقوق دیتے ہیں اور خواتین کے طلاق کے راستوں کو محدود کرتے ہیں۔ رپورٹ کے مطابق ملک کی دیہی خواتین دن میں 4.9 گھنٹے نگہداشت اور گھریلو کام کرتی ہیں جبکہ دیہی علاقوں کے مردوں کے حوالے سے یہ دورانیہ 0.5 گھنٹے ہے"۔[87]

اگرچہ آئینِ پاکستان میں جنسی مساوات کے لحاظ سے شقیں موجود ہیں لیکن احکام نافذ العمل نہ ہونے کے باوجود 2014ء کے دوران خواتین پر تشدد اور ان کے ساتھ ہونے والی ناانصافیوں میں کمی دیکھنے میں نہیں آئی مثلاً اسی سال ایک حاملہ خاتون کو محض پسند کی شادی کرنے پر اس کے خاندان والوں نے لاہور ہائی کورٹ کے سامنے اینٹیں مار مار کر قتل کر دیا۔ اور مختلف واقعات میں بازاروں میں طاقت کے زور پر تیزاب پھینکنا یا مٹی کا تیل چھڑک کر آگ لگانے جیسے واقعات شامل ہیں۔

پھر اس کے علاوہ جبری زیادتی، اغوا اور قتل جیسے واقعات کے اعداد و شمار بھی پاکستان کی اسلامی مملکت پر ایک سوالیہ نشان ہیں۔ سال 2015ء بھی اس حوالے سے امید افزا سال نہ رہا۔ کیونکہ اس میں خواتین کو ان کے معاشی و معاشرتی حقوق فراہم کرنے کے لیے بہت کم اقدامات کئے گئے اگرچہ یہ سال کی مثبت تبدیلیوں کو بھی ساتھ

لایا جن میں خواتین نے کئی شعبہ جات میں نمائندگی حاصل کی جیسے کہ فائر فائٹر، ٹرک اور رکشہ ڈرائیور، صوبائی اسمبلی اسپیکر اور سفارت جیسے شعبہ جات میں پہلی مرتبہ خواتین منظرِ عام پر آئیں۔ لیکن اس کے باوجود معاشرتی ترقی اور انصاف کی راہ میں کئی رکاوٹیں قائم رہیں جس سے تشدد جیسے واقعات میں اضافہ ہوا۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ آئین کے نفاذ کو یقینی بنایا جائے اور اسلامی سزاؤں پر عمل درآمد کیا جائے تاکہ معاشرے کو "ترقی نسواں" کے لیے سازگار کیا جاسکے اور اس آزاد فضا کو قائم کیا جاسکے جہاں خواتین اپنے حقوق کے ساتھ سکھ اور چین کا سانس لے سکیں۔

پاکستان میں "خواتین کے عالمی یوم" پر سال 2019ء میں ہونے والا مارچ:

پاکستان میں سال گزشتہ 2019ء میں "عالمی یوم خواتین" کے موقعے پر آزاد خیال اور لبرل طبقے کی خواتین کی جانب سے "عورت مارچ" کیا گیا۔ جس میں وہ خواتین پلے کارڈز اٹھائے جن شرمناک حقوق کا مطالبہ کررہی تھیں وہ احاطہ تحریر میں لانا ممکن نہیں۔ اس حوالے سے سوشل میڈیا پر صارفین کی جانب سے ان خواتین کو کافی تنقید کا نشانہ بھی بنایا گیا۔ ہم یہاں پر اس مارچ کے اسباب، مطالبات و نتائج پر بات کریں گے۔

اس بات کی صداقت میں تو کوئی شک نہیں کہ یہ مارچ مغرب کے حقوقِ نسواں کی آڑ میں آزادیٔ نسواں حاصل کرنے کے سلسلے کی ایک کڑی تھی جس نے پوری دنیا میں پاکستان کو ایک سیکولر ریاست کے طور پر متعارف کروایا۔ اگر بات کی جائے اس کے اسباب کی تو یہ پاکستان کے دیہاتی علاقوں میں عورتوں پر ہونے والے مظالم کے خلاف ایک احتجاج تھا۔ جس کا مقصد عورتوں کو شوہروں کے ظلم و تشدد سے نجات دلانا اور ان کے حقوق کا تحفظ یقینی بنانا تھا۔ لیکن جب ان کے اندازِ احتجاج کو دیکھا جاتا ہے جس طرح سے وہ حیا باختہ پوسٹرز (جن پر تصاویر کی مدد سے آزادیٔ نسواں کے حقوق کا مطالبہ کیا جارہا تھا) لیے کھڑی تھیں، وہ قابل مذمت ہے۔

وہ خواتین تو اپنی دانست میں دیہاتی خواتین کو بنیادی حقوق دلانا چاہتی تھیں ان کا مطالبہ تو یہ تھا کہ آج کے بعد سے کوئی عورت کھانا گرم نہ دینے کے سبب شوہر سے مارپٹائی کا نشانہ نہ بنے۔ ان کی خواہش تو یہ تھی کہ کوئی عورت محض اس بناء پر اپنی جوانی کے سنہرے ایام اپنے گھر میں نہ گنوادے کہ اس کی جائیداد غیروں میں چلی جائے گی۔ لیکن وہ اس بات سے ناواقف تھیں کہ جن حقوق کے حصول کے لیے وہ نامناسب اقدامات اٹھارہی ہیں، وہ حقوق دینِ اسلام چودہ سو سال پہلے عطا کرچکا ہے۔ اگر انہیں اس بات کا ادراک ہوتا تو وہ بجائے حقوق کے مطالبات پیش کرنے کے اسلامی حقوق کے نفاذ پر زور دیتیں۔ کیونکہ اسلام تو عورتوں کے حقوق میں پیغامِ رحمت ہے، یہ وہ دین ہے

جس نے زرتشتیوں کی نجس عورت کو عفت و پاکدامنی کا پیرہن عطا کیا، جس نے بدھ مت کی دھتکاری ہوئی عورت سے شادی کو دین کی اکملیت کا معیار ٹھہرایا۔

بہت مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان خواتین کو دعوتِ فکر دی جائے کہ وہ اسلام کا مطالعہ کریں تاکہ ان کو معلوم ہو سکے کہ اس زحمت کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ محض اسلامی احکام کے نفاذ پر ہی اگر زور دیا جائے تو عورت آج بھی اس حیثیت کے ساتھ زندگی گزار سکتی ہے جو اسلام نے چودہ سو سال پہلے اس کے لیے مقرر کی تھی۔

خلاصہ کلام:

تحریکِ حقوقِ نسواں 1992ء میں میری وولسٹن کرافٹ کی تحریر کے ذریعے ہوا۔ ان تحاریک کا آغاز امریکہ کی فضاؤں سے ہوتا ہوا پورے یورپ اور پھر دیگر ممالک میں بھی بامِ عروج پر جا پہنچا اور خواتین یکے بعد دیگرے حقوق حاصل کرتی چلی گئیں اور گھریلو امور کے اختیارات سے ہٹ کر مالی و سیاسی حقوق حاصل کرنا شروع کر دیئے حتیٰ کہ 1920ء میں ووٹ کا حق بھی حاصل کر لیا۔

ان تحاریک میں مختلف تنظیموں نے بھی بہت اہم کردار ادا کیا۔ کیونکہ ان تنظیموں کے قیام کا مقصد ہی یہی تھا کہ یہ عورتوں کو ان کے حقوق دلا سکیں اور مرد و عورت کے درمیان مساوات کو قائم کیا جا سکے۔ آہستہ آہستہ ان تحاریک کو فروغ دینے کے لیے عالمی سطح پر کانفرنسز کا انعقاد کیا جانے لگا اور 1975ء سے لے کر 2000ء تک پانچ سے چھ کانفرنسز کے انعقاد کے سبب خواتین وہ تمام حقوق حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئیں جو ان کی آزادی کی راہ میں رکاوٹ تھے۔ یہاں تک کہ اسقاطِ حمل، طلاق جیسے نازک معاملات میں خود مختار ہو گئیں۔

ان تحاریک کا اثر اسلامی ممالک کے ساتھ ساتھ مملکتِ اسلامی جمہوریہ پاکستان پر بھی ہوا۔ جہاں آئینِ پاکستان میں اسلامی احکام کے مطابق عورتوں کو حقِ تعلیم، حقِ وراثت وغیرہ جیسے حقوق دیئے گئے وہیں دوسری شادی کے لیے پہلی بیوی سے اجازت، قومی و صوبائی اسمبلی میں خواتین کی نمائندگی، حقِ رائے دہی (ووٹ) کا حق، شادی کے بندھن سے آزادی بشمول خلع کا حق اور ملازمت کے مواقع وغیرہ بھی دیئے گئے۔

ان حقوق کی آڑ میں جس طرح کی آزادی خواتین کو دی گئی اس کے اثرات آج ہم بخوبی دیکھ سکتے ہیں۔ ان تمام تحاریک و کانفرنسز کے انعقاد کا نتیجہ ملکِ پاکستان میں حقوقِ نسواں کے لیے ہونے والا 2019 کا وہ آزادی مارچ ہے، جسے عورت مارچ کا نام دیا گیا۔ اس مارچ میں شریک آزاد خیال و لبرل طبقے کی خواتین نے حجاب، شادی اس سے متعلقہ تمامتر ذمہ داریوں سے آزادی کا مطالبہ کیا۔ جو در حقیقت عصمتِ نسواں پر ایک بدنما داغ ہے۔ جبکہ دینِ

اسلام عورت کو ایک خاص دائرہ میں رہتے ہوئے آزادی دیتا ہے لیکن لباس اور حیا سے آزادی اسلامی تعلیمات کے منافی ہے۔ جس کی بھرپور مذمت کی جانی چاہیئے۔

حوالہ جات

[1]۔ اصلاحی، امین احسن، پاکستانی عورت دوراہے پر، مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور، طبع دوم، 1978ء، ص4۔

[2]۔ صدیقی، محمد عطاء اللہ، تحریک نازن ایک ناقدانہ جائزہ، محدث، نومبر 2004ء، شمارہ نمبر 11، ج36، ص109۔

[3]۔ علامہ، محمد اقبال، کلید کلیات اقبال، ضرب کلیم، مرتب احمد رضا، ادارہ اہل قلم، لاہور، طبع اول، 2005ء، ص208۔

[4]۔ تحریک نازن ایک ناقدانہ جائزہ، ص111۔

[5]۔ کیانی، محمد سلیم، اسلام اور جدید ذہن کے شبہات (ترجمہ شہادت حول الاسلام)، البدر پبلیکیشنز، لاہور، مارچ 1981ء، ص169۔

[6]۔ علوی، ثریا بتول، جدید تحریک نسواں اور اسلام، منشورات، لاہور، اشاعت اول، 1998ء، ص23۔

[7]۔ David Bouchier, The Feminist Challenge, Macmillan Press, London, 1983AD,P:197 .

[8]۔ The Feminist Challenge,P:2.

[9]۔ خالد سہیل، مغربی عورتوں کی جدوجہد کی چند جھلکیاں (مغربی عورت اورادب زندگی)، رین پریس، لاہور، 1988ء، ص101 ۔

[10] https://www.history.com/.amp/topics/womens-rights/seneca-falls-convention (Retrieved on 15-06-2019, 11:16 a.m.)

[11]۔ The Feminist Challenge,P:12

[12] http://www.britannica.com/topic/National-Woman-Suffrage-Association (Retrieved on 15-06-2019, 12:06 p.m.)

[13]https://www.britannica.com/topic/American-Woman-Suffrage-Association (Retrieved on 15-06-2019, 1:26 p.m.)

[14]۔ https://en.wikipedia.org/wiki/The_Woman%27s_Bible

(Retrieved on 15-06-2019, 2:15 p.m.)

[15] https://faculty.arts.ubc.ca/mchapman/by_students/mckinney/CU.htm (Retrieved on 15-06-2019, 2:40 p.m.)

[16]-https://en.wikipedia.org/wiki/Presidential_Commission_on_the_Status_of_Women (Retrieved on 15-06-2019, 3:15 p.m.)

[17]۔ تحریک نسواں اور اسلام، ص25۔

[18]-https://en.wikipedia.org/wiki/The_Feminine_Mystique (Retrieved on 15-06-2019, 3:36 p.m.)

[19]-https://www.un.org/womenwatch/daw/cedaw/rules/part3/ (Retrieved on 15-06-2019, 3:54 p.m.)

[20]۔ تحریک نسواں اور اسلام، ص25۔

[21]۔ امِ حبیبہ، جدید تصورِ آزادئ نسواں اور اسلام، ماہنامہ دخترانِ اسلام، لاہور، جنوری 2018ء، شمارہ نمبر 1، ج25، ص15۔

[22]۔ تحریک نسواں اور اسلام، ص26۔

[23]۔ ایضاً، ص27۔

[24]۔ ام قاسم، بیجنگ میں خواتین کی عالمی کانفرنس، محدث، اکتوبر 1995ء، ج27، شمارہ نمبر 206۔ http://magazine.mohaddis.com/shumara/248-oct-1995/2733-bejing-khawateen-aalmi-counfrence (Retrieved on 15-06-2019, 4:19 p.m.)

[25]۔ سرپرہ، عبدالودود، جدید تحریکِ نسواں اور اسلام ایک تحقیقی مطالعہ، معارف مجلہ تحقیق، جولائی دسمبر 2017ء، ص153۔

[26]-http://www.arabnews.com/node/264775 (Retrieved on 15-06-2019, 5:03 p.m.).

[27]-https://en.m.wikipedia.org/wiki/Asra_Nomani (Retrieved on 15-06-2019, 5:14 p.m.)

[28]-Asra Q Nomani, Standing Alone in Mecca, An American women's Struggle for the soul of Islam, Harper San Francisco, A division of Harper, colins Publishers, 2005AD, P:295.

[29]-Asra Nomani,Islamic Bill of Rights for Women in the Mosque, 2004AD. https://en.m.wikipedia.org/wiki/Islamic_Bill_of_Rights_for_Women_in_the_Mosque (Retrieved on 15-06-2019, 5:34 p.m.).

[30]۔ مودودی، ابوالاعلیٰ، سید، پردہ، اسلامک پبلی کیشنز، لاہور، اپریل 2005ء، ص 25۔

[31]۔ محمد رفیق، چودھری، اسلام اور نظریہ مساوات مردوزن، ادارہ معارفِ اسلامی، لاہور، 1990ء، ص 122۔

[32]۔ تحریک نسواں اور اسلام، ص 43۔

[33]۔ لیلےٰ احمد، عورت، جنسی تفریق اور اسلام، مترجم خلیل احمد، مشعل بکس، لاہور، 1995ء، ص 167۔

[34]۔ تحریک نسواں اور اسلام، ص 43۔

[35]۔ عورت جنسی تفریق اور اسلام، ص 186۔

[36]۔ ندوی، ابوالحسن، سید، مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کش مکش، مجلس نشریات اسلام، کراچی، طبع سوم، 1981ء، ص 178۔

[37]۔ مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کش مکش، ص 202۔

[38]۔ آزاد بن حیدر، تحریک پاکستان کی نامور خواتین، سرسید اردو بازار، کراچی، ص 3۔

[39]۔ جلال زئی، موسیٰ خان، مادر ملت فاطمہ جناح حالات وخدمات، حق پبلی کیشنز، لاہور، سن ندارد، ص 34۔

[40]۔ ایضاً، ص 27۔

[41]۔ تحریک پاکستان کی نامور خواتین، ص 17۔

[42]۔ نورالصباح، بیگم، تحریک پاکستان اور خواتین، شیخ غلام علی اینڈ سنز لمیٹڈ، لاہور، سن ندارد، ص 287۔

[43]۔ تحریک پاکستان کی نامور خواتین، ص 50۔

[44]۔ عزیز جاوید، پاکستان کی نامور خواتین، دیپا پبلیکشنز، پشاور، 1968ء، ص 165۔

[45]۔https://www.nishanemanzil.com/%D9%BE%D8%A7%DA%A9%D8%B3%D8%AA%D8%A7%D9%86%DB%8C-%D8%AE%D9%88%D8%A7%D8%AA%DB%8C%D9%86-%DA%A9%D8%A7-%D8%B3%D8%AA%D8%B1-%D8%B3%D8%A7%D9%84%DB%81-%D8%B3%D9%81%D8%B1/ (Retrieved on 16-06-2019, 9:34 a.m.).

[46]۔ جعفری، عقیل عباس، پاکستان کرونیکل، ورثہ فضلی سنز، کراچی، اشاعت اول، 2010ء، ص34۔

[47]۔ تحریک پاکستان اور خواتین، ص80۔

[48]۔ مہناز رفیع، برصغیر کی خواتین تحریکیں، روزنامہ نوائے وقت، 28اگست 2009ء، https://www.google.com/amp/s/www.nawaiwaqt.com.pk/28-aug-2009/111753%3Fversion=amp (Retrieved on 16-06-2019, 11:16 a.m.).

[49]۔ ایضا۔

[50]۔ صفدر محمود، ڈاکٹر، آئین پاکستان، جنگ پبلشرز، لاہور، بار سوم، 1993ء، ص23۔

[51]۔ ڈنشا فرنجی، ملا، محمڈن لاء یعنی شرع محمّدی، مترجم انعام الحق میاں، منصور بک ہاؤس، لاہور، باراول، سن ندارد، ص449۔

[52]۔ ایضاً، ص51۔

[53]۔ ایضاً، ص454۔

[54]۔ ایضا، ص458۔

[55]۔ ایضا، ص460۔

[56]۔ ایضا، ص463۔

[57]۔ رشیدہ محمد حسین پٹیل، عورت بنام مرد، پاکستان وومن لائرز ایسوسی ایشن، کراچی، 2004ء، ص14۔

[58]۔ اسلامی جمہوریہ پاکستان کا دستور، قومی اسمبلی پاکستان، ۳۱ جولائی 2004ء، اشاعت سوم، ص17۔

[59]۔ فریدہ شہید، ادھوری شہریت، پاکستان میں عورت، ریاست اور سیاسی عمل، مترجم شفقت تنویر مرزا، شرکت گاہ ویمنز ریسورس سنٹر، لاہور، 2003ء، نمبر 76/24، 24 اکتوبر 1976ء، ص205۔

[60]۔ محمڈن لاء، ص546۔

[61]۔ مظہر علی شاہ، ڈاکٹر، اسلامی حدود و تعزیرات بمعہ نفاذ حدود آرڈیننس 1979ء، ہیومن رائیٹس ریسرچ اینڈ پبلی کیشن فاؤنڈیشن، کراچی، جنوری 2003ء، ص220۔

[62]۔ ایضاً۔

[63]۔ ایضا، ص222۔

[64]۔ ایضا۔

[65]۔ ایضا۔

[66]۔ ایضا، ص223۔

[67]۔Charles H Kennedy, Islamization of Laws and Economy, Institute of Policy Studies, Islamabad,1996AD,P:63.

[68]۔https://www.nishanemanzil.com/%D9%BE%D8%A7%DA%A9%D8%B3%D8%AA%D8%A7%D9%86%DB%8C%D8%AE%D9%88%D8%A7%D8%AA%DB%8C%D9%86%DA%A9%D8%A7%D8%B3%D8%AA%D8%B1%D8%B3%D8%A7%D9%84%D-B%81%D8%B3%D9%81%D8%B1/ (Retrieved on 16-06-2019, 02:16 p.m.).

[69]۔https://www.fwbl.com.pk/about_us/ (Retrieved on 16-06-2019, 02:58 p.m.).

[70]۔ محمد اعظم چوہدری، ڈاکٹر، پاکستان کا آئین، فرید پبلشرز، کراچی، جنوری 2015ء، ص131۔

[71]۔https://www.nishanemanzil.com/%D9%BE%D8%A7%DA%A9%D8%B3%D8%AA%D8%A7%D9%86%DB%8C%D8%AE%D9%88%D8%A7%D8%AA%DB%8C%D9%86%DA%A9%D8%A7%D8%B3%D8%AA%D8%B1%D8%B3%D8%A7%D9%84%DB%81-%D8%B3%D9%81%D8%B1/ (Retrieved on 16-06-2019, 03:16 P.m.).

[72]۔The Gazette of Pakistan, Acts , ordinances, Presidents, Orders and Regulations Senate Secretarial, Islamabad, December 2,2006,Part 1, P:848.

[73]-See Above.

[74]- منیب الرحمٰن، مفتی، تحفظ خواتین بل، مرکزی جماعت اہلسنت پاکستان، کراچی، سن ندارد، ص3۔

[75]-The Gazette of Pakistan,P:848.

[76]-See Above,P:855.

[77]- اسلامی حدود و تعزیرات بمعہ نفاذ حدود آرڈیننس 1979ء، ص219۔

[78]-The Gazette of Pakistan,P:855.

[79]-(اسلامی حدود و تعزیرات بمعہ نفاذ حدود آرڈیننس 1979ء، ص219)

[80]- تحفظ خواتین بل، ص8۔

[81]-The Gazette of Pakistan, Part: 2, P:855.

[82]- اسلامی حدود و تعزیرات بمعہ نفاذ حدود آرڈیننس 1979ء، ص220۔

[83]-The Gazette of Pakistan, Page:848.

[84]- محمد تقی عثمانی، مولانا عبد المالک، سید نصیب علی شاہ، اسد اللہ بھٹو، تحفظ حقوق نسواں بل یا دین میں ترمیم کا بل، ادارہ معارف اسلامی منصورہ، لاہور، نومبر 2006ء، ص:25۔

[85]- ایضا، ص7۔

[86]- پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق، یوبی پرنٹرز، مٹن روڈ، لاہور، اپریل 2015، ص263۔

[87]- ایضا، ص178۔

اختتامیہ

اس موضوع پر تحقیق کا بنیادی مقصد بدھ مت، زرتشت مذہب اور دین اسلام میں خواتین سے متعلق بیان کردہ تعلیمات کا تقابلی جائزہ لینا ہے۔ متذکرہ بالا تینوں مذاہب نے حقوقِ نسواں کے تعلق سے اپنے پیروکاروں کو جو تعلیمات دی ہیں ان کے تمام مندرجات پر مفصل تحقیق سے یہ بات پایہ ثبوت تک پہنچتی ہے کہ دین اسلام نے عورت کو (بحیثیت بیٹی، ماں، بہن، بیوی، بیوہ اور مطلقہ) جن اخلاقی و معاشرتی، عائلی و معاشی اور سیاسی و قانونی غرضیکہ تمام شعبہ ہائے زندگی میں حقوقِ نسواں کا ایسا منشور عطا فرمایا جس کی مثال دوسرے مذاہب میں نہیں ملتی۔ دین اسلام نے عورت کو ہر حیثیت میں حقوق عطا فرما کر اس کے مرتبے کو بلند کر دیا گویا کہ عورت کو کسی تنظیم یا ادارے کے آگے دستِ سوال دراز کرنے کی حاجت نہیں رہی۔ اس کے برعکس بدھ مت اور زرتشت مذہب کے بانیان نے اگر کہیں کسی حیثیت میں عورت کو عظمت کی سربلندیاں عطا کی ہیں تو دوسری حیثیت میں ذلت کی پستیوں میں بھی دھکیلا ہے۔

مثلاً ہم دیکھتے ہیں کہ بدھ مت جو کہ ہندومت کی اصلاح شدہ صورت کہلاتی ہے اس کے مذہبی احکامات میں فلسفے پر زیادہ زور دیا گیا ہے اور معاشرتی معاملات خصوصاً عورتوں سے متعلق مفصل احکامات نہیں ملتے۔ مثلاً خلع، وراثت، مرد و عورت کے مابین مساوات سے متعلق بدھ مت کی اساسی کتب میں گوتم بدھ کے واضح نظریات نہیں ملتے۔ لیکن عورتوں سے متعلق متذبذب طرح کی آراء ہمارے سامنے آتی ہیں۔ وہ یہ کہ جہاں عورت کی فضیلت سے متعلق گفتگو کی گئی وہیں عورتوں کی مذمت میں بھی چند نظریات ہمارے سامنے آئے، جہاں ماں باپ کے ساتھ حسنِ سلوک، بیوی کے ساتھ اچھا برتاؤ اور بیٹی کی پیدائش پر مایوس ہونے سے منع کیا گیا وہیں مردوں کو عورتوں سے ہوشیار رہنے کی نہ صرف سختی سے تلقین کی گئی بلکہ بیٹی کی پیدائش کو برے اعمال کا نتیجہ بھی قرار دیا گیا۔

اسی طرح زرتشت مذہب میں جہاں عورت کو مذہبی، دنیاوی اور سیاسی معاملات میں قدرے آزادی دی گئی وہیں ایامِ مخصوصہ میں عورت سے انتہادرجے کی نفرت کا اظہار کر کے گویا یہ سارے اختیارات چھین لئے گئے۔ ایسا مذہب جو عورت کو انتخابِ شوہر کا حق، حقِ وراثت اور حقِ بادشاہت و حکمرانی تک عطا کرتا ہو اس مذہب میں عورت کی طبعی عادت پر حد درجہ اظہارِ نفرت ایک سوالیہ نشان ہے۔

اگر عورت کی چار حیثیتوں (ماں، بہن، بیوی اور بیٹی) کے اعتبار سے بدھ مت، زرتشت مذہب اور دین اسلام کی تعلیمات کا جائزہ لیا جائے تو یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہوتی ہے کہ دینِ اسلام کے علاوہ دیگر دونوں

مذاہب میں "عورت بحیثیت بیٹی" اس مقام کی حامل نہیں جو مقام اس کو دینِ اسلام عطا کرتا ہے۔ کیونکہ بدھ مت میں "کرم کا نظریہ" اس مقام و مرتبہ کی راہ میں حائل ہے تو زرتشت مذہب میں "بیٹے کی پیدائش" کو افضلیت کا درجہ دیکر دینِ اسلام کے نظریہ رحمت کی نفی کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ بدھ مت میں عورتوں سے چوکنا و ہوشیار رہنے کی نصیحت کر کے گویا ماں اور بیوی کے حقوق ہی غصب کر لئے گئے ہیں جبکہ زرتشت مذہب میں ماں کو کسی حد تک بلند مقام تو دے دیا گیا لیکن اس حوالے سے واضح اور معین احکامات جاری نہیں کئے گئے۔ جبکہ دین اسلام والدین خصوصاً ماں کو وہ مقام عطا فرماتا ہے کہ اس کے قدموں تلے جنت رکھ دی گئی اور تمام انسانوں کے لیے سرچشمہ ہدایت یعنی قرآن مجید میں خدائے واحد کی اطاعت و بندگی اور شرک سے باز رہنے کے احکامات کے ساتھ ساتھ والدین کے ساتھ صلہ رحمی اور انہیں "اُف" تک نہ کہنے کا حکم دے کر اس کے رتبے کو بلند کر دیا گیا۔ اگرچہ زرتشت مذہب میں بیوی کو کامل اختیارات دیئے گئے ہیں لیکن جو درجہ دین اسلام نے زوجین کو "ایک دوسرے کا لباس" قرار دیکر عطا کیا ہے اس درجہ کمال تک دیگر مذاہب کی رسائی نہیں۔ بلکہ دین اسلام تو خلع، طلاق یا بیوہ ہو جانے کے بعد بھی عورت کے حقوق کو فراموش نہیں کرتا۔

مقالہ ہذا میں پیش کردہ ان تمام دلائل مفصلہ کی روشنی میں یہ بات پورے وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ صرف دین اسلام ہی وہ دینِ رحمت ہے جس کے دامن میں عورت کو پناہ مل سکتی ہے، جس میں عورت کی ہر حیثیت قابلِ ستائش ہے، ہر روپ کو عزت بخشی گئی ہے اور ہر موڑ پر حوصلہ افزائی کی گئی ہے۔ کسی بھی پہلو کو تشنہ نہیں چھوڑا گیا، اگر ماں ہے تو اولاد کے لیے جنت کے حصول کا ذریعہ، بیوی ہے تو شوہر کی آنکھوں کی ٹھنڈک، بہن ہے تو الفت و محبت کا پیکر اور بیٹی ہے تو باعثِ رحمت۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ مسلم ممالک بالخصوص مملکت پاکستان میں اسلامی قوانین کے نفاذ کو یقینی بنایا جائے تاکہ عورت دینِ اسلام کے عطا کردہ حقوق سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنی زندگی بہتر انداز سے بسر کر سکے اور غیر مسلموں کی تحاریکِ آزادی نسواں کا آلۂ کار بن کر اپنی دنیا و آخرت برباد نہ کرے۔

کتابیات

اردو اور عربی کتب جن سے استفادہ کیا گیا

1. **القرآن الکریم (ترجمہ):** پیر محمد کرم شاہ الازھری، ضیاء القرآن پبلیکیشنز، لاہور، 1402ھ۔
2. أحکام القرآن: القاضي أبو بکر محمد بن عبد الله ابن العربي، دار الکتب العلمیة، بیروت، 1424ھ۔
3. **ادب نامہ ایران:** مرزا مقبول بیگ بدخشانی، نگارشات پبلشر، لاہور، سن ندارد۔
4. **ادھوری شہریت:** پاکستان میں عورت، ریاست اور سیاسی عمل: فریدہ شہید، مترجم: شفقت تنویر مرزا، شرکت گاہ ویمنز ریسورس سنٹر، لاہور، 2003ء، نمبر 76/24، 24اکتوبر 1976ء۔
5. **ادیان و مذاہب کا تقابلی مطالعہ:** ڈاکٹر عبد الرشید، طاہر سنز، کراچی، 2004ء۔
6. **اردو جامع انسائیکلوپیڈیا:** چیئرمین جسٹس ایس اے رحمان، 1987ء۔
7. **ارشاداتِ رسولِ اکرم ﷺ:** حامد الرحمٰن صدیقی، مدینہ فرید پبلشنگ کمپنی، کراچی، فروری 2019ء۔
8. أسد الغابه في معرفة الصحابه: أبو الحسن علي بن أبي الکرم محمد بن محمدبن عبدالکریم ابن الأثیر، دارالکتب العلمیة، الطبعة الأولی: 1415ھ۔
9. **اسلام اور جدید ذہن کے شبہات (ترجمہ شہادت حول الاسلام):** محمد سلیم کیانی، البدر پبلیکیشنز، لاہور، مارچ 1981ء۔
10. **اسلام اور دیگر مذاہب و معاشروں میں عورت کے حقوق و مسائل:** عبد اللہ مرعی بن محفوظ حامی، مترجم: مفتی ثناء اللہ محمود، دارالاشاعت، کراچی، 2001ء۔
11. **اسلام اور مذاہبِ عالم:** علامہ دلبر حسن نقشبندی، یونائیٹڈ پبلشرز، کراچی، 1989ء۔
12. **اسلام اور مذاہبِ عالم:** محمد مظہر الدین صدیقی، ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، لاہور، 1957ء۔
13. **اسلام اور نظریہ مساوات مرد و زن:** چودھری محمد رفیق، ادارہ معارفِ اسلامی، لاہور، 1990ء۔
14. **اسلام کا نظامِ حیات:** ڈاکٹر لیاقت علی خان نیازی، سنگ میل پبلیکیشنز، لاہور، 2007ء۔
15. **اسلام میں خواتین کے حقوق:** سید نصیر شاہ، نیاز نامہ پبلیکیشنز، لاہور، 2011ء۔
16. **اسلامی جمہوریہ پاکستان کا دستور:** قومی اسمبلی پاکستان، 31 جولائی 2004ء۔
17. **اسلامی حدود و تعزیرات بمعہ نفاذ حدود آرڈیننس 1979ء:** ڈاکٹر مظہر علی شاہ، ہیومن رائٹس ریسرچ اینڈ پبلیکیشن فاؤنڈیشن، کراچی، جنوری 2003ء۔

18. اسلامی فقہ: مجیب اللہ ندوی، پروگریسو بکس، لاہور، سن ندارد۔

19. اقوام عالم کے ادیان ومذاہب: محمد شعیب، ابوعبداللہ، مسلم پبلیکیشنز، گوجرنوالہ، 2007ء۔

20. التسهيل لعلوم التنزيل: أبو القاسم محمد بن أحمد بن محمد بن عبد الله الغرناطي، شركة دار الأرقم بن أبي الأرقم،بيروت،الطبعة الأولى:1416ھ ۔

21. الدّر رالبهيّه: محمد بن علي بن محمد بن عبد الله الشوكاني، مترجِم: ناصرالدين البانى، نعمانى كتب خانه، لاهور،2004ء۔

22. الرحیق المختوم: مولانا صفی الرحمن مبارکپوری، المکتبۃ السلفیہ، لاہور، مئی 2000ء۔

23. السنن الكبرى للبيهقي: أحمد بن الحسين بن علي البيهقي، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الثالثة: 1424 ھ۔

24. السيرة الحلبية: علي بن إبراهيم بن أحمد أبو الفرج نور الدين الحلبي، دارالكتب العلمية، بيروت، الطبعة الثانية:1427ھ ۔

25. الصحيح البخارى: أبو عبد الله محمد بن إسماعيل البخاري، دارطوق النجاة، دمشق، الطبعة الأولى:1422ھ ۔

26. الصحيح المسلم: مسلم بن الحجاج القشيري، دار إحياء التراث العربي، بيروت، سن ندارد۔

27. الطبقات الكبرىٰ: أبو عبدالله محمد بن سعد بن منيع الهاشمي، دارالكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى:1410ھ ۔

28. الفقه على المذاهب الأربعة: عبد الرحمن بن محمد عوض الجزيري، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الثانية: 1424ھ ۔

29. الكشاف عن حقائق غوامض التنزيل: أبو القاسم محمود بن عمرو بن أحمد الزمخشري، دار الكتاب العربي، بيروت، الطبعة الثالثة:1407ھ ۔

30. المحلى بالآثار: أبو محمد علي بن أحمد بن سعيد بن حزم الأندلسي، دارالفكر، بيروت، سن ندارد۔

31. المختصر الكبير في سيرة الرسول: عبد العزيز بن محمد بن إبراهيم، دارالبشير، عمان، الطبعة الأولى:1993ء۔

32. المسند لإمام أحمد بن حنبل: أبو عبد الله أحمد بن محمد بن حنبل الشيباني، مؤسسة الرسالة، الطبعة الأولى:1421ھ ۔

33. المصنف عبد الرزاق: أبو بكر عبد الرزاق بن همام الحميري، المكتب الإسلامي، بيروت، الطبعة الثانية: 1403ھ ۔

34. المعجم الأوسط للطبراني: سليمان بن أحمد بن أيوب الطبراني، دار الحرمين القاهرة، 1415ھ ۔

35. **المعجم الكبير للطبراني:** سليمان بن أحمد أبو القاسم الطبرانی، مكتبة ابن تيمية، القاهرة، 1415ھ

36. **الهداية مع الدراية:** برهان الدين ابوالحسن علی ابن ابی بكر الفرغانی المرغينانی، مكتبة شركة علمية، ملتان، سن ندارد۔

37. **المؤطأ لامام مالك:** مالك بن أنس بن مالك بن عامر، مؤسسة زايد بن سلطان، أبو ظبي، الطبعة الأولى: 1425 ھ۔

38. **آئینِ پاکستان:** ڈاکٹر صفدر محمود، جنگ پبلشرز، لاہور، 1993ء۔

39. **بدھ اور اس کا مت:** مسٹر سٹر اس، شیونرائن شمیم، کاشی رام پریس، لاہور، طبع ثانی: 1926ء۔

40. **برصغیر کے اہم مذاہب:** ڈاکٹر رضی احمد کمال، اپنا ادارہ، لاہور، 2006ء۔

41. **پاکستان کا آئین:** ڈاکٹر محمد اعظم چوہدری، فرید پبلشرز، کراچی، جنوری 2015ء۔

42. **پاکستان کرونیکل:** عقیل عباس جعفری، ورثہ فضلی سنز، کراچی، 2010ء۔

43. **پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق:** یوبی پرنٹرز، مٹن روڈ، لاہور، اپریل 2015ء۔

44. **پاکستان کی نامور خواتین:** عزیز جاوید، دیپا پبلیکشنز، پشاور، 1968ء۔

45. **پاکستانی عورت دوراہے پر:** امین احسن اصلاحی، مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور، 1978ء۔

46. **پردہ:** سید ابوالاعلیٰ مودودی، اسلامک پبلی کیشنز، لاہور، اپریل 2005ء۔

47. **تاريخ الطبری:** محمد بن جرير بن يزيد بن كثير بن غالب الآملي الطبری، دارالتراث، بيروت، الطبعة الثانية: 1387ھ ۔

48. **تاریخ یعقوبی:** احمد بن ابی یعقوب بن جعفر بن وھب، مترجم: مولانا اختر فتح پوری، نفیس اکیڈمی، کراچی، سن ندارد۔

49. **تاریخ ایران قدیم:** ڈاکٹر غلام سرور، مکتبہ خورشید درخشاں، کراچی، ستمبر 1956ء۔

50. **تاریخ ایران:** پروفیسر مقبول بیگ بدخشانی، مجلس ترقی ادب، لاہور، طباعت دوم: جولائی 2010ء۔

51. **تاریخ پاک وہند:** پروفیسر سید سراج الاسلام، غضنفر اکیڈمی، کراچی، ستمبر 2003ء۔

52. **تاریخ تمدن ہند:** محمد مجیب، پروگریسو بکس، لاہور، 1986ء۔

53. **تاریخ مذاہب:** پروفیسر رشید احمد، زمرد پبلی کیشنز، کوئٹہ، 2004ء۔

54. **تاریخ مذاہب:** رشید احمد، قلات پبلشرز، کوئٹہ، 1979ء۔

55. **تاریخ ہند:** ای۔مارسڈن، مترجم: لالہ جیارام۔ خلیفہ عماد الدین، بک ہوم، لاہور، 2006ء۔

56. **تاریخ ہند:** سید فرید آبادی ہاشمی، دارالطبع جامعہ عثمانیہ، طبع دوم: 1939ء، بحوالہ المسدوسی احمد عبد اللہ، مذاہبِ عالم، مکی دارالکتب، لاہور، 2004ء۔

57. **تبیان القرآن:** علامہ غلام رسول سعیدی، فرید بک سٹال، لاہور، 2000ء۔

58. **تحریک پاکستان اور خواتین:** بیگم نور الصباح، شیخ غلام علی اینڈ سنز لمیٹڈ، لاہور، سن ندارد۔

59. **تحریک پاکستان کی نامور خواتین:** آزاد بن حیدر، سر سید اردو بازار، کراچی، سن ندارد۔

60. **تحفہ خواتین:** مولانا محمد عاشق الٰہی، ادارہ اسلامیات، کراچی، 2007ء۔

61. **تحفظ حقوق نسواں بل یا دین میں ترمیم کا بل:** محمد تقی عثمانی، مولانا عبد المالک، سید نصیب علی شاہ، اسد اللہ بھٹو، ادارہ معارف اسلامی منصورہ، لاہور، نومبر 2006ء۔

62. **تحفظ خواتین بل:** پروفیسر مفتی منیب الرحمٰن، مرکزی جماعت اہلسنت پاکستان، کراچی، سن ندارد۔

63. **تفسیر ضیاء القرآن:** پیر محمد کرم شاہ الازہری، ضیاء القرآن پبلیکیشنز، لاہور، 1402ھ۔

64. **تفسیر قرطبی:** امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن ابو بکر قرطبی، مترجم: پیر محمد کرم شاہ الازہری، ضیاء القرآن پبلیکشنز، لاہور، 2012ء۔

65. **تفہیم القرآن:** سید ابو الاعلیٰ مودودی، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، سن ندارد۔

66. **تمدنِ ہند:** ڈاکٹر گستاولی بان، مترجم: سید علی بلگرامی، بک لینڈ، کراچی، فروری 1962ء۔

67. **جدید تحریک نسواں اور اسلام:** ثریا بتول علوی، منشورات، لاہور، 1998ء۔

68. حاشية ابن عابدين الشامي: رد المختار على درالمختار: المكتبة الرشيديه، كوئته، الطبعة الثانية: **1404ھ**۔

69. **خواتین قرآن وسنت کی روشنی میں:** ڈاکٹر محمد بلتاجی، مترجم: اہلیہ دانش کمال، دارالاشاعت، کراچی، مارچ 2006ء۔

70. دلائل النبوة: أحمد بن الحسين بن علي بن موسى الخراساني البيهقي، دارالكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى: **1405ھ**۔

71. **رحمۃ للعالمین:** قاضی محمد سلمان منصور پوری، مرکز الحرمین الاسلامی، فیصل آباد، اکتوبر 2007ء۔

72. **رسومِ ہند:** آشوب دہلوی، مجلس ترقی ادب، لاہور، 1961ء۔

73. زاد المعاد: محمد بن أبي بكربن أيوب بن سعد شمس الدين ابن قيم الجوزية، مكتبة المنار الإسلامية، الكويت، الطبعة السابعة والعشرون: **1415ھ**۔

74. **زاد المعاد مترجم:** محمد بن ابی بکر بن ایوب بن سعد شمس الدین ابن قیم جوزی، مترجم: رئیس احمد جعفری، نفیس اکیڈمی، کراچی، 1990ء۔

75. **سری کرشن گوتم اور دوسرے رہنما:** منمتھ ناتھ دت، مترجم: نارائن پرشاد ورماہر، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی، 1993ء۔

76. سنن ابن ماجه: أبو عبد الله محمد بن يزيد القزويني ابن ماجة، دار الرسالة العالمية،الطبعة الأولى: **1430ھ**۔

77. سنن أبي داؤد: سليمان بن الأشعث بن إسحاق أبو داؤد، المكتبة العصرية، بيروت، سن ندارد

78. سنن الترمذي: أبو عيسى محمد بن عيسى الترمذي، شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابي الحلبي، مصر، الطبعة الثانية: **1395ھ**۔

79. سنن النسائی: أبو عبد الرحمن أحمد بن شعيب النسائی، مكتب المطبوعات الاسلامية، حلب، الطبعة الثانية: **1406ھ**۔

80. **سوانح عمری مہاتما بدھ:** منشی احمد الدین، کشمیری پریس، لاہور، 1903ء۔

81. **سیرت ابن ہشام:** عبد الملک بن ھشام بن أيوب الحميري، مترجم: سید یٰسین علی حسنی نظامی دہلوی، ادارہ اسلامیات، لاہور، مئی 1994ء۔

82. **سیرت النبی ﷺ:** علامہ شبلی نعمانی، دار الاشاعت، کراچی، طبع اول: مئی 1985ء۔

83. شرح السنة للبغوی: أبو محمد الحسين بن مسعود البغوي، المكتب الإسلامي، دمشق، الطبعة الثانية: **1403ھ**۔

84. شرح النقايه: مولوی الياس، سعيد ايچ ايم كمپنى، كراچى، **1326ھ**۔

85. شرح الوقاية: مع حاشية عُمدة الرعاية، محمد عبد العلى المدراسى، سعيد ايچ ايم كمپنى، كراچى، **1403ھ**۔

86. **شرح صحیح المسلم:** علامہ غلام رسول سعیدی، فرید بک اسٹال، لاہور، شعبان 1417ھ۔

87. **ضیاء النبی:** پیر محمد کرم شاہ الازہری، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، ربیع الاول 1420ھ۔

88. **طبقات ابن سعد مترجم:** محمد بن سعد، مترجم: علامہ عبد اللہ العمادی، نفیس اکیڈمی، کراچی، طبع اول: مارچ 1971ء۔

89. **عورت اسلامی معاشرے میں:** سید جلال الدین عمری، اسلامک پبلیکیشنز پرائیوٹ لمیٹڈ، لاہور، 1996ء۔

90. **عورت اور قرآن:** محمد کلیم، نگارشات پبلشرز، لاہور، 2006ء۔

91. **عورت بنام مرد:** محمد حسین پٹیل رشیدہ، پاکستان وومن لائرز ایسوسی ایشن، کراچی، 2004ء۔

92. **عورت:** افتخار مریدی، مجلس نشریات اسلام، کراچی، سن ندارد۔

93. عيون الاثر: فتح الدين محمد بن محمد بن محمد بن أحمد، دارالقلم، بيروت، الطبعة الأولى: **1414ھ**۔

94. **غیر مسامی مذاہب کے بانی:** الطاف جاوید، اپنا ادارہ لاہور، دوئم ایڈیشن، 2004ء۔

95. **فلسفہ مذاہب:** امولیہ رنجن مہاپتر، مترجم: یاسر جواد، فکشن ہاؤس، لاہور، 1998ء۔

96. **قدیم ہندوستان کی تاریخ:** رماشنکر ترپاٹھی، مترجم: سید سخی حسن نقوی، سلسلہ مطبوعات ترقی اردو بیورو، نئ دہلی، 1981ء۔

97. **قرون اولیٰ کی خواتین اوران کی علمی ودینی خدمات:** قاری بدر الدین، مکتبہ حکیم الامت، کراچی، 1431ھ۔

98. **کلید کلیات اقبال (ضرب کلیم):** علامہ محمد اقبال، مرتب احمد رضا، ادارہ اہل قلم، لاہور، طبع اول: 2005ء،۔

99. **گوتم بدھ (سوانح، حیات وتعلیمات):** ڈاکٹر حفیظ سید، سلسلہ مطبوعات انجمن ترقی اردو (ہند)، دہلی، 1942ء۔

100. **گوتم بدھ راج محل سے جنگل تک:** کرشن کمار، مترجم: پرکاش دیو، نگارشات پبلشرز، لاہور، 2002ء۔

101. **گوتم بدھ سے دلائی لاما تک:** کرسٹو فرر ابرٹس، مترجم: محمد احسن بٹ، دارالشعور، لاہور، مئی 2006ء۔

102. **گوتم بدھ:** کمار کرشن، ترتیب وترمیم: خالد ارمان، نگارشات پبلشرز، لاہور، 2001ء۔

103. **گوتم بدھ:** منشی امیر احمد علوی، دارالناظر پریس، لکھنؤ، 1923ء۔

104. **عورت، جنسی تفریق اوراسلام:** لیلیٰ احمد، مترجم: خلیل احمد، مشعل بکس، لاہور، 1995ء۔

105. **مادر ملت فاطمہ جناح حالات وخدمات:** موسی خان جلال زئی، حق پبلی کیشنز، لاہور، سن ندارد۔

106. **مجموعہ قوانین اسلام:** تنزیل الرحمن، مرکزی ادارہ تحقیقات اسلامی، کراچی، جولائی 1965ء۔

107. **محمڈن لاء یعنی شرع محمدّی:** ملاڈ نشافرنجی، مترجم: انعام الحق میاں، منصور بک ہاؤس، لاہور، سن ندارد۔

108. مختصر القدوري: أحمد بن محمد بن أحمد بن جعفر القدوري، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى: 1418ھ ۔

109. **مذاہب عالم ایک معاشرتی وسیاسی جائزہ:** احمد عبد اللہ المسدوسی، مکتبہ خدّام ملت، کراچی، 1958ء۔

110. **مذاہبِ عالم پر ایک نظر:** سید اظہر اقبال ہاشمی، اختر بک ڈپو، کراچی، سن ندارد۔

111. **مذاہبِ عالم کا تقابلی مطالعہ:** چوہدری غلام رسول، علمی کتب خانہ، لاہور، نومبر 1983ء۔

112. **مذاہب عالم کا انسائیکلوپیڈیا:** لیوس مور، مترجم: یاسر جواد، سعدیہ جواد، نگارشات پبلشرز، لاہور، سن ندارد۔

113. **مسلمان عورت کے حقوق اور ان پر اعتراضات کا جائزہ:** سید جلال الدین عمری، اسلامک ریسرچ اکیڈمی، کراچی، مئی 2015ء۔

114. **مسلمان عورت:** ڈاکٹر ذاکر نائیک، مترجِم: سید خالد جاوید مشہدی، بیکن بکس، لاہور، 2007ء۔

115. مسند الدارمي المعروف ب- (سنن الدارمي): أبو محمد عبد الله بن عبد الرحمن الدارمي، دارالمغني للنشروالتوزيع، المملكة العربية السعودية، الطبعة الأولى: **1412ھ**۔

116. **مغربی عورتوں کی جدوجہد کی چند جھلکیاں (مغربی عورت اور ادب زندگی):** خالد سہیل، رین پریس، لاہور، 1988ء۔

117. مغني المحتاج إلى معرفة معاني ألفاظ المنهاج: شمس الدين محمد بن أحمد الخطيب الشربيني الشافعي، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى: **1415**ھ۔

118. مناهل العرفان في علوم القرآن: محمد عبد العظيم الزُّرْقاني، مطبعة، عيسى البابي الحلبي وشركاه، الطبعة الثالثة: سن ندارد۔

119. **مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کش مکش:** سید ابوالحسن ندوی، مجلس نشریات اسلام، کراچی، طبع سوم: 1981ء۔

120. **نعم الباری فی شرح صحیح البخاری:** علامہ غلام رسول سعیدی، ضیاءالقرآن پبلیکیشنز، کراچی، جنوری 2013ء۔

رسائل ومجلات جن سے استفادہ کیا گیا

1. **آج کل (گوتم بدھ نمبر):** بدھ اور عورت، بال مکند مشر، آج کل (گوتم بدھ نمبر)، نومبر 1956ء، شمارہ نمبر: 004۔
2. **آج کل (گوتم بدھ نمبر):** گوتم بدھ، ڈاکٹر ایس رادھا کرشنن، دہلی نومبر 1956ء، شمارہ نمبر: 004۔
3. **برصغیر کی خواتین تحریکیں:** مہناز رفیع، روزنامہ نوائے وقت، 28اگست 2009ء۔
4. **بیجنگ میں خواتین کی عالمی کانفرنس:** اُم قاسم، محدث، اکتوبر 1995ء، شمارہ نمبر: 206۔
5. **تحریک نازن ایک ناقدانہ جائزہ:** محمد عطاء اللہ صدیقی، محدث، نومبر 2004ء، شمارہ نمبر: 11۔
6. **جدید تحریکِ نسواں اور اسلام ایک تحقیقی مطالعہ:** عبدالودود سرپرہ، معارف مجلہ تحقیق، جولائی تا دسمبر 2017ء۔
7. **جدید تصورِ آزادیٔ نسواں اور اسلام:** اُمِ حبیبہ، ماہنامہ دخترانِ اسلام، لاہور، جنوری 2018ء، شمارہ نمبر: 1۔
8. **رسالہ زمانہ کانپور گوتم بدھ:** محمد اسماعیل ہاتف بھوپالی، (1903 تا 1942ء) سے انتخاب، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی، 1993ء۔

English Books

1. **An Overview of Zarathushtrianism:** Adil. Feroz Rangoonwalla , Adil. Feroz Rangoonwalla, India, 2002AD.
2. **Buddhism In Christendom:** Arthur Lillie, Kegan Paul, Trench & Co, I PaterNoster Square, London, 1887AD.
3. **Standing Alone in Mecca, An American women's Struggle for the soul of Islam:** Asra Q Nomani, Harper San Francisco, A division of Harper, colins Publishers, 2005AD.
4. **The Teaching of Buddha:** B.D.K, Bukkyo Dendo Kyokai, Tokyo, 1966AD.
5. **Women in Buddhist Literature:** Bimala Churn Law, W.E.Bastian & Co,Ceylon, 1927AD.
6. **Buddhism and Women The Dhamma Has No Gender:** Chand R.Sirimanne, (Journal of International Women's Studies), Colombo, Nov 2016AD Article:17.
7. **Islamization of Laws and Economy:** Charles H Kennedy, Institute of Policy Studies, Islamabad, 1996AD.
8. **Thai Women in Buddhism:** Chatsumarn KabilSingh, Parallex Press Barkeley, California, Publication Date not given.
9. **The Position of Zoroastrian Women in Remote Antiquity:** Darab Dastur Peshotan Sanjana, Education Society's Press, Bombay, 1892AD.
10. **HOMAGE UNTO AHURA MAZDA:** Dastor Dr. M.N. Dhalla, Karachi, 1970AD.
11. **The Feminist Challenge:** David Bouchier, Macmillan Press, London, 1983AD.
12. **History of the Parsis:** Dosabhai Framji Karaka, Macmillan and Co,London, 1884AD.

13. **The Position of Women in Buddhism:** Dr.Mrs L.S. Dewaraja, (the wheel publication no.280),Buddhist publication society, Kanday, 1981AD.
14. **The Life of Gotama the Buddha:** E.H.Brewster, Kegan Paul Trench Trubner & Co.Ltd, New York, 1926AD.
15. **GATHA–BA-M̄AĀNI:** Ervad Kavasji Edalji Kanga, the trustees of the Parsis panchayet funds and properties, Bombay, 1997AD.
16. **Light Of The Avesta And The Gathas:** Fare Dun K.Dadachanji, Jam-E-Jamshed Printing Works, Bombay, 1913AD.
17. **The vision of Zarathushtra:** Feroz Cawasji Davar, Hukhta foundation, Bombay, Publication Date not given.
18. **2500 years of Buddhism:** Forwarded by, S. Radhakrishnan, The Publication Division Ministry of information and Broadcasting Government of India, May 24, 1956AD.
19. **Encyclopedia of the World's Nations and Cultures:** George Thomas Kurian, Viva Books private limited, india.
20. Henry George Briggs, The Parsis or, Modern Zerdusthians, Andrew Dunlop Publisher, Bombay, 1852AD.
21. **Women under Primitive Buddhism:** I.B.Horner, Motilal Banarsidad, Delhi, 1930AD.
22. **The Religious Ceremonies and Customs of the Parsees:** Jivanji Jamshedji Modi, British India Press, Bombay, 1922AD.
23. **Zoroastrianism an Ethnic Perspective:** Khojeste P.Mistree, Zoroastrian studies, January, 1982AD.
24. **History of Thai Women:** Kularb Saipradit and Jit Bhumisak, Somchai Press, Bangkok, 1976AD.
25. **World Religions:** Madhu Bazoz Wangu, Viva Books Pvt Ltd, New Delhi.

26. **Zoroastrian Ethics:** Maganlal A Buch, Forgotten Books, Baroda, 1919AD.
27. **Zoroastrian Theology:** Maneckji Nusservanji Dhalla, Oxford University Press, New York, 1914AD.
28. **Zoroastrians:** Mary Boyce, Rout Ledge & Kegan Paul, London And New York, 1986AD.
29. **World Religions (Zoroastrianism):** Paula R.Hartz, Viva Books Pvt Ltd, New Delhi, 2008AD.
30. **The Religion of the Good Life Zoroastrianism:** R.P.Masani, George Allen and Unwin LTD,London, 1938AD.
31. **Zoroastrianism:** REV.H.McNEILE, The Lay Readers, London, 1915AD.
32. **Woman Her Charm And Power:** Robert P. Downes, The Epworth Press, London,1920AD.
33. **Samyutta Nikaya (The connected discourses of the Buddha):** Translated by Bhikkhu Bodhi, Wisdom Publications, Boston (USA), 2000AD.
34. **First Buddhist Women:** Susan Murcott, Parallex Press, Berkeley (California) 1991AD.
35. **The Teaching of Zarathustra:** T.R.Sethna, Sethna, Karachi, 1975AD.
36. **Khordeh Avesta:** T.R.Sethna, Sethna,Karachi,1975AD.
37. **Dialogues Of The Buddha:** T.W and C.A.F Rhys Davis, Humphrey Milford Oxford University Press, London, 1921AD.
38. **Yasna (Excluding the Gathas):** Tehmurasp Rustamji Sethna, T.R.Sethna, Karachi,1977AD.
39. **The Gazette of Pakistan:** Acts, ordinances, Presidents, Orders and Regulations Senate Secretarial, Islamabad, December 2, 2006.
40. **The Macmillan Family Encyclopaedia:** MACMILLAN LONDAN LTD, 1982AD.

41. **The New Encyclopedia Britannica:** William Benton Publisher, Chicago, 1943AD-1973AD, 15th Addition.
42. **Khordeh Avesta:** T-R.Sethna, Ma'aref Printers, Karachi, 1975AD.
43. **The Numerical Discourses of the Buddha (translation of the anguttara nikaya):** Translated by bhikkhu bodhi, Wisdom Publication, Boston, Publication Date not given.
44. **Dadestan-i-Denig (Religious Decisions):** Translated by E.W.West, Oxford University Press, 1880AD.
45. **The Book of the Discipline (Vinaya-Pitaka):** Translated by I B Horner, The Pali text Society, 2001AD.
46. **The Zend Avesta (The Vendidad):** Translated by James Darmesteter, Oxford at the Clarendon Press, London, 1880AD.
47. **The Zend-Avesta:** Translated by L.H.Mills, Motilal Banarsidad, Delhi, 1965AD.
48. **The Gathas of Zarathushtra:** Translated by Piloo Nanavutty, Mapin Publishing, Ahmedabad, 1999AD.
49. **YĀSHT-BĀ-MĀĀNI:** Translated by Prof. Ervad Maneck Furdoonji Kanga, The Trustees of the Parsi Punchayat Funds and Properties, Bombay, 2001AD.
50. **Vendidad (The Law Of Zarathushtra To Turn Away From Evil):** Translated by Tehmurasp Rustamji Sethna, Sethna, Karachi, 1977AD.
51. **The Teachings of Zarathustra:** T-R-Sethna, Sethna, Karachi, 1975AD.
52. **A Happy Married Life:** Ven Dr K Sri Dhammananda, Awaken Publishing & Design, Singapore, August 2007AD.
53. **Six Religions in the twenty-first Century:** W.Owen Cole & Peggy Morgan, Stanlley thrones, England, 2000AD.
54. **The story of civilization:** Will Durant, Slmon and Schuster, New York, 1942AD.

55. **The Knot Tied (Marriage Ceremonies of all nations):** William Tegg, William Tegg & Co, London, 1877AD.

Webography

1. Adurfarnbag Farroxzadan, Denkard (The Acts of Religion) Book five, Edited by Dastur Peshotanji Behramji Sanjana, 1907AD, Digital Edition by Joseph H.Peterson, http://www.avesta.org/denkard/dk5s.html (Retrieved on 21-04-2019, 01:54 pm)
2. Archana paudel, The Discrimination of Women in Buddhism:An Ethical Analysis, Open Access Library Journal, April 26 2017. http://www.scirp.org/journal/paperinformation.aspx?PaperID=75673, (Retrieved on 02-02-2019,11:10 am)
3. Asra Nomani,Islamic Bill of Rights for Women in the Mosque, 2004AD, https://en.m.wikipedia.org/wiki/Islamic_Bill_of_Rights_for_Women_in_the_Mosque (Retrieved on 15-06-2019, 5:34 pm)
4. Buddhism and Women(Position of women at the time of the BUDDHA) www.buddhanet.net/e-learning/history/position.htm (Retrieved on 20-02-2019,10:00 am)
5. Denkard(The Acts of Religion)Book five, Digital Edition by Joseph H.Peterson, http://www.avesta.org/denkard/dk5s.html (Retrieved on 21-04-2019, 03:12 pm).
6. Dr.V.K.Maheshwari, Education in Buddhist Period in India, www.vkmaheshwari.com/WP/?p=522 (Retrieved on:05-02-2019,4:30 pm)
7. Heng Ching Shih, Chinese Bhikksunis in the Chan tradition. http://www.fjdh.cn/wumin/2009/04/06073472041.html. (Retrieved on 02-02-2019,12:45 pm)

8. http://magazine.mohaddis.com/shumara/248-oct-1995 /2733-bejing-khawateen-aalmi-counfrence (Retrieved on 15-06-2019, 4:19 pm)
9. http://theology101.org/zor/sbe24/dd52.htm#chap62 (Retrieved on, 27-04-2019, 10:30 pm)
10. http://www.arabnews.com/node/264775 (Retrieved on 15-06-2019, 5:03 pm)
11. http://www.britannica.com/topic/National-Woman-Suffrage-Association (Retrieved on 15-06-2019, 12:06 pm)
12. http://www.iranreview.org/content/Document/women-s-Rights-in-Ancient-Persia.html (Retrieved on 21-04-2019, 11:39 am)
13. https://en.m.wikipedia.org/wiki/Asra_Nomani (Retrieved on 15-06-2019, 5:14 pm)
14. https://en.m.wikipedia.org/wiki/Zoroastrian_wedding (Retrieved on 12-04-19, 1:00 am)
15. https://en.wikipedia.org/wiki/Presidential_Commission_on_the_Status_of_Women(Retrieved on 15-06-2019,3:15pm)
16. https://en.wikipedia.org/wiki/The_Feminine_Mystique (Retrieved on 15-06-2019, 3:36 pm)
17. https://en.wikipedia.org/wiki/The_Woman%27s_Bible (Retrieved on 15-06-2019, 2:15 pm)
18. https://faculty.arts.ubc.ca/mchapman/by_students/mckinney/CU.htm (Retrieved on 15-06-2019, 2:40 pm)
19. https://www.britannica.com/topic/American-Woman-Suffrage-Association (Retrieved on 15-06-2019, 1:26 pm)
20. https://www.fwbl.com.pk/about_us/ (Retrieved on 16-06-2019, 02:58 pm)
21. https://www.google.com/amp/s/www.nawaiwaqt.com.pk/28-aug-2009/111753%3Fversion=amp (Retrieved on 16-06-2019, 11:16 am)

22. https://www.history.com/.amp/topics/womens-rights/seneca-falls-convention (Retrieved on 15-06-2019, 11:16 a.m.)
23. https://www.nishanemanzil.com/%D9%BE%D8%A7%DA%A9%D8%B3%D8%AA%D8%A7%D9%86%DB%8C%D8%AE%D9%88%D8%A7%D8%AA%DB%8C%D9%86%DA%A9%D8%A7%D8%B3%D8%AA%D8%B1%D8%B3%D8%A7%D9%84%DB%81%D8%B3%D9%81%D8%B1/ (Retrieved on 16-06-2019, 9:34 am)
24. https://www.nishanemanzil.com/%D9%BE%D8%A7%DA%A9%D8%B3%D8%AA%D8%A7%D9%86%DB%8C%D8%AE%D9%88%D8%A7%D8%AA%DB%8C%D9%86%DA%A9%D8%A7%D8%B3%D8%AA%D8%B1%D8%B3%D8%A7%D9%84%DB%81%D8%B3%D9%81%D8%B1/ (Retrieved on 16-06-2019, 02:16 pm)
25. https://www.nishanemanzil.com/%D9%BE%D8%A7%DA%A9%D8%B3%D8%AA%D8%A7%D9%86%DB%8C%D8%AE%D9%88%D8%A7%D8%AA%DB%8C%D9%86-%DA%A9%D8%A7%D8%B3%D8%AA%D8%B1%D8%B3%D8%A7%D9%84%DB%81%D8%B3%D9%81%D8%B1/ (Retrieved on 16-06-2019, 03:16 pm)
26. https://www.theculturium.com/mahapajapati-gotami-mother-of-all/ (Retrieved on 05-02-2019, 21:10 pm)
27. https://www.un.org/womenwatch/daw/cedaw/rules/part3/ (Retrieved on 15-06-2019, 3:54 pm)
28. K.E. Aduljee, Zoroastrian Heritage, https://www.heritageinstitute.com/zoroastrianism/marriage/indian/page2.htm (Retrieved on 17-04-19, 11:00 a.m)
29. Tamara, Ebrahimpour, Women's Rights in Ancient Persia, http://www.iranreview.org/Content/Documents/Women-s-Rights-in-Ancient-persia.htm(Retrieved on 26-04-19, 1:46 pm)

30. Tamara, Ebrahimpour, Women's Rights in Ancient Persia, http://www.iranreview.org/Content/Documents/Women-s-Rights-in-Ancient-persia.htm (Retrieved on, 27-04-2019, 11:38 pm)
31. The Discrimination of Women in Buddhism, http://www.scirp.org/journal/paperinformation.aspx?PaperID=75673, (Retrieved on 02-02-2019,11:25 am).
32. WOMEN ii. In the Avesta, http://www.iranicaonline.org/article/women-ii-avesta(Retrieved on 21-04-19, 10:50 am)
33. Zoroastrian Rituals: Wedding, http://www.avesta.org/ritual/zwedding.htm (Retrieved on 20-04-2019, 11:50 am)